1 ۔ حمد

حفیظؔ جالندھری

خلاصہ

حفیظؔ جالندھری کا شمار اردو کے مشہور نظم گو شعرا میں ہوتا ہے۔ نظم حمد میں انہوں نے اللہ تعالی کی صفات کی تعریف بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے ایک حرفِ کن سے یہ کائنات تخلیق کی اور اس میں انسانوں، جانوروں اور پودوں کو پیدا کر کے رونق پیدا کر دی۔ اس کائنات کا نظام اللہ تعالی کے اختیار میں ہے۔ موسموں کا بدلنا، نعمتوں کی فراوانی، نباتات، حیوانات، سب چیزوں کا خالق اللہ تعالی ہے۔ اللہ تعالی نے اپنی مہربانی سے انسان کو نیک فطرت پر پیدا کیا اور حضرت محمد ﷺ کے نام پر نثار ہونے کا جذبہ دلوں میں پیدا کیا۔

مشق

1 - سوالات کے مختصر جوابات

(الف) اللہ تعالی نے یہ کائنات کونسا ایک لفظ کہہ کر بنائی ہے؟

جواب: اللہ تعالی نے یہ کائنات "کن" کہہ کر بنائی ہے۔

(ب) اللہ تعالی نے انسان کو کن نعمتوں سے نوازا ہے؟ چند ایک تحریر کیجیے؟

جواب: اللہ تعالی نے انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ اللہ نے ہاتھ پاؤں اور جسمانی نعمتوں کے علاوہ کھانے، پینے اور رہنے کی نعمتوں سے نوازا ہے۔ پھل، اناج، زمین، آگ، پانی اور سمندر اس کی نعمتیں ہیں۔

(ج) اُجالے اندھیرے اور خشک و تر کس کے مظاہر ہیں؟

جواب: اجالے اندھیرے اور خشک و تر اللہ تبارک و تعالی کی شان کے مظاہر ہیں۔

(د) حمد میں خالق کی کن مخلوقات کا ذکر کیا گیا ہے؟

جواب: حمد میں نباتات، جمادات، حیوانات اور کائنات کی ہر چیز کا خالق اللہ کو کہا گیا ہے۔

(ہ) اس نظم "حمد" کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیں۔

جواب: خلاصہ:

حفیظؔ جالندھری کا شمار اردو کے مشہور نظم گو شعرا میں ہوتا ہے۔ نظم حمد میں انہوں نے اللہ تعالی کی صفات کی تعریف بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے ایک حرفِ کن سے یہ کائنات تخلیق کی اور اس میں انسانوں، جانوروں اور پودوں کو پیدا کر کے رونق پیدا کر دی۔ اس کائنات کا نظام اللہ تعالی کے اختیار میں ہے۔ موسموں کا بدلنا، نعمتوں کی فراوانی، نباتات، حیوانات، سب چیزوں کا خالق اللہ تعالی ہے۔ اللہ تعالی نے اپنی مہربانی سے انسان کو نیک فطرت پر پیدا کیا اور حضرت محمد ﷺ کے نام پر نثار ہونے کا جذبہ دلوں میں پیدا کیا۔

2-الفاظ سے مصرعے مکمل کریں۔

1- نظام آسمانی ہے اسی کی حکمرانی سے۔

2- زمین پر جلوہ آرا ہیں مظاہر اس کی قدرت کے۔

3- وہی ہے کائنات اور اس کی مخلوقات کا خالق۔

4- بشر کو فطرت اسلام پر پیدا کیا جس نے۔

3- نظم "حمد" کے متن کی روشنی میں درست جواب پر نشان لگائیں:

(الف) نظم "حمد" کس شاعر کی تخلیق ہے؟

(الف) احسان دانش (ب) جمیل الدین عالی (ج) ✓ حفیظ جالندھری (د) جوش ملیح آبادی

(ب) کائنات کا وجود اللہ تعالی کے:

(الف) احکامات کا نتیجہ ہے (ب) چاہنے کا نتیجہ ہے (ج) ✓ حرفِ کن کا نتیجہ ہے (د) ان سب کا

(ج) نظام آسمانی اور بہارِ جاودانی میں کون سی بات مشترک ہے؟

(الف) ✓ خالق ایک ہے / قافیہ ایک ہے (ب) ردیف ایک ہے

(ج) دونوں کائنات کا حصہ ہیں (د) ایک ہی نظام کے عناصر ہیں

(د) یہ عالم اللہ تعالی نے کس چیز سے بھر دیا ہے؟

(الف) رنگ و بُو سے (ب) مخلوقات سے (ج) جمادات و نباتات سے (د) ✓ ان سب سے

(ہ) ذاتِ باری تعالی کی شان کہاں نظر آتی ہے؟

(الف) سرد و گرم میں (ب) خشک و تر میں (ج) اُجالے اور تاریکی میں (د) ✓ ان سب میں

(و) اللہ تعالی نے انسان کو فطرتِ اسلام پر پیدا کر کے کون سا اور احسان کیا؟

(الف) رزق دیا (ب) صحت و تندرستی دی (ج) ✓ اسمِ محمد ﷺ کا شیدا کیا (د) عقل و شعور کی دولت دی

4-کالم (الف) کے الفاظ کالم (ب) سے ملائیں:

جواب:

نمبر شمار	کالم الف	کالم ب
1-	ایک حرفِ کن	عالم کا پیدا ہونا
2-	بہارِ جاودانی	باغبانی سے
3-	بشر کا پیدا ہونا	فطرتِ اسلام
4-	کائنات	خالق
5-	بچھائے	دسترخوانِ نعمت

5-درجِ ذیل الفاظ کے متضاد لکھیے۔

جواب:

نمبر شمار	الفاظ	متضاد
-1	شمس	قمر
-2	سرد	گرم
-3	تر	خشک
-4	تاریکی	اجالا
-5	خالق	مخلوق
-6	ثابت	سیارہ

6-درج ذیل الفاظ کے معانی لکھیں۔

حرفِ کن	ہو جا(اللہ کی قوّتِ تخلیق کہ ہم کہتے ہیں "ہو جا" پس ویسا ہو جاتا ہے)
صدائے ہاوہُو	رونق مراد ہے/مختلف آوازیں
کشاکش	کھینچاتانی/تکرار/جھڑپ/کشمکش
بہارِ جاودانی	ہمیشہ رہنے والی بہار
جلوہ آرا	سج دھج کے سامنے آنا/ظاہر ہونا
جمادات	بے جان مادی اشیاء، پتھر، دھات
بَشَر	انسان/آدمی

7-حمد کے مطابق الفاظ کو ترتیب دے کر مصرعے بنائیں:

(الف) قدرت، اس کی، جلوہ آرا، زمین پر، ہیں، مظاہر، کے

(ب) کا، خالق، نباتات و جمادات، حیوانات، اور

(ج) سے، نظام آسمانی، حکمرانی، اسی کی، ہے

(د) جس نے، بشر کو، پیدا کیا، فطرتِ اسلام پر

(ہ) باپ دادوں، کا، ہمارا، وہی مالک، اور، ہمارے

جواب:

(الف) زمین پر جلوہ آرا ہیں مظاہر اُس کی قدرت کے۔

(ب) نباتات و جمادات اور حیوانات کا خالق۔

(ج) نظامِ آسمانی ہے اُسی کی حکمرانی سے۔

(د)بشر کو فطرتِ اسلام پر پیدا کیا جس نے۔

(ہ)وہی مالک ہمارا اور ہمارے باپ دادوں کا۔

8-حمد کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

9-حمد کے ہر شعر میں ہم آواز الفاظ موجود ہیں،ان کی نشاندہی کیجئے۔

جواب:

(کر، بھر) (حکمرانی، باغبانی) (قدرت، نعمت) (تاریکی، باری کی)

(مخلوقات، حیوانات) (ارادوں، دادوں) (پیدا، شیدا)

10-درجِ ذیل الفاظ پر اعراب لگائیے۔

جواب:

حَرُفِ کنْ

جَمَادَاتُ

نَبَاتَاتُ

بَشَرُ

نِعَمتُ

کثیر الانتخابی سوالات

درست جوابات کی نشاندہی کریں:

1-محمد حفیظ جالندھری کہاں پیدا ہوئے؟

(الف)امرتسر (ب)جالندھر (ج)پٹیالہ (د)مدراس

2-حفیظ جالندھری نے کس کی شاگردی اختیار کی؟

(الف)مولانا محمد حسین آزاد (ب)مولانا شبلی نعمانی (ج)مولانا غلام قادر گرامی (د)مولوی عبدالحق

3-حفیظ جالندھری کا انتقال کہاں ہوا؟

(الف)لاہور (ب)کراچی (ج)دہلی (د)جالندھر

4-حفیظ جالندھری کا سن ولادت ہے:

(الف)1900ء (ب)1901ء (ج)1902ء (د)1903ء

5-حفیظ جالندھری کا سن وفات ہے:

(الف)1980ء (ب)1981ء (ج)1982ء (د)1983ء

6-حفیظ جالندھری کا مزار کہاں واقع ہے؟

(الف)گلشن پارک (ب)اقبال پارک (ج)جناح پارک (د)جیلانی پارک

7-حفیظ جالندھری کی باعث فخر تخلیق ہے:

(الف)قومی ترانہ (ب)قومی نظمیں (ج)گیت (د)غزل

8-شاہ نامہ اسلام کس کی تخلیق ہے؟

(الف)علامہ اقبالؔ (ب)مولانا حالیؔ (ج)حفیظؔ جالندھری (د)مرزا غالبؔ

جوابات:

1-ب	2-ج	3-الف	4-الف	5-ج
6-ب	7-الف	8-ج		

2۔ نعت

احسان دانشؔ

خلاصہ

نعت میں شاعر حضرت محمد ﷺ کی تعریف اور توصیف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ حضور پُر نور، شافع یوم النشور، دو عالم کے امداد گار، امین غمگسار غریبوں کی جان کا سکوں، یتیموں کے دل کا قرار، محبوب پروردگار اور پیغمبر ذی وقار بن کر آئے۔ آپ ﷺ نے وحشت و بربریت میں پڑی انسانیت کو اصولِ محبت کا پیغام دیا، جہالت کی تاریکی میں بھٹکتی انسانیت کو ہدایت کے نور سے منوّر کیا۔ زمانے کو منزل مبارک ہو، اُن کی دائمی کامیابی، ابدی فلاح اور اخروی نجات کے لئے نبی محتشم، ہم نور مجسم ﷺ ہدایت جاوداں اور مقدس قرآن لے کر آئے۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالی نے دونوں جہاں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا آپ کی تشریف آوری اللہ کا ہم پر خصوصی انعام ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات رہتی دنیا تک ہماری رہنمائی کرتی رہیں گی۔ آپ ﷺ کا اخلاق بے مثال ہے۔

مشق

1۔ سوالات کے مختصر جوابات

(الف) نعت کے پہلے شعر میں حضور ﷺ کی کون سی صفات بیان کی گئی ہیں؟

جواب: اِمداد گار، غمگسار، امین۔

(ب) دوسرے شعر کے مطابق کس کو سکون ملا ہے؟

جواب: غربا کی جان اور یتیموں کے دل کو سکون ملا ہے۔

(ج) انسان کو انسان کا عرفان ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: انسان کو انسان کی پہچان اور قدر ہو گی اور انسانیت کا پتا چلے گا۔

(د) شاعری کے نزدیک حضور ﷺ کا پیغام کیا ہے؟

جواب: اصول محبت۔

(ہ) نعت کے آخری شعر میں خضر سے کون سی ہستی مراد ہے؟

جواب: رسول پاک ﷺ

3۔ متن کی روشنی میں درست جواب پر نشان لگائیں۔

(الف) یہ نعت کس شاعر کی ہدیہ عقیدت ہے؟

(الف) حفیظؔ جالندھری (ب) حفیظ تائبؔ (ج) ✓ احسان دانشؔ (د) ماہرؔ القادری

(ب) متن کے مطابق محبوبِ پروردگار کا پیغام کیا ہے؟

(الف) ✓ اصولِ محبت (ب) غمگساری و غریب نوازی (ج) امانت داری (د) یہ سب ہیں

(ج) اب انسان کو کس کا عرفان حاصل ہوگا؟

(الف) خدا تعالیٰ کا (ب) انسان کا (ج) کائنات کا (د) ✓ ان سب کا

(د) زمانے کو منزل کے مبارک ہونے کی نوید کیوں دی گئی ہے؟

(الف) کامل رہنما کے آنے سے (ب) ✓ اِک خِضرِ صدرہ گزار کی آمد کی وجہ سے (ج) انسان کا عرفان ہونے سے (د) کسی کی بھی نہیں

(ہ) پیغمبرِ ذی وقار کے چراغِ محبت کے بارے میں کیا کہا گیا ہے؟

(الف) روشن تر ہوگا (ب) ہمیشہ روشن رہے گا (ج) ✓ کبھی نہیں بجھے گا (د) یہ سب درست ہیں

3-درجِ ذیل الفاظ پر اعراب لگائیں۔

عَالمِ، سُکُوں، عرِفَان، محبّتِ، منزِلُ

4-الفاظ کو جملوں میں استعمال کریں۔

غم گسار، قرار، یقین، پیغام، ذی وقار

جواب:

الفاظ	جملے
غمگسار	رسول پاکؐ غم گسار انسان تھے۔
قرار	رسول پاکؐ کے آنے سے یتیموں کے دلوں کو قرار ملا۔
یقین	مجھے یقین ہے کہ تم میرا ساتھ دو گے۔
پیغام	حضور ﷺ اللہ کا پیغام لے کر آئے۔
ذی وقار	رسول پاکؐ ذی وقار پیغمبر ہیں۔

5-درجِ ذیل الفاظ کے معنی لکھیے۔

اصول، اعتبار، چراغ، عرفان، راہ گزار

جواب:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
اصول	قاعدہ	اعتبار	بھروسا
چراغ	شمع	عرفان	پہچان

راہ گزار　　راستہ عبور کروانے والا

6-مناسب لفظ چُن کر مصرعے مکمل کریں۔

(الف) بُجھے گانہ جِس کا چراغِ محبت

(ب) سکوں ہو گیا ہے قرار آ گیا ہے

(ج) اب انساں کو انساں کا عرفان ہو گا

(د) زمانے کو اب اپنی منزل مبارک

7-نعت کے متن کو مد نظر رکھ کر کالم (الف) میں دیئے گئے الفاظ کو کالم (ب) کے متعلقہ الفاظ سے ملایئے۔

کالم (الف)	کالم (ب)
امداد گار	غم گُسار
اصول محبت	پیغام
یقیں	اعتبار
خضر	رہ گزار
انساں	عرفان

کثیر الانتخابی سوالات

درست جوابات کی نشاندہی کریں:

1-احسان دانش پیدا ہوئے:

(الف) 1910ء میں　(ب) 1914ء میں　(ج) 1918ء میں　(د) 1920ء میں

2-احسان دانش فوت ہوئے:

(الف) 1980ء میں　(ب) 1981ء میں　(ج) 1982ء میں　(د) 1983ء میں

3-احسان دانش کا اصل نام تھا:

(الف) احسان الحق　(ب) احسنان الحق　(ج) الحسان　(د) احسان امین

4- احسان دانش شاعر تھے:

(الف) منفرد　(ب) صاحبِ اسلوب　(ج) قادر الکلام　(د) پسماندہ

5-احسان دانش کو کہا جاتا ہے:

(الف) مزدور شاعر　(ب) مجبور شاعر　(ج) ان پڑھ شاعر　(د) روسی شاعر

6-احسان دانش کی سوانح عمری مشہور ہے:

(الف) جہان دانش (ب) جہانِ حیرت (ج) شہاب نامہ (د) فاتح

7-دو عالم کا آگیا:

(الف) ہادی (ب) مدد گار (ج) امداد گار (د) رہبر

8-امین آگیا، آگیا ہے:

(الف) غمگسار (ب) ہمدرد (ج) دردمند (د) امداد گار

9-غریبوں کی جاں کو یتیموں کے:

(الف) مال کو (ب) دل کو (ج) باپ کو (د) دادا کو

10-اصولِ محبت ہے جس کا:

(الف) پیغام (ب) پیام (ج) اصول (د) منشور

11-اب انسان کو انسان کا ہو گا:

(الف) عرفان (ب) پہچان (ج) احترام (د) تعارف

12- بجھے گانہ جس کا:

(الف) اصولِ محبت (ب) چراغ محبت (ج) شمع رسالت (د) حوضِ کوثر

13-زمانے کو اب اپنی مبارک:

(الف) منزل (ب) ہئیت (ج) حقیقت (د) اصلاح

14-کہ اک صدرہ گزار آگیا ہے:

(الف) پیغمبر (ب) خضر (ج) مدد گار (د) ہمدرد

15-وہ پیغمبر آگیا ہے:

(الف) ذی وقار (ب) سید الانبیاءؐ (ج) امام الانبیاءؐ (د) سرورِ کونینؐ

16-یقیں ہو گیا، آگیا ہے:

(الف) بھروسا (ب) توکل (ج) اعتبار (د) یقین

17-وہ محبوبؐ آگیا ہے:

(الف) پروردگار (ب) خدا (ج) اللہ تعالیٰ (د) یزداں

18-شامل نصاب نعت جس انتخاب جلد پنجم سے لی گئی اس کے مؤلف ہیں:

(الف) احسان دانشؔ (ب) عبدالغفور قمر (ج) پروفیسر عزیم احمد (د) پروفیسر نعیم

19-احسان دانشؔ کی شاعری مشرقی اقدار کی ہے:

(الف) آئینہ دار (ب) عکاس (ج) ترجمان (د) مترجم

جوابات:

1-ب	2-ج	3-الف	4-ج	5-الف
6-الف	7-ج	8-الف	9-ب	10-الف
11-الف	12-ب	13-الف	14-ب	15-الف
16-ج	17-الف	18-ب	19-الف	

3 ۔ پروفیسر مرزا محمد سعید

شاہد احمد دہلوی

خلاصہ

شاہد احمد دہلوی اُردو ادب کے مشہور ادیب تھے۔ سبق "مرزا محمد سعید" میں انہوں نے پروفیسر مرزا محمد سعید کی شخصی خوبیوں کا خاکہ کھینچا ہے۔ مضمون کے آغاز میں مرزا محمد سعید صاحب کی خاموش وفات پر شدید دکھ کا اظہار کرتے ہیں کہ خود انہیں مرزا صاحب کی وفات کا تیسرے دن پتہ چلا اور وہ بھی اخبارات کے ذریعے۔ ان کی موت کی خبر ان کے سیکڑوں دوستوں کو نہ ہو سکی۔ مصنف نے مرزا صاحب کی موت کو ایک عالم کی موت قرار دیا ہے۔ مرزا صاحب ہر کام نہایت خاموشی سے کرتے۔ وہ اپنی دلی تسکین کے لیے کام کرتے تھے فرمائش پر یا پیسوں کی خاطر نہیں۔ انہوں نے تمام عمر کام کرتے ہوئے گزار دی مگر انہیں نہ ستائش کی تمنا تھی نہ صلے کی پروا۔ بہت سے پبلشروں نے ان کو بھاری معاوضہ دے کر ناول لکھوانا چاہا مگر وہ انہیں مجبور نہ کر سکے۔ لاہور کے ایک پبلشر نے مرزا صاحب کو اس دور میں ایک ہزار روپے کی پیشکش کی مگر منہ کی کھائی۔ مرزا صاحب نے جواب دیا کہ اگر آپ پانچ یا دس ہزار روپے بھی دیں تب بھی میں اپنا تحقیقی کام (مذہب اور باطنیت) چھوڑ کر ناول نہیں لکھ سکتا۔ مرزا صاحب نے اپنا پہلا ناول "یاسمین" بلا معاوضہ اپنے ایک شاگرد پبلشر سے چھپوایا۔ دوسرا ناول "خواب ہستی" بھی بغیر کچھ لیے دیے چھپا۔ مرزا صاحب کی معرکتہ الآراء کتاب "مذہب اور باطنیت) بھی بغیر کسی معاوضے کے چھپی اور یہ وہ کتاب ہے کہ اگر اردو کی سو بہترین کتابوں کا انتخاب کیا جائے تو یہ کتاب ان میں ضرور شامل ہو گی۔ مرزا صاحب دلی کے شریف اور متمول گھرانے کے چشم وچراغ تھے۔ سر سید احمد خان اور منشی ذکا اللہ کے مکان ان کے گھر کے نزدیک تھے۔ سر سید اور منشی ذکا اللہ سے مرزا صاحب کی رشتہ داری بھی تھی۔ ان دنوں مسلمان انگریزی تعلیم کو برا جانتے تھے۔ مرزا صاحب نے گورنمنٹ کالج سے تعلیم حاصل کی۔ بعد میں علی گڑھ کالج اور گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر بھی مقرر ہوئے آپ نے علامہ اقبال سے بھی اکتساب فیض کیا۔ پطرس اور تاج دونوں مرزا صاحب کے شاگرد رہے۔ پطرس تو مرزا صاحب کی عزت واسرائے ہند سے بھی بڑھ کر کرتے تھے۔ جنگ کے زمانے میں جب پطرس نے ایک ادبی حلقہ تشکیل دیا جس کا ماہانہ جلسہ پطرس یا ڈاکٹر تاثیر کے گھر ہوتا تھا۔ ایک دفعہ اسی طرح کے ایک جلسے میں مرزا صاحب نے ایک ادبی مقالے پر اپنی محتاط رائے دی۔ پطرس نے شوخی سے کام لے کر فیض کو اشارہ کیا جو مرزا صاحب کی بات کاٹ کر بولنے لگے اس پر مرزا صاحب اس قدر جلال میں آئے کہ فیض دم بخود رہ گئے اور ان پر مرزا کی علمیت کا اس دن جوہر کھلا۔ پطرس نے چائے کا سامان رکھوا کر معاملہ ختم کیا۔ مرزا صاحب کو مطالعے کا بہت شوق تھا۔ گھنٹوں مطالعہ کرتے اور آپ کی پنشن کا بڑا حصہ کتب کی خریداری پر صرف ہوتا۔ آپ کی اولاد بہت سعادت منداور بیوی بھی بہت سلیقہ شعار تھیں۔ آپ کی بیگم عمدہ ادبی ذوق رکھتی تھیں۔ ان کے دو ایک ناول بھی چھپ چکے تھے۔ قیام پاکستان سے قبل آپ صوبائی مسلم لیگ کے صدر بھی بنے۔ کراچی یونیورسٹی کے مشیر بھی رہے اور 1959ء میں پاکستانی ادیبوں کے گلڈ کی صدارت بھی کی۔ چالیس برس کی عمر میں آپ کے ہاتھوں میں رعشہ بھی آگیا تھا جس کی وجہ سے لکھنے میں دقت ہوتی تھی۔ آپ بہت خوش اخلاق، خوش مزاج اور خوش لباس شخص ہے۔ دوست کم ہی بناتے تھے کیونکہ آپ کا نظریہ تھا آپ بھلے اپنا گھر بھلا۔ موت برحق ہے لیکن مرزا صاحب کی وفات کا صدمہ اس لیے زیادہ ہے کہ ایسے قابل اور عظیم لوگ زمانے میں کم ہی پیدا ہوتے ہیں۔

مشق

1-سوالات کے مختصر جوابات

(الف) مرزا محمد سعید کس لیے لکھتے تھے؟

جواب: ذاتی تسکین کے لیے لکھتے تھے، کام اس لیے کرتے تھے کہ انھیں کام کرنا ہوتا تھا۔

(ب) لاہور کے پبلشروں کے ساتھ مرزا صاحب کا رویہ کیسا تھا؟

جواب: مرزا صاحب انہیں پسند نہیں کرتے تھے۔

(ج) مرزا صاحب کی معرکۃ الآرا کتاب کا نام اور مرتبہ بیان کیجیے۔

جواب: مذہب اور باطنیت۔ اگر اردو کی سو عمدہ کتابیں منتخب کی جائیں تو اس کتاب کو ان میں شامل کرنا پڑے گا۔

(د) مرزا صاحب کی کن دو قومی شخصیات سے عزیزداری تھی؟

جواب: سر سید اور منشی ذکا اللہ۔

(ہ) مرزا صاحب نے کس کالج میں تدریس کے فرائض انجام دیے؟

جواب: سال دو سال علی گڑھ میں پڑھایا پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں انگریزی کے پروفیسر مقرر ہو گئے۔

(و) مرزا صاحب کا سب سے بڑا مشغلہ کیا تھا؟

جواب: مطالعہ کتب ان کا سب سے بڑا مشغلہ تھا۔

(ز) مصنف کے پروگرام، دانش کدہ، میں شرکت کی درخواست پر مرزا صاحب نے کیا جواب دیا؟

جواب: مرزا صاحب نے فرمایا: "آدمی شہرت کے لئے کوئی کام کرتا ہے یا دولت کے لیے۔ مجھے نہ اِس کی ضرورت ہے، نہ اُس کی"۔

(ح) مرزا محمد سعید کا حلیہ بیان کیجیے؟

جواب: اکہرا ڈیل، اُجلا رنگ، کشادہ پیشانی، گھنی بھنوؤں کے سائے میں بڑی بڑی روشن آنکھیں، رُخساروں کی ہڈیاں اُبھری ہوئی، کتروا ں مونچھیں، ہنستے تو سامنے کے دو چار دانت ٹوٹے ہوئے نظر آ جاتے مگر بُرے نہ لگتے تھے۔ داڑھی منڈی ہوئی۔ دھان پان سے آدمی تھے۔

(ط) مرزا صاحب کے دونوں ناولوں کے نام تحریر کریں؟

جواب: یاسمین، خوابِ ہستی۔

2-پطرس بخاری سے مرزا صاحب کے تعلق کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

جواب: پطرس نے مرزا صاحب سے اکتساب علم کیا۔ بعد میں پطرس خود انگریزی کے پروفیسر ہو گئے تھے مگر اپنی غیر معمولی قابلیت و ذہانت کے باوجود مرزا صاحب کی عِلمیت کے آگے اپنے آپ کو ہیچ سمجھتے تھے۔

3-"عالم کی موت عالم کی موت ہوتی ہے"۔ اس جملے کا مفہوم وضاحت کے ساتھ بیان کریں۔

جواب: عالم و فاضل کی وفات اک عہد کی موت ہوتی ہے اس سے پورا عہد متاثر ہوتا ہے۔

4- متن کی روشنی میں درست جواب پر نشان لگائیں۔

(الف) سبق "مرزا محمد سعید" کس ادیب کی تحریر ہے؟

(الف) نذیر احمد دہلوی (ب) ✓ شاہد احمد دہلوی (ج) اشرف صبوحی (د) مولوی عبدالحق

(ب) مرزا محمد سعید کی عزیزداری کس شخصیت سے تھی؟

(الف) ✓ سرسید احمد خاں (ب) شیخ عبدالقادر (ج) شاہد احمد دہلوی (د) مشتاق احمد زاہدی

(ج) مرزا محمد سعید کے بقول انسان کس لیے کام کرتا ہے؟

(الف) شہرت (ب) دولت (ج) عزت اور وقار (د) ✓ شہرت اور دولت

(د) مرزا محمد سعید نے گورنمنٹ کالج لاہور سے کون سی سند لی؟

(الف) بی۔اے (ب) ایم۔اے تاریخ (ج) ✓ ایم۔اے انگریزی ادب (د) ایم۔اے اردو ادب

(ہ) محمود نظامی کے مقالے کے بعد مرزا محمد سعید پر کس نے تنقید کی؟

(الف) ڈاکٹر تاثیر (ب) پطرس بخاری (ج) ✓ فیض احمد فیض (د) حمید احمد خاں

(و) پروگرام "دانش کدہ" میں کتنے دانشور بلائے جاتے تھے؟

(الف) ✓ چار (ب) تین (ج) دو (د) سات

(ز) مرزا صاحب پنشن کا بڑا حصہ صرف کر دیتے تھے:

(الف) جائیداد خریدنے پر (ب) خیرات کرنے میں (ج) ✓ کتابوں پر (د) کھانے پینے پر

5- درج ذیل الفاظ و تراکیب کی وضاحت جملوں میں استعمال کے ذریعے کیجئے:

الفاظ	جملے
سانحہ ارتحال	مجھے اس کے سانحہ ارتحال کی خبر دیر سے ملی۔
سُناونی	اس کی موت کی سناؤنی بڑی دیر بعد ملی۔
ایکا ایکی	ایکا ایکی بارش ہونے لگی۔
بے مزد	میں نے اپنا ناول بے مزد ہی چھپنے کے لیے دے دیا۔
متموّل	مرزا صاحب متموّل خاندان کے فرد تھے۔
قرابت داری	مرزا صاحب کی سرسید سے قرابت داری تھی۔
ہیچ سمجھنا	میں روپیہ انسانی عظمت کے سامنے ہیچ سمجھتا ہوں۔
شُدہ شُدہ	شدہ شدہ بات پطرس تک پہنچی۔
کرّوفر	افسر بڑے کرّوفر سے علاقے کی نگرانی کے لئے پہنچا۔
قلبِ مطمئنّہ	اللہ سب کو قلبِ مطمئنّہ کی دولت سے مالا مال کرے۔

عرضِ مدعا	پرنسپل نے عرضِ مدعا سن کر منظوری دے دی۔
متبسّم	مرزا صاحب عرضِ مدعا سن کر متبسّم ہوئے۔
رعشہ	غالب کے ہاتھوں میں رعشہ اتر آیا تھا۔
جامعُ العلوم	مرزا صاحب جامعُ العلوم ہستی تھے۔

6-اعراب لگا کر تلفظ کی وضاحت کریں۔

جوابات:

مُتَمَوِّل

شِعَار

اِرْتِحَال

قُدْرِی

سَاکِتْ

مُبَاحِثَہ

مُتَبَسِّم

رُعْشَہ

7-سبق "مرزا محمد سعید" کا متن ذہن میں رکھ کر درست یا غلط پر نشان لگائیں۔

(الف)	مرزا محمد سعید کی موت کی خبر پڑھ کر دل دھک سے رہ گیا۔	✓درست / غلط
(ب)	مرزا صاحب پبلک پلیٹ فارم پر آنے سے گھبراتے نہیں تھے۔	درست / غلط ✓
(ج)	مرزا صاحب بڑے ٹھنڈے مزاج کے آدمی تھے۔	✓درست / غلط
(د)	مرزا صاحب جو کہہ دیتے اس سے کبھی نہ پھرتے۔	✓درست / غلط
(ہ)	مرزا محمد سعید دل کے مریض تھے۔	دوست / غلط ✓

کثیر الانتخابی سوالات

درست جوابات کی نشاندہی کریں:

1- سبق پروفیسر مرزا محمد سعید کے مصنف کون ہیں؟

(الف) چودھری افضل حق (ب) شاہد احمد دہلوی (ج) امتیاز علی تاج (د) سر سید احمد خان

2- پروفیسر صاحب کے سوئم کی خبر مصنف نے پڑھی:

(الف) کتاب میں (ب) رسالے میں (ج) اخبار میں (د) میگزین میں

3- پروفیسر صاحب کی وفات کی خبر سن کر مصنف کے دل کو کیا ہوا؟

(الف) ڈوبنے لگا (ب) بیٹھ گیا (ج) دھک سے رہ گیا (د) رک گیا

4- شاہد احمد دہلوی نے اخبار میں سوئم کی خبر پڑھی:

(الف) پطرس بخاری کی (ب) پروفیسر مرزا محمد سعید کی (ج) امتیاز علی تاج کی (د) سید احمد کی

5- مصنف نے پروفیسر صاحب کے سوئم کی خبر کس وقت پڑھی؟

(الف) صبح کے وقت (ب) شام کے وقت (ج) دن کے وقت (د) رات کے وقت

6- پروفیسر صاحب کی زندگی تھی:

(الف) خاموش (ب) مضطرب (ج) بے چین (د) ہنگاموں والی

7- پروفیسر مرزا محمد سعید کی موت تھی:

(الف) شور شرابے والی (ب) بھیانک (ج) پر سکون (د) خاموش

8- پروفیسر صاحب کی رحلت کی خبر ان کے دوستوں کو نہ ہوئی:

(الف) دو چار کو (ب) ایک کو (ج) صرف مصنف کو (د) سیکڑوں کو

9- کون سی قومیں اپنے اہل کمال سے غافل نہیں ہوتیں؟

(الف) زندہ قومیں (ب) مردہ قومیں (ج) مہذب قومیں (د) باکمال قومیں

10- اہل کمال لوگوں سے غفلت ہوتی ہے:

(الف) مجرمانہ (ب) محققانہ (ج) مخلصانہ (د) عامیانہ

11- مرزا صاحب کو ہم سے چھین لیا گیا:

(الف) دفعتہً (ب) ایکا ایکی (ج) زبردستی (د) عجلت میں

12- پروفیسر صاحب کا ہم سے چھن جانا شاید ہماری سزا ہے:

(الف) آرام کی (ب) سستی کی (ج) غفلت کی (د) بے پروائی کے

13- عالم کی موت دراصل کی موت ہوتی ہے:

(الف) آدمی کی (ب) شخصیت کی (ج) ملک کی (د) عالم کی

14- وقت کے ساتھ ساتھ مرزا صاحب کی جدائی کا گھاؤ کیا ہو جائے گا؟

(الف) کم ہو جائے گا (ب) بڑھتا جائے گا (ج) مندمل ہو جائے گا (د) گہرا ہو جائے گا

15- مرزا صاحب اتنے خاموش تھے کہ ان کے اپنے زمانے کے لوگ ان کے کن کارناموں سے واقف نہیں؟

(الف) علمی و ادبی (ب) ملی و قومی (ج) اخلاقی و سماجی (د) ثقافتی و معاشرتی

16- مرزا صاحب گھبراتے تھے:

(الف) ہجوم سے (ب) دشمنوں سے (ج) دوستوں سے (د) شہرت سے

17- مرزا صاحب آنا پسند نہ کرتے تھے:

(الف) سڑک پر (ب) باہر (ج) ہوٹل میں (د) پبلک پلیٹ فارم پر

18- مرزا صاحب کام کرتے تھے:

(الف) پیسوں کے لیے (ب) وقت گزارنے کے لئے (ج) کام کے لئے (د) شہرت کے لئے

19- مرزا صاحب نے ساری عمر کام نہ کیے:

(الف) برے (ب) گھٹیا (ج) عام (د) فرمائشی

20- مرزا صاحب نے کس رسالے میں مضمون لکھے؟

(الف) تہذیب الاخلاق (ب) مخزن (ج) جرات (د) استقلال

21- رسالہ مخزن نکالتے تھے:

(الف) سرسید (ب) عبدالقادر (ج) شاہد احمد (د) پروفیسر صاحب

22- مرزا صاحب نے "مخزن" میں مضامین لکھے:

(الف) 50 سال قبل (ب) 52 سال قبل (ج) 55 سال قبل (د) 60 سال قبل

23- مرزا صاحب نے کبھی پروانہ کی:

(الف) دشمنوں کی (ب) دوستوں کی (ج) پیسے کی (د) سیاست کی

24- جب مرزا صاحب چڑ جاتے تو مشکل ہوتا:

(الف) انہیں سمجھنا (ب) انہیں بتانا (ج) انہیں منانا (د) انہیں سکھانا

25- پبلشروں نے مرزا صاحب سے کتابیں لکھوانا چاہیں:

(الف) لکھنؤ کے (ب) دہلی کے (ج) بمبئی کے (د) لاہور کے

26- پبلشروں نے مرزا صاحب کو پیش کیا:

(الف) تحفہ (ب) بڑی بڑی رقمیں (ج) مکان (د) دکان

27- مرزا نے پبلشروں کے لئے لکھا:

(الف) ایک لفظ بھی نہیں (ب) ایک ناول (ج) ایک مضمون (د) ایک افسانہ

28- مرزا صاحب کا پہلا ناول تھا:

(الف) آوارگی (ب) مذہب اور باطنیت (ج) یاسمین (د) خواب ہستی

29- مرزا صاحب نے اپنا ناول "یاسمین" شائع کرنے کو دیا:

(الف) دہلی کے پبلیشر کو (ب) اپنے شاگرد کو (ج) لاہور کے پبلشر کو (د) لکھنؤ کے پبلیشر کو

30- مرزا صاحب نے اپنے شاگرد پبلشر کو ناول دیا:

(الف) بے مزد (ب) رقم لے کر (ج) کام لے کر (د) سفارش پر

31- مرزا صاحب کا دوسرا ناول تھا:

(الف) یاسمین (ب) خواب ہستی (ج) آوارگی (د) مذہب اور باطنیت

32- مرزا صاحب نے دوسرا ناول چھپوایا:

(الف) ایک ہزار روپے پر (ب) پانچ سو روپے پر (ج) بغیر کچھ لیے دیے (د) ڈھائی سو روپے پر

33- ایک پبلشر مرزا صاحب کو ملنے دلی آئے:

(الف) لاہور سے (ب) لکھنؤ سے (ج) دہلی سے (د) بمبئی سے

34- مرزا صاحب رہتے تھے:

(الف) لاہور (ب) دہلی (ج) لکھنؤ (د) مدراس

35- پبلشر صاحب خرید چکے تھے بڑے بڑے:

(الف) مصنفوں کو (ب) ڈاکٹروں کو (ج) سیاستدانوں کو (د) اعلیٰ عہدے داروں کو

36- پبلشر مرزا صاحب کو ایک ناول لکھنے کا دینا چاہتا تھا:

(الف) پانچ ہزار روپے (ب) ایک ہزار روپے (ج) دس ہزار روپے (د) ڈھائی سو روپے

37- اس دور میں ناول نگار کو ایک اچھے ناول کا عوضانہ مل جاتا تھا:

(الف) پانچ سو (ب) ایک ہزار (ج) دو ڈھائی سو (د) ساڑھے تین سو

38- پبلشر مرزا صاحب کے پاس کس کے ساتھ گیا؟

(الف) شاہد احمد دہلوی کے (ب) منشی پریم چند کے (ج) سید احمد دہلوی کے (د) سعید احمد کے

39- پبلشر کو دیکھ کر مرزا صاحب:

(الف) خوش ہوئے (ب) ماتھا ٹھنکا (ج) ناراض ہوئے (د) پریشان ہوئے

40- پبلشر صاحب نے چھوٹتے ہی فرمائش کی :

(الف) ناول لکھنے کی (ب) مضمون لکھنے کی (ج) کھانے کی (د) پینے کی

41- مرزا صاحب تھے:

(الف) سخت مزاج کے (ب) غصیلے مزاج کے (ج) گرم مزاج کے (د) ٹھنڈے مزاج کے

42- مرزا صاحب بولے آپ میرے ناول کے دیں گے ؟

(الف) پانچ دس ہزار (ب) دس پندرہ ہزار (ج) پندرہ بیس ہزار (د) تین سے پانچ ہزار

43- مرزا صاحب سے ناول کے پانچ دس ہزار کی بات سن کر پبلشر:

(الف) خوش ہو گیا (ب) سٹی گم ہو گئ (ج) پریشان ہوا (د) ناراض ہو گیا

44- پبلشر نے پہلو بدل کر رخصت چاہی:

(الف) پانچ منٹ بعد (ب) تین منٹ بعد (ج) آٹھ منٹ بعد (د) دو چار منٹ بعد

45- مرزا صاحب کی معرکۃ الآرا کتاب ہے:

(الف) مذہب اور باطنیت (ب) یاسمین (ج) خواب ہستی (د) آوارگی

46- مرزا صاحب کی کتاب مذہب اور باطنیت لے گئے تھے:

(الف) پروفیسر احمد شاہ بخاری (ب) فیض احمد فیض (ج) ذکا اللہ (د) پروفیسر تاجور نجیب آبادی

47- مرزا صاحب کی کتاب "مذہب اور باطنیت" شائع ہوئی:

(الف) دہلی سے (ب) لکھنؤ سے (ج) لاہور سے (د) بمبئی سے

48- اردو کی سو بہترین کتابوں میں مرزا کی کتاب ضرور آئے گی:

(الف) یاسمین (ب) خواب ہستی (ج) مذہب اور باطنیت (د) دیوانگی

49- مرزا صاحب کا خاندان تھا:

(الف) شریف اور متمول (ب) درمیانہ اور متوسط (ج) بہت اعلی وارفع (د) معزز و مکرم

50- مرزا صاحب کے گھر کے نزدیک تراہے کا نام تھا:

(الف) تراہا ہاشم خان (ب) تراہا بیرم خان (ج) تراہا بہرام خان (د) تراہا بیرنگ خان

51- مرزا صاحب کے گھر کے پاس مشہور شخصیت کا بھی قدیم مکان تھا:

(الف) امتیاز علی تاج (ب) سر سید احمد خان (ج) منشی ذکاء اللہ (د) فیض احمد فیض

52- مرزا صاحب اور سر سید میں تھی:

(الف) تعلق داری (ب) رشتہ داری (ج) دیانت داری (د) عزیز داری

53- سر سید احمد خان کے علاوہ مرزا صاحب کے گھر کے قریب تھا مکان:

(الف) مرزا غالب کا (ب) احمد شاہ بخاری کا (ج) فیض احمد فیض کا (د) منشی ذکاء اللہ کا

54- منشی ذکاء اللہ کے ساتھ مرزا صاحب کا تعلق تھا:

(الف) قرابت داری (ب) دوستی (ج) دشمنی (د) برادری

55- دہلی کے مسلمان شرفا میں انگریزی تعلیم کو اچھا نہ سمجھا جاتا تھا:

(الف) پچاس ساٹھ سال پہلے (ب) 70، 80 سال پہلے (ج) پانچ، دس سال پہلے (د) بیس سال پہلے

56- اس زمانے میں دہلی کے کتنے نوجوانوں نے اعلی تعلیم حاصل کی تھی؟

(الف) پانچ (ب) دو (ج) آٹھ (د) دس

57- دلی کے دو نوجوان اعلی تعلیم کے بعد علمی حلقوں میں نمود حاصل کر چکے تھے:

(الف) اسلم اور مشتاق زاہدی (ب) سلیم اور اکرم (ج) مشتاق احمد زاہدی اور مرزا محمد سعید (د) عبداللہ اور نعیم

58- مرزا صاحب نے کالج سے تعلیم حاصل کی:

(الف) گورنمنٹ کالج سندھ (ب) گورنمنٹ کالج دہلی (ج) گورنمنٹ کالج علی گڑھ (د) گورنمنٹ کالج لاہور

59- مرزا صاحب نے گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم حاصل کی:

(الف)اس صدی کے آغاز میں (ب)اس صدی کے اختتام میں (ج)بیس سال قبل (د)اس صدی سے قبل

60-مرزا صاحب کے استادوں میں مشہور ترین ہستی شامل تھی:

(الف)سر سید احمد خان (ب)علامہ اقبالؔ (ج)فیض احمد فیضؔ (د)مرزا غالبؔ

61-علامہ اقبال سے مرزا صاحب کے تعلقات تھے:

(الف)برادرانہ (ب)دوستانہ (ج)مشفقانہ (د)مخلصانہ

62-مرزا صاحب نے ایم۔اے کیا:

(الف)اردو میں (ب)سیاسیات میں (ج)اسلامیات میں (د)انگریزی میں

63-مرزا صاحب پڑھایا کرتے تھے:

(الف)علی گڑھ کالج میں (ب)دہلی کالج میں (ج)بمبئی کالج میں (د)کلکتہ کالج میں

64-مرزا صاحب نے علی گڑھ کالج میں پڑھایا:

(الف)1904-05ء (ب)1906-07ء (ج)1908-09ء (د)1911-12ء

65-مرزا صاحب کالج میں انگریزی کے پروفیسر بنے:

(الف)علی گڑھ کالج (ب)دہلی کالج (ج)گورنمنٹ کالج لاہور (د)مدراس کالج

66-پنجاب کے اکثر اعلیٰ عہدہ دار مرزا صاحب کے معترف تھے:

(الف)علمیت کے (ب)بزرگی کے (ج)دانائی کے (د)سیاست کے

67-پطرس نے اکتساب علم کیا:

(الف)علامہ اقبالؔ سے (ب)پروفیسر مرزا محمد سعید سے (ج)مرزا غالب سے (د)امتیاز علی تاج سے

68-پطرس کے علاوہ مرزا صاحب سے اکتساب علم کیا:

(الف)تاج صاحب نے (ب)فیضؔ صاحب نے (ج)سر سید احمد خان نے (د)مظفر صاحب نے

69-پطرس پروفیسر ہو گئے تھے:

(الف)اردو کے (ب)انگریزی کے (ج)اسلامیات کے (د)ہندی کے

70-پطرس بہت بہترین پروفیسر سمجھتے تھے:

(الف)مرزا غالبؔ کو (ب)فیض احمد فیضؔ کو (ج)مرزا محمد سعید صاحب کو (د)داغؔ دہلوی کو

71-پطرس خدمت میں بارہا حاضر ہوئے تھے:

(الف)سر سید احمد خان کی (ب)امتیاز علی تاج کی (ج)مرزا غالب کے (د)مرزا محمد سعید کی

72-پطرس مرزا صاحب کا احترام زیادہ کرتے تھے:

(الف)وائسرائے ہند سے (ب)نہرو سے (ج)اپنے بزرگوں سے (د)دوستوں سے

73-پطرس کی تحریک پر محدود حلقہ قائم کیا گیا:

(الف)دینی حلقہ (ب)سیاسی حلقہ (ج)ادبی حلقہ (د)مذہبی حلقہ

74-ادبی حلقے کا جلسہ ایک مہینے میں ہوتا تھا:

(الف)4 بار (ب)8 بار (ج)دو بار (د)ایک بار

75-ادبی حلقے کا اجلاس ہوتا تھا گھر میں:

(الف)پطرس اور ڈاکٹر تاثیر کے (ب)فیض اور تاج کے (ج)تاج اور پطرس کے (د)ڈاکٹر تاثیر اور فیض کے

76-ادبی حلقے کے جلسے میں پڑھا جاتا تھا:

(الف)ایک افسانہ (ب)ایک مقالہ (ج)ایک ڈراما (د)ایک مضمون

77-مرزا صاحب ناپسند کرتے تھے:

(الف)بے تکے لباس کو (ب)مرغن غذاؤں کو (ج)بحث مباحثے کو (د)زیادہ دوستوں کو

78-مرزا صاحب رائے دیتے تھے:

(الف)معقول (ب)بر موقع (ج)وزنی (د)محتاط

79-پطرس نے اشارہ کیا:

(الف)تاج کو (ب)فیض کو (ج)ذکا اللہ کو (د)ڈاکٹر تاثیر کو

80-رومی تہذیب کس تہذیب کے بعد ابھری؟

(الف)یونانی تہذیب کے (ب)ہندی کے (ج)رومی کے (د)روسی کے

81-مرزا صاحب پر فیض کی بات کا کیا اثر ہوا؟

(الف)خوش ہو گئے (ب)جلال میں آ گئے (ج)کچھ اثر نہ ہوا (د)جھوم اٹھے

82-پطرس نے مرزا صاحب کا جلال ختم کرنے کے لئے رکھوانا شروع کیا:

(الف)فرنیچر (ب)کتابیں (ج)کھانے کا سامان (د)چائے کا سامان

83-خدا خدا کر کے مرزا صاحب کا رفع ہوا:

(الف)جلال (ب)غصہ (ج)دبدبہ (د)رعب

84-مرزا صاحب کتنا مطالعہ کرتے تھے:

(الف)دنوں تک (ب)گھنٹوں تک (ج)پہروں تک (د)رات گئے تک

85-مرزا صاحب کے کتب خانے میں موجود تھیں کتابیں:

(الف)سیاست کی (ب)اسلامیات کی (ج)ہر علم کی (د)ہندی کی

86-مرزا کی ملازمت تھی:

(الف)پولیس کی (ب)ڈاک خانے کی (ج)دفتر کی (د)درس وتدریس کی

87-پنشن کے بعد مرزا صاحب کا واحد مشغلہ تھا:

(الف)سیاست (ب)شکار (ج)مطالعہ کتب (د)باغبانی

88-مرزا صاحب کی زندگی تھی:

(الف)بہت مشکل (ب)بہت مصروف (ج)بہت پُر تکلف (د)سیدھی سادی

89-مرزا صاحب مریض تھے:

(الف)معدے کے (ب)دل کے (ج)دماغ کے (د)گلے کے

90- مرزاصاحب زیادہ تر آتے جاتے تھے:

(الف)پیدل (ب)کار پر (ج)موٹر سائیکل پر (د)سائیکل پر

91-مرزاصاحب کے پاس سواری نہ تھی:

(الف)دفتر کی (ب)گھر کی (ج)کرائے کی (د)زیادہ مہنگی

92-مرزاصاحب صبح کو جاتے تھے:

(الف)دفتر (ب)کھیلنے کودنے (ج)ٹہلنے (د)دوستوں کے گھر

93-مرزاصاحب رات کو سوتے تھے:

(الف)نماز پڑھ کر (ب)آدھی رات کو (ج)دیر سے (د)جلدی

94-مرزاصاحب کی بیگم ذوق رکھتی تھیں:

(الف)دینی (ب)سیاسی (ج)علمی (د)ادبی

95-مرزاصاحب کی بیگم کے ناول شائع ہو چکے ہیں:

(الف)ایک دو (ب)ایک آدھ (ج)کوئی نہیں (د)دو ایک

96-مرزاصاحب کی اولاد تھی:

(الف)سعادت مند (ب)ناخلف (ج)لڑاکا (د)بدتمیز

97-مرزاصاحب کی بیوی تھیں:

(الف)لڑاکا (ب)خاموش (ج)سلیقہ شعار (د)پھوہڑ

98-مرزاصاحب کی پنشن نے انہیں نہ ہونے دیا:

(الف)دکھی (ب)امیر (ج)غریب (د)محتاج

99-مرزاصاحب دولت سے مالامال ہے:

(الف)علم کی (ب)دانائی کی (ج)دنیاوی دولت (د)قلب مطمئنہ کی

100-قیام پاکستان سے پہلے زور پکڑا:

(الف)مسلم لیگ نے (ب)کانگریس نے (ج)خاکسار پارٹی نے (د)اسلامی جماعت نے

101-مرزاصاحب نے حصہ لینا شروع کر دیا تھا:

(الف)ادبی سرگرمیوں میں (ب)ثقافتی سرگرمیوں میں (ج)ملکی سیاست میں (د)کھیلوں میں

102-مرزاصاحب صدر مقرر ہوئے:

(الف)کانگریس کے (ب)ٹاؤن کونسل کے (ج)علاقہ کونسل کے (د)صوبائی مسلم لیگ کے

103-مرزاصاحب مشیر مقرر ہوئے:

(الف)کراچی یونیورسٹی کے (ب)علی گڑھ یونیورسٹی کے (ج)ایڈنبرا یونیورسٹی کے (د)کیمبرج یونیورسٹی کے

104-پاکستانی ادیبوں کا گلڈ بنا:

(الف)1955ء میں (ب)1969ء میں (ج)1972ء میں (د)1959ء میں

105-پاکستانی ادیبوں کے گلڈ کے پہلے اجلاس کی صدارت کی:

(الف)مولانا ظفر علی خان نے (ب)فیض احمد فیض نے (ج)احمد شاہ بخاری نے (د)مرزا محمد سعید نے

106-مرزا صاحب بظاہر معلوم نہیں ہوتے تھے:

(الف)عالم (ب)فاضل (ج)ادیب (د)علیل

107-مرزا صاحب کا ڈیل تھا:

(الف)اکہرا (ب)سڈول (ج)دُہرا (د)موزوں

108-مرزا صاحب کا رنگ تھا:

(الف)اجلا (ب)سفید (ج)سانولا (د)کالا

109-مرزا صاحب کی پیشانی تھی:

(الف)روشن (ب)چمکدار (ج)کشادہ (د)پر وقار

110-مرزا صاحب کی بھنویں تھیں:

(الف)کالی (ب)سفید (ج)ہلکی (د)گھنی

111-مرزا صاحب کی آنکھیں تھیں:

(الف)کالی (ب)نیلی (ج)چھوٹی چھوٹی (د)بڑی بڑی روشن

112-مرزا صاحب کے رخساروں کی ہڈیاں تھیں:

(الف)ابھری ہوئی (ب)بیٹھی ہوئی (ج)موزوں (د)متناسب

113-مرزا صاحب کی مونچھیں تھیں:

(الف)بھاری (ب)ہلکی (ج)کتروا ں (د)نہ تھیں

114-مرزا کے سامنے کے دو دانت تھے:

(الف)مناسب (ب)لمبے (ج)چوڑے (د)ٹوٹے ہوئے

115-مرزا صاحب کی داڑھی تھی:

(الف)ہلکی (ب)بھاری (ج)منڈی ہوئی (د)چھوٹی

116-مرزا صاحب دیکھنے میں آدمی تھے:

(الف)عام سے (ب)صحت مند سے (ج)موٹے سے (د)دھان پان سے

117-شاہد احمد دہلوی نے مرزا صاحب کو پہلی دفعہ دیکھا تھا:

(الف)1930ء میں (ب)1940ء میں (ج)1945ء میں (د)1950ء میں

118-1930ء میں مرزا صاحب کی عمر تھی:

(الف)44، 45 برس (ب)انچاس برس (ج)ساٹھ برس (د)53 برس

119-1962ء میں مرزا کی عمر تھی:

(الف)60 برس (ب)62 برس (ج)70 برس (د)76 برس

120-مرزا صاحب شکوہ نہ کرتے تھے:

(الف)کھانے کا (ب)پینے کا (ج)لوگوں کا (د)زمانے کا

121-کون سب سے نفیس سوٹ پہنتا تھا:

(الف)تاج صاحب (ب)پطرس صاحب (ج)فیض مرحوم (د)مرزا صاحب

122-مصنف نے مرزا صاحب کو پہلے 32 سال سے پہنے دیکھا:

(الف)شلوار قمیض (ب)کرتا پاجامہ (ج)کوٹ پتلون (د)شیروانی

123-مرزا صاحب کی گفتگو میں الفاظ بالکل نہ آتے تھے:

(الف)عربی کے (ب)فارسی کے (ج)انگریزی کے (د)ہندی کے

124-کس عمر میں مرزا صاحب کے ہاتھوں میں رعشہ آگیا تھا:

(الف)30 سال کی (ب)45 سال کی (ج)42 سال کی (د)40 سال کی

125-مرزا صاحب نے عمر پائی:

(الف)تھوڑی (ب)طویل (ج)مختصر (د)خاصی

126-مرزا صاحب کی ہستی تھی:

(الف)عام سی (ب)جامع العلوم (ج)مشہور و معروف (د)نامور

جوابات:

1-ب	2-ج	3-ج	4-ب	5-الف
6-الف	7-د	8-د	9-الف	10-الف
11-ب	12-ج	13-د	14-ب	15-الف
16-د	17-د	18-ج	19-د	20-ب
21-ب	22-ج	23-ج	24-ج	25-د
26-ب	27-الف	28-ج	29-ب	30-الف
31-ب	32-ج	33-الف	34-ب	35-الف
36-ب	37-ج	38-الف	39-ب	40-الف
41-د	42-الف	43-ب	44-د	45-الف
46-د	47-ج	48-ج	49-الف	50-ب

51-ب	52-د	53-د	54-الف	55-الف
56-ب	57-ج	58-د	59-ب	60-الف
61-د	62-د	63-الف	64-ب	65-ج
66-الف	67-ب	68-الف	69-ب	70-ج
71-د	72-الف	73-ج	74-د	75-الف
76-ب	77-ج	78-د	79-ب	80-الف
81-ب	82-د	83-الف	84-ب	85-ج
86-د	87-ج	88-د	89-الف	90-الف
91-ب	92-ج	93-د	94-د	95-د
96-الف	97-ج	98-د	99-د	100-الف
101-ج	102-د	103-الف	104-د	105-د
106-د	107-الف	108-الف	109-ج	110-د
111-د	112-الف	113-ج	114-د	115-ج
116-د	117-الف	118-الف	119-د	120-د
121-د	122-د	123-ج	124-د	125-ب
126-ب				

4 ۔ نظریہ پاکستان

ڈاکٹر غلام مصطفٰے خان

خلاصہ

ڈاکٹر غلام مصطفٰی خان مشہور مضمون نگار اور اُستاد تھے۔ سبق نظریہ پاکستان میں اُنہوں نے قیام پاکستان کے اغراض و مقاصد کے تاریخی پسِ منظر پر روشنی ڈالی ہے۔

مسلمانوں نے ہمیشہ رواداری کو ہمیشہ اپنا شیوہ بنایا ہے لیکن جب کفر غلبہ حاصل کرنا چاہے تم مسلمان ڈٹ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ مسلم فرماں رواؤں نے ہمیشہ رواداری کا مظاہرہ کیا۔ جلال الدین اکبر اس فکر میں حد اعتدال سے بھی آگے نکل گیا۔ اُس کی ہندوؤں کی بے جا ناز برادری نے مسلمانوں کی دینی معاملات میں آزادی ختم کر دی۔ چنانچہ سب سے پہلے صدائے احتجاج شیخ احمدؒ سرہندی المعروف مجدد الف ثانیؒ نے بلند کی۔ انہوں نے اکبر اور جہانگیر کو ان کی غلط روایات پر ٹوکا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ بعد میں آنے والے بادشاہ شاہ جہاں اور اورنگزیب عالمگیرؒ دینی و ملی تڑپ سے سرشار تھے۔ اورنگزیبؒ نے اپنی سی بھرپور سعی کی مگر اس کی وفات (1707ء) کے بعد بدقسمتی سے جو لوگ تخت نشین ہوئے وہ تن آسان اور عیش و مستی کے دلدادہ تھے نتیجہ یہ کہ مسلم اقتدار کی کشتی ہچکولے کھانے لگی۔ صورت حال کی اصلاح کے لیے نواب سراج الدولہ، نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے جان تک کی بازی لگانے سے گریز نہ کیا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے مسلمانوں کی اخلاقی اور معاشرتی برائیوں کو دور کرنے کی تحریک شروع کی۔ شاہ اسماعیلؒ اور سید احمد بریلویؒ نے آزادی کے لئے جانیں قربان کر دیں۔ مگر اب صورت حال نہایت خراب ہو چکی تھی۔ انگریزی اقتدار کے منحوس سائے برصغیر کو اپنی لپیٹ میں لیتے چلے جا رہے تھے ایسے میں سرسید نے وقت کے تقاضے کو محسوس کیا اور مسلمانوں کو زیور تعلیم سے آراستہ ہونے کی تلقین کی تاکہ وہ انگریزوں اور ہندوؤں کے بچھائے ہوئے جال سے بچ سکیں۔ 1885ء میں کانگریس کا قیام اسی مسلم دشمن سلسلے کی کڑی تھا۔ مسلمانوں نے سرسید کے زیر اثر سمجھ داری کا ثبوت دیتے ہوئے اس سے مکمل لاتعلقی اختیار کی حتیٰ کہ انہوں نے 1906ء میں "مسلم لیگ" کے نام سے خود اپنی سیاسی جماعت قائم نہ کر لی۔ سرسید کی تحریک سے وابستہ افراد اس میں پیش پیش تھے۔ اب تک یہ بات اچھی طرح واضح ہو چکی تھی کہ ہندو انگریز گٹھ جوڑ نیک فال نہیں، مسلم دشمنی ان میں قدر مشترک ہے چنانچہ انہیں ہر طرح سے چوکنا رہنا ہو گا۔ 1911ء میں تقسیم بنگال کی تنسیخ، 1919ء کی تحریک خلافت، شدھی، سنگھٹن تحریک اور 1928ء کی نہرو رپورٹ یہ وہ واقعات تھے جنہوں نے ہندو ذہنیت کی قلعی کھول کر رکھ دی۔ دوسری طرف پہلی جنگ عظیم کے بعد سلطنت عثمانیہ کے (خلاف وعدہ) حصے بخرے کرنا، انگریز ذہنیت کا عکاس تھا۔ اس سب سے مسلمانوں نے بجا طور پر یہ نتیجہ نکالا کہ انگریز اقتدار کی چھتر چھاؤں اور ہندوؤں کی معیت سے کبھی خیر برآمد نہیں ہو سکتا۔ 1929ء میں قائد اعظم کے 14 نکات اور 1930ء کا علامہ اقبال کا خطبہ الٰہ آباد، یہ مسلم قیادت کے بدلے ہوئے لہجے کے غماز تھے۔ 1937ء کے انتخابات کے نتیجے میں قائم ہونے والی کانگرسی حکومتوں کا چہرہ بے نقاب ہو گیا جو مسلمانوں کو 23 مارچ 1940ء میں "قیام پاکستان" کو اپنی منزل ٹھہرانے کا محرک بنا۔ مسلمانوں کی قومیت ایک نظریاتی قومیت ہے جو لا الہ الا اللہ پر قائم ہے۔ برصغیر کے مسلمان مختلف رنگوں، نسلوں اور جغرافیائی خطوں کے تھے لیکن ایک قوم تھے، چنانچہ انہوں نے اپنے لیے الگ وطن کا مطالبہ کیا۔ مسلمانوں کی سات سال کی شبانہ روز محنت رنگ لائی اور 14 اگست 1947ء کو وطن عزیز وجود میں آیا۔ قیام پاکستان کا مقصد فقط ایک خطہ ارضی کا حصول نہ تھا بلکہ اس کے پیچھے کارفرما "نظریہ" کا مقصد ایک

اسلامی اور فلاحی مملکت کا قیام تھا جو بد قسمتی سے اب تک حاصل نہیں ہو سکا۔ اس کا حصول صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ہم اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے ذاتی مفاد پر اجتماعی مفاد کو اور گروہ بندی پر یکجہتی کو ترجیح دیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے قول و فعل کو اسلام کے سانچے میں ڈھالیں اور اپنے ملک کو مضبوط و مستحکم بنانے کے لئے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کریں۔

مشق

1-سوالات کے مختصر جوابات

(الف) مسلمانوں کو اپنے دینی معاملات میں اپنی آزادی کب ختم ہوتی نظر آئی؟

جواب: بادشاہ اکبر کی بے جا رواداری اور ملکی سیاست میں ہندوؤں کے عمل دخل کی وجہ سے ملک میں کافرانہ طور طریقے اس قدر رائج ہو گئے تھے کہ مسلمانوں کی آزادی خود ان کے دینی معاملات میں بھی ختم ہو گئی تھی۔

(ب) سلطان ٹیپو اپنی جدوجہد میں کیوں کامیاب نہ ہو سکا؟

جواب: سلطان ٹیپو نے ہندوؤں اور انگریزوں کا مقابلہ کیا لیکن ملک کے دوسرے سرداروں نے سلطان ٹیپو کا ساتھ نہیں دیا اور اُسے کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

(ج) تحریکِ خلافت کیوں شروع کی گئی؟

جواب: انگریزوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ جنگ کے خاتمے کے بعد ترکی کو نقصان نہیں پہنچائیں گے لیکن پہلی جنگ عظیم کے بعد انگریزوں نے خلافت ترکی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ مسلمانوں کو اسی فریب سے تکلیف پہنچی اور انہوں نے خلافت کے تحفظ کے لیے تحریک خلافت شروع کی۔

(د) علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کے لئے الگ وطن کا مطالبہ کب اور کہاں کیا؟

جواب: علامہ اقبالؒ نے 1930ء میں الٰہ آباد کے مقام پر ایک اجلاس میں برصغیر کے مسلمانوں کے لیے الگ وطن (پاکستان) بنانے کی تجویز پیش کی۔

(ہ) اہلِ مغرب نے قومیت کی بنیاد کس پر رکھی ہے؟

جواب: اہلِ مغرب نے خاندانی، نسلی اور قبائلی بنیادوں میں ذرا وسعت پیدا کر کے قومیت کی بنیادیں جغرافیائی حدود پر استوار کیں اور کہا کہ قوم وطن سے بنتی ہے۔

(ذ) مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کیا ہے؟

جواب: مسلمانوں کی قومیت ایک نظریاتی قومیت ہے جو لا الہ الا اللہ پر قائم ہے، یعنی کہ نسل، رنگ اور وطن کی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک نظریے، ایک عقیدے، ایک کلمے کی بنیاد پر وجود میں آئی ہے اور اس نظریاتی پہلو کو نمایاں کرنے کے لئے اسے ملت کہا گیا ہے۔

(ز) نظریہ پاکستان کا مقصد کیا ہے؟

جواب: نظریہ پاکستان کا مقصد پاکستان کو ایک اسلامی اور فلاحی مملکت بنانا ہے۔

(ح) شُدّھی اور سنگھٹن کی تحریکوں کے مقاصد کیا تھے؟

جواب: ہندوؤں نے مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لیے شدھی کی تحریک شروع کی۔ اور سنگھٹن کی تحریک کا مقصد تھا کہ ہندو مسلمانوں کو ختم کر دیں۔

2-درج ذیل الفاظ و مرکبات کو جملوں میں استعمال کریں۔

الفاظ	جملے
کفر والحاد	مسلمان کفر والحاد کا مقابلہ ڈٹ کر کرتا ہے۔
نفاق	مغلوں کے باہمی نفاق سے انگریز غالب آ گئے۔
ولولہ	علامہ اقبال کی شاعری نے مسلمانوں کو ایک تازہ ولولہ دیا۔
مستحکم	ہمیں پاکستان کو مستحکم بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔
زک	ہندوؤں نے ہر موقع پر مسلمانوں کو زک پہنچانے کی کوشش کی۔
خود مختار	پاکستان ایک خود مختار ملک ہے۔
جمعیت	مغربی قوموں کی جمعیت کا انحصار ملک و نسب پر ہے۔
اخوت	مسلمانوں کو آپس میں اخوت کا جذبہ پیدا کرنا چاہیے۔
عملِ پیہم	برصغیر کے مسلمانوں نے عملِ پیہم سے الگ وطن حاصل کیا۔
فلاح و بہبود	حکومت کو عوامی فلاح و بہبود کے کاموں پر توجہ دینی چاہیے۔

3-سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔

4-سبق کے متن کی روشنی میں درست جواب پر نشان لگائیں۔

(الف) سبق کے مصنف کا نام کیا ہے؟

(الف) ڈاکٹر سید عبداللہ (ب) ✓ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں (ج) سر سید احمد خاں (د) جمیل الدین عالی

(ب) اکبر کے دور میں دین کی سربلندی کے لیے کس نے سختیاں جھیلیں؟

(الف) ✓ حضرت مجدد الف ثانی (ب) شاہ ولی اللہؒ (ج) سید احمد بریلویؒ (د) شاہ اسماعیلؒ شہید

(ج) سید احمد بریلویؒ اور شاہ اسماعیلؒ کب شہید ہوئے؟

(الف) ۱۸۲۱ء میں (ب) ✓ ۱۸۳۱ء میں (ج) ۱۸۴۱ء میں (د) ۱۸۵۷ء میں

(د) کانگریس کب قائم ہوئی؟

(الف) ✓ ۱۸۸۵ء میں (ب) ۱۸۸۶ء میں (ج) ۱۸۹۵ء میں (د) ۱۹۰۶ء میں

(ہ) مسلم لیگ کس نے قائم کی؟

(الف) سر سید احمد خاں (ب) نواب محسن الملک (ج) قائدِ اعظمؒ (د) ✓ نواب وقار الملک

(و) مصنف نے دنیا میں قومیت کی تشکیل کی کتنی بنیادیں بتائی ہیں؟

(الف) ایک　　(ب) ✓ دو　　(ج) چار　　(د) آٹھ

5- سبق کے متن کو نظر میں رکھ کر درست اور غلط کی نشاندہی کریں۔

1- مسلمان کفر والحاد کا غلبہ ہوتے دیکھ کر اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ✓ درست / غلط

2- شاہ اسمٰعیلؒ، سید احمد بریلویؒ کے مرشد تھے۔ درست / غلط ✓

3- سید نے مجبوراً انگریزوں سے مفاہمت کو غنیمت جانا۔ ✓ درست / غلط

4- پہلی جنگِ عظیم میں ترکی نے انگریز کا ساتھ دیا۔ درست / غلط ✓

5- ترکی کو نقصان نہ پہنچانے کا وعدہ فریب ثابت ہوا۔ ✓ درست / غلط

6- مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد مغرب کے تصورِ قومیت سے مختلف ہے۔ ✓ درست / غلط

6- کالم (الف) کا ربط کالم (ب) سے کیجئے۔

کالم (الف)	کالم (ب)
۱۹۳۰ء	الٰہ آباد
کانگریس	۱۸۸۵ء
مسلم لیگ	۱۹۰۶ء
۱۸۳۱ء	شہادت شاہ اسمٰعیلؒ
نظریہ پاکستان	اسلامی زندگی

7- سبق میں مذکور شخصیات میں سے کسی ایک شخصیت پر مختصر نوٹ لکھیں۔

جواب: قائدِ اعظم:

بانی پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح تاریخ کی ان چند عظیم شخصیات میں سے ایک ہیں جنہوں نے تاریخ کا رخ موڑ دیا۔ قائدِ اعظم نے بغیر ہتھیار اٹھائے برصغیر کے مسلمانوں کے لیے الگ وطن کا حصول ممکن بنایا۔ وہ نہ بکنے والی اور نہ جھکنے والی شخصیت تھے۔ وہ خوش پوش، خوش گفتار اور خوددار انسان تھے۔ وہ نڈر اور دلیر تھے، پیشے کے اعتبار سے وکیل تھے اور پاکستانی قوم کے باپ تھے۔ پاکستانی قوم ان کی ممنونِ احسان ہے۔

کثیر الانتخابی سوالات

درست جوابات کی نشاندہی کریں:

1- مسلمانوں نے ہمیشہ اپنا شیوہ بنایا ہے:

(الف) شجاعت کو (ب) رواداری کو (ج) فیاضی کو (د) انصاف کو

2- ملک میں کافرانہ طور طریقے رائج ہوئے مغل بادشاہ:

(الف) بابر کی وجہ سے (ب) اکبر کی وجہ سے (ج) جہانگیر کی وجہ سے (د) شاہجہاں کی وجہ سے

3- اکبری دور میں اسلام کی سربلندی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے:

(الف) حضرت شاہ ولیؒ اللہ (ب) حضرت علی ہجویریؒ (ج) حضرت مجدد الف ثانیؒ (د) سید احمد بریلویؒ

4- حیدر علی، حکمران تھے ریاست:

(الف) حیدر آباد کے (ب) بنگال کے (ج) میسور کے (د) گجرات کے

5- سلطان ٹیپو کا اصل نام تھا:

(الف) شجاعت علی (ب) فتح علی (ج) نواب علی (د) حیدر علی

6- سلطان ٹیپو کے والد کا نام:

(الف) واجد علی (ب) آفتاب علی (ج) نوازش علی (د) حیدر علی

7- سلطان ٹیپو شہید ہوئے معرکہ:

(الف) سرنگاپٹم میں (ب) بالاکوٹ میں (ج) ہگلی میں (د) تھانیسر میں

8- سلطان ٹیپو شہید ہوئے، 4 مئی:

(الف) 1795ء کو (ب) 1797ء کو (ج) 1798ء کو (د) 1799ء کو

9- انگریزوں کے ساتھ مقابلے کے لیے سلطان ٹیپو نے اپنے ساتھ ملایا افغانستان:

(الف) فرانس اور اٹلی کو (ب) ترکی اور فرانس کو (ج) ترکی اور جرمنی کو (د) جرمنی اور فرانس کو

10- سلطان ٹیپو، انگریزوں کے خلاف کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ:

(الف) وسائل کم تھے (ب) فوجی تربیت یافتہ نہ تھی (ج) غدار بکثرت تھے (د) مقامی سرداروں نے ساتھ نہ دیا

11- معاشرتی برائیوں کو دور کرنے کی تحریک شروع کی شاہ ولی اللہ اور ان کے:

(الف) مریدوں نے (ب) صاحبزادوں نے (ج) ساتھیوں نے (د) بعد میں آنے والوں نے

12- شاہ اسمٰعیلؒ شاہ ولی اللہ کے تھے:

(الف) بیٹے (ب) نواسے (ج) پوتے (د) بھتیجے

13- شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے مرشد تھے:

(الف) سید احمد بریلویؒ (ب) سید احمد سرہندیؒ (ج) سید احمد بھوپالوی (د) سر سید احمد

14- سید احمد بریلوی کی تحریک کا مقصد تھا اسلامی اصولوں کو دوبارہ رائج کرنا اور:

(الف) مذہبی اصلاح (ب) جہاد کی تیاری (ج) اقتصادی بہتری (د) غلامی سے نجات

15- شاہ اسمٰعیلؒ شہید اور سید احمد بریلویؒ کن کے خلاف لڑتے لڑتے شہید ہوئے؟

(الف) مرہٹوں (ب) سکھوں (ج) انگریزوں (د) ہندوؤں

16- شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور سید احمد بریلویؒ نے شہادت پائی:

(الف)1830ء میں (ب)1831ء میں (ج)1839ء میں (د)1840ء میں

17-شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور سید احمد بریلویؒ نے شہادت پائی:

(الف)سیالکوٹ میں (ب)راج کوٹ میں (ج)راولا کوٹ میں (د)بالا کوٹ میں

18-شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ کی قربانی سے مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہوا:

(الف)خوف (ب)مایوسی (ج)جوش اور ولولہ (د)احساس محرومی

19-جنگ آزادی کا معرکہ پیش آیا:

(الف)1757ء میں (ب)1799ء میں (ج)1857ء میں (د)1858ء میں

20-جنگ آزادی میں ناکامی کی وجہ تھی:

(الف)باہمی انتشار (ب)غیر موثر قیادت (ج)انگریزوں کا استحکام (د)جوش وجذبے کی کمی

21-سرسید نے انگریزوں سے مفاہمت کو غنیمت جانا:

(الف)خوشی سے (ب)مجبوری سے (ج)وقتی طور پر (د)بددلی سے

22-سرسید نے توجہ دی مسلمان قوم کی اصلاح پر:

(الف)سماجی و معاشرتی (ب)اخلاقی و تہذیبی (ج)مذہبی وملی (د)تہذیبی و علمی

23-1885ء میں ہندوؤں نے بنیاد ڈالی:

(الف)کانگریس کی (ب)شدھی کی (ج)ہندو سنگھٹن کی (د)راشٹریا سیوک سنگھ کی

24-کانگریس نے حقوق دلوانے کا وعدہ کیا:

(الف)مسلمانوں کو (ب)ہندوؤں کو (ج)سکھوں کو (د)تمام اقوام کو

25-کانگریس کی پالیسیوں کے باعث:

(الف)انگریز مستحکم ہو گئے (ب)ہندو غالب آ گئے (ج)ہندوستان نے بڑی ترقی کی (د)مسلمان پسماندہ رہ گئے

26-سرسید نے کوشش کی مسلمانوں کو:

(الف)کانگریس اور سیاست سے علیحدہ کرنے کی (ب)خاموش رکھنے کی

(ج)سمجھانے کی (د)انگریزوں سے ملانے کی

27-مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے مسلمانوں کی دینی تعلیم کی طرف توجہ دی:

(الف)دارالعلوم جامعہ ملیہ اسلامیہ میں (ب)دارالعلوم دیوبند میں (ج)علی گڑھ کالج میں (د)دارالندوہ میں

28-نواب وقار الملک نے 1906ء میں کس سیاسی جماعت کی بنیاد ڈالی؟

(الف)یونینسٹ پارٹی (ب)مسلم لیگ (ج)جماعت اسلامی (د) خاکسار پارٹی

29-نواب وقار الملک کا سرسید سے تعلق تھا:

(الف)عقیدت مند (ب)دوست (ج)رفیق کار (د)رشتہ دار

30-مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا:

(الف)سلہٹ میں (ب)چٹاگانگ میں (ج)ڈھاکہ میں (د)کھلنا میں

31- تقسیم بنگال عمل میں آئی:

(الف) 1900ء میں (ب) 1905ء میں (ج) 1911ء میں (د) 1919ء میں

32- تنسیخ بنگال عمل میں آئی:

(الف) 1901ء میں (ب) 1920ء میں (ج) 1915ء میں (د) 1911ء میں

33- مسلمانوں کو زک پہنچانے کے لیے مسلمانوں کی اکثریت ختم کرادی مشرقی بنگال اور:

(الف) بہار میں (ب) آسام میں (ج) بنگال میں (د) ہریانہ میں

34- پہلی جنگ عظیم کا آغاز ہوا:

(الف) 1914ء میں (ب) 1919ء میں (ج) 1992ء میں (د) 1930ء میں

35- پہلی جنگ عظیم میں انگریز کا مقابلہ ہوا:

(الف) جرمنی سے (ب) پولینڈ سے (ج) روس سے (د) اٹلی سے

36- پہلی جنگ عظیم میں ترکی نے ساتھ دیا:

(الف) برطانیہ کا (ب) امریکا کا (ج) جرمنی کا (د) اٹلی کا

37- ہندوستان کے مسلمان خلیفہ اسلام سمجھتے تھے:

(الف) شہنشاہ ایران کو (ب) سلطان ترکی کو (ج) مفتی اعظم کو (د) امام کعبہ کو

38- مسلمان، سلطان ترکی کو خلیفہ اسلام سمجھتے تھے:

(الف) تقوٰی کی وجہ سے (ب) حجاز کی وجہ سے (ج) حسب نسب کی وجہ سے (د) علم کی وجہ سے

39- انگریزوں نے مسلمانوں سے وعدہ کیا کہ جنگ جیت کر وہ:

(الف) ترکی کو نقصان نہیں پہنچائیں گے (ب) ترکی کی وحدت پر برقرار رکھیں گے

(ج) ترکی کی طرف توجہ دیں گے (د) ہندوستان کو آزاد کردیں گے

40- انگریزوں نے جنگ جیت کر اپنے وعدے کو:

(الف) پورا کیا (ب) توڑ دیا (ج) التوا میں ڈال دیا (د) نظر انداز کر دیا

41- پہلی جنگ عظیم کے بعد انگریزوں نے ترکی:

(الف) کی سالمیت کا احترام کیا (ب) کی فلاح کے لیے کام کیا (ج) کے ٹکڑے کر دیے (د) پر قبضہ کر لیا

42- تحریک خلافت شروع کی:

(الف) مولانا ابوالکلام آزاد نے (ب) مولانا ظفر علی خان نے (ج) مولانا محمد علی جوہر اور شوکت علی نے (د) قائد اعظمؒ نے

43- تحریک خلافت شروع ہوئی:

(الف) 1914ء میں (ب) 1919ء میں (ج) 1915ء میں (د) 1920ء میں

44- شدھی کی تحریک کا مقصد تھا:

(الف) مسلمانوں کو ہندو بنانا (ب) ہندوؤں کی اصلاح (ج) انگریزوں کو نکال دینا (د) ہندو مذہب کی تبلیغ

45- ہندوؤں نے مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لیے تحریک شروع کی:

(الف) سماج سدھار (ب) دھرم پرچار (ج) شدھی (د) سنگھٹن

46- کانگریس نے "نہرو رپورٹ" شائع کی:

(الف) 1925ء (ب) 1927ء (ج) 1928ء (د) 1931ء

47- علامہ اقبالؒ نے تصور پاکستان پیش کیا 1930ء کے جلسہ:

(الف) الہ آباد میں (ب) احمد آباد میں (ج) حیدر آباد میں (د) فیض آباد میں

48- قرارداد پاکستان 23 مارچ 1940ء کو پاس ہوئی:

(الف) پشاور میں (ب) دہلی میں (ج) لکھنؤ میں (د) لاہور میں

49- قرارداد پاکستان میں مسلمانوں نے اپنی منزل قرار دیا:

(الف) انگریزوں کی ملک بدری کو (ب) ہندوؤں کے استحصال سے نجات کو

(ج) تعلیمی ترقی کو (د) مذہبی اصلاح کو

50- دنیا میں قومیت کی بنیادیں ہیں:

(الف) صرف ایک (ب) دو (ج) چار (د) بے شمار

51- اہل مغرب کے نزدیک قوم بنتی ہے:

(الف) زبان سے (ب) مذہب سے (ج) وطن سے (د) ثقافت سے

52- وطن سے تشکیل قوم کے نظریے نے دروازہ کھولا:

(الف) ترقی کا (ب) تباہی کا (ج) منافرت کا (د) اخوت و یکجہتی کا

53- مسلم نظریہ قومیت کی بنیاد رکھی:

(الف) اللہ نے (ب) رسول ﷺ اللہ نے (ج) خلفائے راشدین (رضی اللہ) نے (د) مسلم سلاطین نے

54- مسلم نظریہ قومیت کی بنیاد ہے:

(الف) اتحاد پر (ب) قرآن پر (ج) احادیث پر (د) لا الہ الا اللہ پر

55- ہندو معاشرہ جکڑا ہوا تھا:

(الف) نفرت میں (ب) مساوات میں (ج) ذات پات میں (د) حب الوطنی میں

56- نظریہ پاکستان میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے تصور:

(الف) قرآن و حدیث کا (ب) توحید و رسالت کا (ج) الٰہ و معبود کا (د) اسلامی زندگی و اقدار کا

57- نظریہ پاکستان کا مقصد ہے:

(الف) حصولِ آزادی (ب) اسلامی اصولوں کی ترویج (ج) قیام مملکت (د) انگریزوں سے نجات

58- قیام پاکستان کا فیصلہ ہندوؤں کو بہت:

(الف) بھلا لگا (ب) ناگوار لگا (ج) بے مقصد لگا (د) اطمینان بخش لگا

59- قائد اعظمؒ کی پر خلوص قیادت کے نتیجے میں پاکستان قائم ہوا:

(الف) 10 اگست 1947ء کو (ب) 12 اگست 1947ء کو (ج) 13 اگست 1947ء کو (د) 14 اگست 1947ء کو

60- نظریہ پاکستان کے مصنف ہیں:

(الف) ڈاکٹر غلام مصطفٰی خان (ب) لیاقت علی خانؒ (ج) قائداعظمؒ (د) ذوالفقار علی بھٹو

61- ڈاکٹر غلام مصطفٰی خان، پیدا ہوئے:

(الف) 1905ء میں (ب) 1908ء میں (ج) 1912ء میں (د) 1918ء میں

62- شاہ جہاں کے بعد اس کا بیٹا خادمِ دین بنا:

(الف) بہادر شاہ ظفر (ب) اورنگزیب عالمگیر (ج) محمد شاہ رنگیلا (د) فرخ سیر

63- مغلیہ حکومت کا باعثِ زوال تھا:

(الف) وسعتِ سلطنت (ب) ہندوؤں کی بغاوت (ج) انگریز مداخلت (د) اورنگ زیب کے بیٹوں کی چپقلش

64- مجدد الف ثانیؒ نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں عہد:

(الف) اکبری میں (ب) جہانگیر میں (ج) بابری میں (د) شاہ جہانی میں

65- مجدد الف ثانیؒ کا اصل نام تھا:

(الف) سید محمود احمد سرہندی (ب) سید اسماعیل سرہندی (ج) سید محمد سرہندی (د) سید احمد سرہندی

66- مجدد الف ثانیؒ کا مطلب ہے دوسرے:

(الف) ایک ہزار سال کا مجدد (ب) دو ہزار سال کا مجدد (ج) تیسرے ہزار سال کا مجدد (د) چوتھے ہزار سال کا مجدد

67- مسلمان ڈٹ کر کھڑا ہو جاتا ہے جب:

(الف) کفر و الحاد غلبہ پالیتا ہے (ب) جی چاہتا ہو (ج) جہاد کے لیے کہا جائے (د) دشمن حملہ کر دے

68- پہلی جنگ عظیم کا خاتمہ ہوا:

(الف) 1916ء میں (ب) 1919ء میں (ج) 1920ء میں (د) 1921ء میں

69- مغلیہ سلطنت کے زوال کے وقت سر اٹھایا:

(الف) انگریزوں اور ہندوؤں نے (ب) مرہٹوں اور انگریزوں نے (ج) مرہٹوں اور ہندوؤں نے (د) انتشار نے

70- اہل مغرب کے نظریہ قومیت کی وجہ سے:

(الف) دنیا میں امن ہو گیا (ب) خوب ترقی ہوئی (ج) دو عالمی جنگیں ہوئیں (د) دنیا میں انتشار پیدا ہوا

71- ڈاکٹر غلام مصطفٰی خان کہاں پیدا ہوئے؟

(الف) کیمبل پور (ب) جبل پور (ج) ہرن پور (د) بادشاہ پور

72- ڈاکٹر غلام مصطفٰی خان نے عملی زندگی کا آغاز کہاں سے کیا؟

(الف) کنگ ایڈورڈ کالج امروتی (ب) کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور (ج) پنجاب یونیورسٹی (د) علی گڑھ یونیورسٹی

73- ڈاکٹر غلام مصطفی خان پاکستان بننے کے بعد کس ادارے سے وابستہ ہوئے؟

(الف) اردو کالج کراچی (ب) گورنمنٹ کالج لاہور (ج) ایف سی کالج لاہور (د) کراچی یونیورسٹی

74- ڈاکٹر غلام مصطفی خان سندھ یونیورسٹی میں کس عہدے پر فائز رہے؟

(الف) ڈین آف آرٹس (ب) صدر شعبہ اردو (ج) پرنسپل اردو کالج (د) پروفیسر اردو

75-ڈاکٹر غلام مصطفی خان نے ناگ پور یونیورسٹی سے کون سی ڈگری لی؟

(الف)بی ایچ ڈی (ب)ایم فل (ج)ڈی۔لٹ (د)ایم اے

جوابات:

1-ب	2-ب	3-ج	4-ج	5-ب
6-د	7-الف	8-د	9-ب	10-د
11-ب	12-ج	13-الف	14-د	15-ب
16-ب	17-د	18-ج	19-ج	20-الف
21-ب	22-د	23-الف	24-د	25-د
26-الف	27-ب	28-ب	29-ج	30-ج
31-ب	32-د	33-ب	34-الف	35-الف
36-ج	37-ب	38-ب	39-ب	40-ب
41-ج	42-ج	43-ب	44-الف	45-د
46-ج	47-الف	48-د	49-ب	50-ب
51-ج	52-ب	53-ب	54-د	55-ج
56-د	57-ب	58-ب	59-د	60-الف
61-ج	62-ب	63-د	64-ب	65-د
66-الف	67-الف	68-ب	69-ج	70-ج
71-ب	72-الف	73-الف	74-ب	75-ج

5 ۔ پرستان کی شہزادی

اشرف صبوحی

خلاصہ

اشرف صبوحی ایک صاحبِ طرز ادیب تھے۔ سبق "پرستان کی شہزادی" داستان ہے جس میں پرستان کی سیر کا احوال پیش کیا گیا ہے۔

سیدانی بی کا ایک وقت میں بڑا شہرہ تھا۔ان کے ہنر کی دھاک قلعے کی تمام مغلانیوں پر تھی۔جوڑوں کی سلائی، کڑھائی اور ٹکائی میں کبھی ملکہ نے بلایا تو کبھی نواب سلطان بیگم نے بلا بھیجا۔پل بھر کی فرصت میسر نہ تھی لیکن جب بڑھاپے نے آگھیرا تو کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔پڑوس کے میر صاحب نے خدا ترسی کی اور انہیں اپنے پاس رکھ لیا۔

کہا جاتا ہے کہ سیدانی بی نہایت شریف گھرانے کی بیٹی تھیں۔ مرہٹہ گردی میں ان کا خاندان تباہ ہو گیا اور یہ بیوہ ہو گئیں دوسری شادی کو برا خیال کیا جاتا تھا اور سیدانی بی نے رنڈاپا اپنی ہنر مندی اور سلیقہ شعاری میں گزار دیا۔جوانی عزت و آبرو سے گزر گئی بہت کمایا لیکن سنبھال کر نہ رکھا پرانے شریفوں میں ایک یہی برائی تھی کہ وقت کی قدر نہیں کرتے تھے۔ بڑھاپے میں انھیں میر صاحب نے اپنے گھر میں جگہ دی اور گھر والے سب ان کی بہت عزت کرتے۔ سیدانی بی پہلے پہل اداس اور شرمندہ سی رہیں لیکن کب تک ؟ پھر خود ہی اُن میں گھُل مل گئیں صبح نماز کے بعد بچوں کو قرآن پڑھاتیں دوپہر میں سلائی کڑھائی اور شام کو کھانوں کی ترکیبیں بتاتیں اور رات کو سوتے وقت کہانیاں سناتیں۔ میر صاحب اور ان کی بیگم خوش تھے کہ بچوں کی تربیت کے لیے خدا نے مفت کی استانی بھیج دی۔

ایک سردیوں کی سرد رات، دالانوں کے پردے پڑے ہوئے، سب بچے بڑے لحافوں میں دبکے سیدانی بی سے کہانی سن رہے تھے۔ کہانی انڈا شہزادی کی تھی. بیگم میر بھی نماز وظیفہ سے فارغ ہو کر وہاں آبیٹھیں اور باتوں باتوں میں سیدانی بی سے پوچھا کہ کیا یہ سچ ہے کہ تم پرستان سے ہو آئی ہو تو اس پر سیدانی بی نے جواب دیا کہ پہلی بار تو وہ مجھے دھوکے سے لے گئے لیکن جب بھید کھلا تو بہت ڈری لیکن اب کیا ہو سکتا تھا اس کے بعد جب کبھی دوبارہ جانا ہوا تو ہنسی خوشی گئی اور آئی۔ بیگم میر کہتی ہیں کہ میرا تو خوف کے مارے دم نکل جاتا لیکن شاباش تمہاری تربیت کرنے والوں پر ہے کہ انہوں نے ایسی اچھی تربیت کی۔ سیدانی تم کیوں گئیں ؟ بادشاہ نے مجھے بیٹی کے جوڑے ٹانکنے کے لیے بلایا تھا، سیدانی نے جواب دیا۔

نواب اعظم الدولہ کی بیٹی کی شادی تھی، دن رات کام تھا، ایک دن بلاوے آتے رہے لیکن میں نہ گئی اپنی پسند کا پکوان بنوایا جمعے کا دن تھا نہائی دھوئی اور خوب آرام کیا۔ شام کو کسی نے آواز دی کہ سرکار نے بلایا ہے میں بڑے نخروں سے جایا کرتی تھی۔ وہ اپنے پسندیدہ پکوان کو چھوڑ کر جانا میری عادت کے برعکس تھا لیکن میں نے انکار نہ کیا اور سر پر چادر اوڑھ ساتھ ہو لی تھوڑا دور جا کر احساس ہوا کہ پاس ہی تو گھر ہے یہ کہار کہاں لے جا رہے ہیں اور نہ ہی ہٹو بچو کی آوازیں آ رہی ہیں۔ ذرا پردہ سرکا کر دیکھا تو جنگل اور سائیں سائیں کی آوازیں۔ کہاروں سے دریافت کیا جواب ملا کہ بادشاہ سلامت نے بلایا ہے کچھ دیر کے بعد پھر پوچھا کہ میں سیدانی ہوں سچ بتاؤ کہاں لے جا رہے ہو تم سب کو راکھ کر دوں گی اس نے جواب دیا سیدانی بی گھبراؤ نہیں ہمارے بادشاہ سلامت سیدوں کو بہت مانتے ہیں۔ ڈرتے ڈرتے دیکھا کہ پالکی ایک محل کے آگے رکی ہوئی ہے۔ فانوس نہیں ہیں لیکن روشنی بہت ہے۔ پریاں اِدھر اُدھر پھر رہی ہیں اور بڑی رونق لگی ہے کہ ایسی رونق تو ہمارے بادشاہ کے ہاں بھی نہیں ایک پری میرے پاس آئی اور مجھے بادشاہ اور بیگم بادشاہ کے پاس لے گئی۔ سونے چاندی کے درخت اور پھل پھولوں کی جگہ ہیرے جواہرات لٹکے ہوئے ہیں بادشاہ کے دربار میں

بلور کی کرسیاں بچھی ہیں اور ان پر پری زاد بڑی شان اور تمکنت سے بیٹھے ہیں۔ بادشاہ سلامت یاقوت کے تخت پر بیٹھے ہیں ان کے پہلو میں چودہ پندرہ برس کی لڑکی بیٹھی ہے۔

کانپتے جسم سے آگے بڑھی بیگم بادشاہ بولیں گھبراؤ نہیں سیدانی بی تمہیں علم نہیں کہ ہم اس نام کی کتنی عزت کرتے ہیں تو مجھے حوصلہ ہوا کہ یہ مسلمان ہیں کوئی ڈر نہیں. بیگم بادشاہ نے کہا کہ سیدانی سارا راستہ تم ڈرتی آئی ہو۔ میں نے جواب دیا سرکار سنسان جنگل اور پھر کہار کی شکل ایسی کہ ڈر تو لگے گا ہی۔ میرے چاروں طرف دیکھنے پر بیگم بادشاہ کو شک ہوا انہوں نے کہا کہ ہماری شکلیں اصلی ہیں نہ گھبراؤ۔ شہزادی ہنسی اور کہنے لگی کہ موئے بکر گدھے نے ڈرایا ہوگا۔ اتنے میں خوان اترنے لگے۔ ایک بالشت کے پودے پھلوں سے لدے۔ میں کیا کھاؤں اور کیا نہ کھاؤں بیگم بادشاہ نے کہا کہ سیدانی بی ہاتھ بڑھاؤ تو باقی بھی شامل بعام ہوں۔ عرض کیا بیگم بادشاہ کھانے کی چیز ہو تو کھاؤں، انہوں نے جواب دیا کھانے کے بارے میں سوچیے، وہی ذائقہ اور مزہ آئے گا۔ ایک زرد زرد پھل توڑا سب بونٹ پلاؤ کے ذائقے بھول گئی محل میں بیسیوں مرتبہ بڑے مزے کے پکوان کھائے لیکن ان کا ذائقہ ہی الگ تھا۔ پانی کی طلب پر یا قوتی گلاس آپ ہی آپ لبوں سے آلگا۔ کھانے کے بعد پان کھایا اور ایسا ذائقہ کہ محمد شاہ رنگیلا کی کوکلا بائی کے پان کو بھی مات دے۔ کھانے سے فارغ ہو کر بیگم بادشاہ نے توشہ خانے والیوں کو حکم دیا کہ شہزادی کے کپڑے لاؤ۔ بڑوں بڑوں کے کپڑے دیکھے ٹانکے لیکن کجا دنیا کے کپڑے کجا پرستان کے۔ بیگم بادشاہ نے کہا لو سیدانی بی اپنی ہنر مندی کا مظاہرہ کرو۔ سوچ میں پڑ گئی کہ کون سی وضع ٹانکوں؟ بیگم بادشاہ سے کہا کہ صبح ہونے دیں تو بادشاہ بیگم ہنس پڑیں کہ یہاں صبح شام کا تصور نہیں، بسم اللہ کریں۔ سوچا دیر کیوں کریں سامان کترنے بیونت موجود ہے کام شروع کیا پہلے ہی سوٹ میں واہ واہ ہو گی پھر تو جیسے مجھے پر لگ گئے ہوں۔ ناچ گانا شروع ہوا لیکن میں اپنے کام میں مگن رہی کہ جلدی جلدی کام نپٹاؤں اور گھر جاؤں۔ شہزادی کہتی سیدانی خالہ یہیں رہ جاؤ کیوں جاتی ہو لیکن میں نہ مانی۔ جہیز ٹانکنے سے فراغت کے بعد بیگم بادشاہ سے کہا کہ مجھے بھجوادیں انہوں نے شادی تک رکنے کا کہا لیکن میں نہ مانی اور واپس آنے لگی تو بادشاہ نے مجھے انعام واکرام سے نوازا اور پالکی میں سوار ہوئی۔ بادشاہ کے دیئے ہوئے انعام کو پتھر جان کر سارے راستے پردے کی جھری سے باہر پھینکتی آئی، گھر پہنچ کر چراغ کی لو میں دیکھا تو جواہرات، سر پکڑ لیا کہ اتنی دولت یوں ہی لٹادی لیکن کیا کر سکتی تھی۔ بوا نماز سے فارغ ہو کر دعا مانگ رہی تھیں۔ بونٹ پلاؤ ویسے ہی دم پر لگا تھا بوا کہنے لگی، گئی نہیں ہو جواب دیا، راستے سے ہی لوٹ آئی ہوں۔

مشق

1-سوالات کے مختصر جوابات

(الف) سیدانی بی نے گزراوقات کے لیے کون سا پیشہ اختیار کیا؟

جواب: سیدانی بی نے گزراوقات کے لئے مغلانی کا پیشہ اختیار کیا۔

(ب) میر صاحب اور ان کی بیوی سیدانی بی کی کس بات پر زیادہ خوش تھے؟

جواب: میر صاحب اور ان کی بیوی دونوں خوش تھے کہ سیدانی بی کو بچوں کی تربیت کے لیے خدا نے بھیج دیا۔ ایسی شریف، نماز روزہ کی پابند، ہنر مند استانی صرف روٹیوں پر کہاں میسر آتی ہے۔

(ج) پرستان کے بادشاہ نے سیدانی بی کو کس کام کے لیے بلوایا تھا؟

جواب: پرستان کے بادشاہ نے سیدانی بی کو اپنی بیٹی کا جہیز ٹانکنے کے لیے بلایا تھا۔

(د) بادشاہ بیگم کا اصلی نام کیا تھا؟

جواب: بادشاہ بیگم کا اصلی نام زمرد پری تھا۔

(ہ) پرستان کے پھلوں کی خاص بات کیا تھی؟

جواب: پرستان کے پھلوں کی خاص بات یہ تھی کہ ایک پھل توڑنے کے بعد فوراً دوسرا پھل نکل آتا تھا اور جس پھل کا سوچتے اُس کا ذائقہ محسوس ہوتا تھا۔

2-سیدانی بی نے پرستان کا تذکرہ دلچسپ انداز میں کیا ہے۔آپ اپنے الفاظ میں اس کا خلاصہ لکھیے۔

3-سبق کے متن کو مدنظر رکھ کر درست جوابات کی نشاندہی کریں۔

(الف) سبق "پرستان کی شہزادی" کس مصنف کی تحریر ہے؟

(الف) شاہد احمد دہلوی (ب) ہاجرہ مسرور (ج) ✓ اشرف صبوحی (د) سجاد حیدر یلدرم

(ب) قلعے کی بڑی بڑی مغلانیاں، سیدانی بی کے سامنے:

(الف) کام کرتی تھیں (ب) کھڑی رہتی تھیں (ج) دم نہ مارتی تھیں (د) ✓ کان پکڑتی تھیں

(ج) پرستان کے بادشاہ نے سیدانی بی کو بلایا تھا۔

(الف) ✓ بیٹی کا جہیز ٹانکنے کو (ب) انعام دینے کو (ج) بیٹی کو سینا پرونا سکھانے کو (د) ملازمہ رکھنے کے لیے

(د) سیدانی کو کھانے میں مرغوب تھا:

(الف) زردہ (ب) ✓ بونٹ پلاؤ (ج) فیرنی (د) بریانی

(ہ) پرستان میں پھل دار پودے بڑے تھے۔

(الف) ✓ بالشت بھر (ب) چھ فٹ (ج) ایک ایک فٹ (د) گز بھر

(و) پرستان سے سیدانی بی کو انعام میں کیا ملا؟

(الف) روپیا پیسا (ب) کنکر پتھر (ج) خلعت اور زیورات (د) ✓ جواہرات

4-مندرجہ ذیل محاورات کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

جوابات:

1- اوسان خطا ہونا، (ڈر جانا) سانپ کو دیکھ کر ہمزہ کے اوسان خطا ہو گئے۔

2- آنکھیں کھلنا، (ہوش آنا، عقل آنا) جلد ہی عمر دراز کی آنکھیں کھل گئیں ورنہ اکبر کی دوستی اسے لے ڈوبتی۔

3- کلیجے پر سانپ لوٹنا، (رشک کرنا، حسد کرنا) علی کی ترقی سے اسلم کے کلیجے پر سانپ لوٹ رہے ہیں۔

4- بال بیکا ہونا، (نقصان ہونا) اللہ کی رحمت شامل حال ہو تو کسی کا بال بیکا نہیں ہو سکتا۔

5- عقل جاتی رہنا، (ہوش جاتے رہنا) گھر کے آئے دن کے لڑائی جھگڑے سے دانش کی عقل جاتی رہی۔

5-کالم (الف) کا ربط کالم (ب) سے کیجئے۔

کالم (الف)	کالم (ب)
مرہٹہ گردی	تباہی
میر صاحب	خوش مزاج
انڈا شہزادی	کانٹرادیو
بکر گدھا	جن
ہنر	دھاک

6-سبق کے مطابق درست لفظ کے ذریعے خالی جگہ پُر کیجئے۔

1-ایک وقت تھا کہ ——— میں سیدانی بی کا بڑا مقام تھا۔ (✓ قلعہ، محل، دربار)

2-سیدانی بی کو مغلانی کا پیشہ اختیار کرنا پڑا کیونکہ ———۔ (اس کے والدین فوت ہو گئے، تجارت میں خسارہ ہو گیا، ✓ وہ بیوہ ہو گئیں)

3-اس نے کہاروں سے کہا: "کم بختو! منہ سے کچھ تو ———۔ (کہو، ✓ پھوٹو، بولو)

4-پرستان میں اسے ——— لے گیا۔ (✓ جن، پری زاد، فرشتہ)

5-بادشاہ نے اسے ——— انعام میں دیے۔ (زیورات، ✓ جواہرات، ملبوسات)

ذو معنی الفاظ:

ایسے الفاظ کا املا تو ایک ہی ہوتا ہے لیکن ان کے دو معنی ہوتے ہیں اور ان میں سے بعض اوقات ایک معنی میں مذکر جبکہ دوسرے معنوں میں مونث ہوتا ہے۔

7-ذیل کے جملوں میں سے ذو معنی الفاظ الگ کر کے ان کے معنی لکھیے۔

ا-بارشوں سے آئینے کی آب جاتی رہی، 1-آب۔ پانی، 2-آب۔ صفائی (آئینے کی چمک)

۲-سوات میں کون سی کان ہے؟ 1-کان۔ سننے کا ایک عضو 2-کان۔ معدن۔ منبع چشمہ

۳- بادشاہ بیگم کے حکم پر شہزادی کے کپڑوں کے لئے تھان پہ تھان آنے لگے۔ 1- تھان۔ مقام جگہ 2- تھان ٹکڑا۔ کپڑے کی مقرر مقدار جو کارخانے سے تہ ہو کر بکنے کے لیے آئے۔

۴-حق بات کہنے کی پاداش میں وہ دار پر جھول گیا۔ 1-دار۔ گھر۔ مکان 2-دار۔ پھانسی کی لکڑی، سولی

۵-جہاں چاہ وہاں راہ۔ 1-چاہ۔ محبت 2-چاہ۔ کنواں

8-درج ذیل الفاظ کے متضاد تحریر کیجئے۔

الفاظ	متضاد
لطیف	کثیف
شب	روز

خشک	تر
طاق	جفت
شیریں	کڑوا
نشیب	فراز
تریاق	زہر

کثیر الانتخابی سوالات

درست جوابات کی نشاندہی کریں:

1-اشرف صبوحی پیدا ہوئے:

(الف)1904ء میں (ب)1905ء میں (ج)1906ء میں (د)1907ء میں

2-اشرف صبوحی نے وفات پائی:

(الف)1987ء میں (ب)1988ء میں (ج)1984ء میں (د)1990ء میں

3-اشرف صبوحی کا اصل نام تھا:

(الف)ولی محمد (ب)محمد ولی (ج)سید ولی اشرف (د)سید ولی شبیر

4-اشرف صبوحی پیدا ہوئے:

(الف)دہلی میں (ب)کلکتہ میں (ج)بنارس میں (د)علی گڑھ میں

5-اشرف صبوحی نے اینگلو عربیک ہائی سکول دہلی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا:

(الف)1923ء میں (ب)1922ء میں (ج)1924ء میں (د)1925ء میں

6-کون سے معروف ادیب اشرف صبوحی کے ہم جماعت تھے:

(الف)شاہد احمد دہلوی (ب)میر انیس (ج)سجاد حیدر یلدرم (د)نسیم حجازی

7-اشرف صبوحی محکمہ ڈاک اور ـــــــ میں ملازم رہے:

(الف)محکمہ ٹیلی فون (ب)محکمہ ٹیلی گرام (ج)محکمہ تار (د)محکمہ ابلاغ عامہ

8-اشرف صبوحی قیام پاکستان کے بعد کہاں قیام پذیر ہوئے؟

(الف)کراچی (ب)لاہور (ج)اسلام آباد (د)پشاور

9-ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد اشرف صبوحی نے کس دواخانہ سے وابستگی اختیار کی؟

(الف)سیف (ب)اجمل (ج)ہمدرد (د)سلیمان

10-اشرف صبوحی کا اردو زبان کے مختلف طبقوں کی بول چال اور محاوروں پر گرفت تھی:

(الف)دہلی کے (ب)لکھنو کے (ج)علی گڑھ کی (د)آگرہ کے

11-قلعے کی اچھی اچھی ـــــــ ان کے سامنے کان پکڑتی تھیں:

(الف) شہزادیاں (ب) بیویاں (ج) مغلانیاں (د) بیگمات

12- محلّات میں کوئی نیا جوڑا سلایا وضع کی ٹکائی کا ذکر ہوا تو بلایا گیا:

(الف) بیگم کو (ب) سیدانی بی کو (ج) پرستان کی ملکہ کو (د) حجن بوا کو

13- شہر کی بیگمات میں بھی ـــــ ہنر کی دھاک تھی:

(الف) پرستان کی شہزادی کے (ب) بوا حسینی کے (ج) سیدانی بی کے (د) مغلانی بیگم کے

14- سیدانی بی کا پیشہ تھا:

(الف) سلائی کڑھائی (ب) نرس کا (ج) آیا کا (د) سناری کا

15- کل ڈولی کھڑی ہے کہ نواب بیگم نے یاد کیا ہے:

(الف) عذرا جہاں (ب) سلطان جہاں (ج) حسینی جہاں (د) شاہ جہاں

16- دن رات، صبح شام کو فرصت نہ تھی سیدانی بی کو:

(الف) بڑھاپے میں (ب) جوانی میں (ج) بچپن میں (د) زندگانی میں

17- بڑھاپے میں سیدانی بی کو کس نے اپنے پاس رکھا؟

(الف) شیر شاہ صاحب نے (ب) علی میر صاحب نے (ج) میر صاحب نے (د) بیگم سلطان بانو نے

18- سیدانی بی گھرانے کی بیٹی تھیں:

(الف) غریب (ب) شریف (ج) امیر (د) متوسط

19- سیدانی بی کا خاندان تباہ ہو گیا:

(الف) مغل گردی میں (ب) سکھ گردی میں (ج) مرہٹہ گردی میں (د) منگول گردی میں

20- سیدانی بی نے اپنی بیوگی ـــــ کی بدولت گزاری:

(الف) ہنر مندی (ب) دولت مندی (ج) غربت میں (د) کسمپرسی میں

21- بنے ہوئے زمانے میں ـــــ کا خیال نہیں آتا:

(الف) سنورنے کا (ب) بکھرنے کا (ج) ڈرنے کا (د) بگڑنے کا

22- سیدانی بی میر صاحب کے ہاں اس طرح رہنے لگیں جیسے اپنے:

(الف) پیاروں میں (ب) خاندان میں (ج) گھر میں (د) کنبے میں

23- صبح کی نماز پڑھ کر بچوں کو پڑھاتیں:

(الف) تفسیر (ب) دنیاوی علم (ج) قرآن پاک (د) علم نحو

24- میر صاحب اور ان کی بیوی خوش تھے کہ بچوں کی تربیت کے لیے خدا نے بھیج دیا:

(الف) اہل علم کو (ب) مغلانی کو (ج) سیدانی بی کو (د) بوا حسینی کو

25- بچے ایسے ـــــ ہوئے کہ دن رات سیدانی بی کے پاس بیٹھے رہتے:

(الف) پسندیدہ (ب) گرویدہ (ج) آبدیدہ (د) غمگیں

26- مشہور تھا کہ سیدانی بی ہو آئی ہیں:

(الف) گلستان سے (ب) ترکمانستان سے (ج) پرستان سے (د) ہندوستان سے

27- انڈا شہزادی کی کہانی میں شہزادی کو پلنگ سمیت اڑا لے گیا:

(الف) نام دیو (ب) کانٹرا دیو (ج) ہامون جادوگر (د) سانٹرے دیو

28- سیدانی بی سے پوچھا کہ تم پرستان سے انعام واکرام لائی تھیں:

(الف) بیگم شاہ جہاں نے (ب) بیگم سلطان بیگم نے (ج) بیگم میر صاحب نے (د) بیگم امیرن نے

29- سیدانی بی کو پہلی دفعہ لے گئے:

(الف) ان کی مرضی سے (ب) دھوکے سے (ج) سوتے ہوئے (د) ڈرا دھمکا کر

30- سیدانی بی وہ قصہ یاد آتا ہے تو کلیجے پر لوٹنے لگتا ہے:

(الف) بچھو (ب) اژدھا (ج) سانپ (د) کوبرا

31- بیگم یہ وہ دن تھے کہ نواب ——— بہادر کی اکلوتی بیٹی کے بیاہ کی تیاری تھی:

(الف) عظیم الدولہ (ب) کاظم الدولہ (ج) اعظم الدولہ (د) بہادر یار جنگ

32- سیدانی بی کو ——— بھاتا ہے:

(الف) مرغ پلاؤ (ب) بونٹ پلاؤ (ج) بریانی (د) کانٹ پلاؤ

33- سیدانی بی کو سرکار نے یاد کیا ہے ——— بھیجی ہے:

(الف) بگھی (ب) تانگہ گاڑی (ج) شاہی بگھی (د) پینس

34- ہاتھ پاؤں ——— پڑ گئے کہ یہ موئے کہار کہاں لیے جاتے ہیں:

(الف) ٹوٹے (ب) گرم (ج) ٹھنڈے (د) ہلکے

35- ہر درخت کا تنا چاندی کا سونے کی شاخیں ——— پتے:

(الف) ہیرے کے (ب) نیلم کے (ج) زمرد کے (د) لعل کے

36- پھلوں کی جگہ کہیں لعل لٹک رہے تھے کہیں نیلم کہیں ———:

(الف) جواہرات (ب) پکھراج (ج) عقیق (د) ہیرے

37- چلتے چلتے ایک ——— میں پہنچے اُس کی سجاوٹ کیا بیان کروں۔

(الف) محل (ب) بارہ دری (ج) شیش محل (د) تاج محل

38- سرخ، سبز نیلی، زرد، اودی کرسیاں بچھی تھیں:

(الف) سیکڑوں (ب) سینکڑوں (ج) ہزاروں (د) لاکھوں

39- بادشاہ اور بادشاہ بیگم تخت پر بیٹھے تھے:

(الف) ہیرے کے (ب) لعل کے (ج) یاقوت کے (د) پکھراج کے

40- بادشاہ بیگم کے پہلو میں ایک لڑکی بیٹھی تھی:

(الف) 14، 15 برس کی (ب) پندرہ سولہ برس کی (ج) 13، 14 برس کی (د) 17، 18 برس کی

41- میں نے دل میں شکر ادا کیا کہ یہ لوگ ہیں ——— اور اب کسی بات کا ڈر نہیں:

(الف)ہندو (ب)مسلمان (ج)سید (د)یہودی

42-اماں بیگم بکر گدھا موا بڑا شریر ہے اس نے اپنی شکل دکھادی ہو گی، بولی:

(الف)بیگم بادشاہ (ب)سیدانی بی (ج)شہزادی (د)وزیر زادی

43-بادشاہ بیگم کی لڑکی کا نام ہے:

(الف)سہیل پری (ب)سنبل پری (ج)سبیل پری (د)آزاد پری

44-کھانا کیا تھا اللہ کی قدرت کا کرشمہ ایک ایک ——— کے پودے پھلوں سے لدے:

(الف)بالشت (ب)شست (ج)فٹ (د)میٹر

45-سیدانی بی! جیسا سنا تھا کہ بڑا بھولا ہوتا ہے:

(الف)جن زاد (ب)آدم زاد (ج)پری زاد (د)انسان

46-جب ایک پھل توڑتی اس کی جگہ دوسرا نکل آتا:

(الف)فوراً (ب)اُسی وقت (ج)پانچ منٹ بعد (د)کچھ دیر کے بعد

47-پانی کا خیال آتے ہی گلاس منہ سے لگ گیا:

(الف)ہیرے کا (ب)جواہرات کا (ج)یاقوت کا (د)لعل کا

48-کوکلا بائی پان کھلاتی تھی:

(الف)ہمایوں کو (ب)محمد شاہ رنگیلے کو (ج)اکبر کو (د)جہانگیر کو

49-انعام میں سے سیدانی بی کے پاس کتنے نگینے رہ گئے؟

(الف)6 (ب)5 (ج)4 (د)10

50-——— کی پشواز دیکھی جس میں سیکڑوں ہیرے جواہرات جڑے ہیں:

(الف)شمیم بائی (ب)نیلو بائی (ج)نور بائی (د)نیلم بائی

51-پرستان والوں کا کام آٹھوں پہر:

(الف)سونا (ب)کام کرنا (ج)سیر سپاٹے (د)فارغ رہنا

52-شہزادی کا منہ نہ تھکتا کہتے کہتے!:

(الف)خالہ سیدانی (ب)بی اماں (ج)خالہ اماں (د)حسن بوا

53-ہائے اپنا ——— پرستان میں بھی نہیں بھولا۔

(الف)ویران (ب)اجاڑ (ج)کھنڈلا (د)آباد

54-سیدانی بی کو گھر پہنچانے کی ذمہ داری لگائی گئی:

(الف)نام دیو جن کی (ب)جن بکر گدھے کی (ج)آدم شناس جن کی (د)سردار پرستان کی

55-صبح کہیں مہمان ہیں شام کو کہیں، لیکن رہے نام:

(الف)سائیں کا (ب)اللہ کا (ج)رسولؐ کا (د)بادشاہ کا

56-ہارے وقت کا کوئی نہیں:

(الف)دوست (ب)ساتھی (ج)رفیق (د)مددگار

57-بنے ہوئے زمانے میں خیال بھی نہیں آتا:

(الف)بگڑنے کا (ب)خراب ہونے کا (ج)مرنے کا (د)جینے کا

58-سیدانی دل کی حاتم اور طبیعت کی تھیں:

(الف)گرم (ب)نرم (ج)حاتم (د)بھرم

59-تم جانو پاس رہے کا بڑا ہوتا ہے:

(الف)اثر (ب)مان (ج)پیار (د)سلوک

60-دل میں خوش اور ظاہر میں:

(الف)روتی (ب)بسورتی (ج)روہانسی (د)شادمان

61-خیر جان بچی پائے:

(الف)لاکھوں (ب)کروڑوں (ج)سیکڑوں (د)ہزاروں

جوابات:

1-ب	2-د	3-ج	4-الف	5-ب
6-الف	7-ج	8-ب	9-ج	10-الف
11-ج	12-ب	13-ج	14-الف	15-ب
16-ب	17-ج	18-ب	19-ج	20-الف
21-د	22-د	23-ج	24-ج	25-ب
26-ج	27-ب	28-ج	29-ب	30-ج
31-ج	32-ب	33-د	34-ج	35-ج
36-ب	37-ب	38-الف	39-ج	40-الف
41-ب	42-ج	43-الف	44-الف	45-ب
46-الف	47-ج	48-ب	49-ج	50-ج
51-ج	52-الف	53-ج	54-ب	55-الف
56-ب	57-الف	58-ب	59-الف	60-ب
61-الف				

6 ۔ اردو ادب میں عید الفطر

ڈاکٹر وحید قریشی

خلاصہ

ڈاکٹر وحید قریشی اُردو زبان وادب کے اہم محقق اور نقاد تھے۔ان کا زیادہ تر ادبی سرمایہ تنقیدی کتب پر مشتمل ہے۔اس سبق میں انہوں نے عید الفطر کے حوالے سے ادبی تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے۔

اُردو کی غزلیہ شاعری عید کے چاند اور محبوب سے روزِ عید کی ملاقاتوں تک محدود تھی لیکن 1857ء کے بعد یہ ملی احساسات کی ترجمان بھی بن گئی۔شعراء کی تخلیقی صلاحیتوں کی بدولت عید الفطر کا موضوع کی جہتوں تک پھیل گیا ہے۔عید کا موضوع محدود معنوں کے بجائے اب مسلمانوں کی تہذیبی اور فکری زندگی کے وسیع تر جغرافیے سے مل گیا ہے۔عید سے متعلقہ نظموں میں متوسط اور غریب طبقے کے مسائل وحالات کا عکس موجود ہے۔خواجہ حسن نظامی نے دلی کی بربادی کے نوحوں میں شاہی خاندان کے افراد کی کسمپرسی میں عید بسر کرنے کا نقشہ کھینچا ہے۔سر سید نے اس روایت کا آغاز کیا جب انہوں نے مسلمانوں کی معاشرتی خامیوں کے علاوہ ان کی غربت کی منظر کشی بھی کی۔عید سے متعلقہ شاعری میں عید کو مذہبی اقدار سے ہم آہنگ کیا گیا ہے۔اقبال کے مطابق ہلالِ عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے۔یتیموں پر عید بھاری گزرتی ہے اور بچپن میں چاند کیسا دکھتا تھا۔

مجموعی طور پر عید کے چاند کی منظر کشی، عید کو داخلی مسرت اور خارجی حالات سے منسلک کرنا، ہلالِ عید کو ملی عزائم کی علامت اور ملت کے عروج وزوال کی علامت کے طور پر پیش کرنا۔عید کے حوالے سے نمایاں موضوعات میں عید کی شاعری ہماری شعری روایات کا ناقابل فراموش حصہ ہے جس میں عید محض تہوار منانے کی ایک سمت تک محدود نہیں بلکہ ہماری اقدار اور ہمارے داخلی رویوں کی بھی عکاس ہے۔

مشق

1-سوالات کے مختصر جوابات

(الف) عید الفطر کا ہماری تہذیبی اور دینی زندگی سے کیا تعلق ہے؟

جواب: عید الفطر ہمارے دینی جذبے کی شدت اور مذہبی امور سے گہری وابستگی کو ظاہر کرتی ہے۔یہ ایک وقتی جذبہ نہیں ہے بلکہ ایک تہذیبی اکائی بن کر ہماری معاشرتی زندگی میں بہت دور تک جاتی ہے۔

(ب) عید الفطر پر نظموں میں، شعرا نے کیا باریکیاں پیدا کی ہیں؟

جواب: عید الفطر کے موضوعات میں اشاراتی اور علامتی امکانات زیادہ اجاگر ہوئے، ملی احساسات کی ترجمانی کا وسیلہ بنایا گیا۔ عید کے موضوعات میں نئی نئی باریکیاں پیدا کر کے اسے ادبی خوشی کے ملے جلے جذبات تک لے گئے۔

(ج) اس سبق کی روشنی میں اردو شعرا نے عید الفطر کے جن متعدد پہلوؤں پر اظہار خیال کیا ہے۔ان میں سے کوئی سے تین پہلوؤں/ موضوعات کے نام لکھیئے۔

جواب: ہلالِ عید کی منظر کشی، عید اور مسلمانوں کے داخلی و خارجی حالات، مسلمانوں کا عروج و زوال، ہلالِ عید اور ملی عزائم، رسول اللہؐ کی عید، عیدی وغیرہ۔

(د) عید الفطر کے موقع پر شہزادوں اور شہزادیوں کا ذکر کرتے ہوئے، خواجہ حسن نظامی نے کیا نکتہ اجاگر کیا ہے؟

جواب: عید الفطر کے موقع پر دولت و عزت سے محروم ہونے والے شہزادوں اور شہزادیوں کی قسم پرسی میں عید بسر کرنے کا ذکر اہمیت رکھتا ہے۔

2-اردو شعرا نے ہر دور میں عید الفطر کو موضوع سخن کیوں بنایا؟

جواب: مجموعی طور پر عید الفطر سے متعلق موضوعات ہماری شاعری کے بنیادی رخ کو ظاہر کرتے ہیں۔ عید کا تصور محض تہوار نہیں بلکہ اس خوشی کا رشتہ ہماری اقدار میں بہت دور تک جاتا ہے۔ اس کا تعلق ہمارے داخلی اور خارجی رویوں کے ساتھ بہت گہرا ہے۔ اس وسعت پذیری کی وجہ سے شاعروں نے اسے موضوعِ سخن بنایا ہے۔

3-کون سی چیز اقبالؒ کو عید کے چاند کی تصویر کشی پر مجبور کرتی ہے؟

جواب: یاد طفلی علامہ اقبال کو عید کے چاند کی تصویر کشی پر مجبور کرتی ہے۔ اور وہ منظر کشی کرنے والے رجحان کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

اے مہ عید! بے حجاب ہے تو
حسنِ خورشید کا جواب ہے تو

4-"مہ صیام گیا اور روز عید آیا" یہ اردو کے کس معروف شاعر کا مصرع ہے؟

جواب: یہ اردو کے معروف شاعر مولانا حالیؔ کا مصرع ہے۔

5-عید کی شاعری کا ہماری شعری روایات سے کیا تعلق ہے؟

جواب: عید کی شاعری کا ہمارے داخلی رویوں کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے۔ ہماری شعری روایت میں یہ عمل صرف یکطرفہ مناظر کشی تک جا کر ختم نہیں ہوتا۔ عید کی شاعری ہماری شعری روایات کا ایک اہم اور ناقابل فراموش حصہ ہے۔

6-سبق کے متن کو مد نظر رکھ کر درست یا غلط کی نشاندہی کریں۔

(الف) ۱۸۵۷ء یہ دنیا والے تو نہیں کہتے سو نگلی جنگ آزادی کے بعد اردو شاعری میں وسعت پیدا ہوئی۔ ✓درست / غلط

(ب) خواجہ حسن نظامی نے دِلّی کی بربادی کے مرثیے لکھے ہیں۔ درست / غلط ✓

(ج) عید الفطر کے متعلق موضوعات ہماری شاعری کا اصل رخ ظاہر کرتے ہیں۔ ✓درست / غلط

(د) سبق میں چار شعرا کے اشعار درج ہیں۔ درست / غلط ✓

(ہ) عید الفطر کا تصور ہماری اقدار میں شامل ہے۔ ✓درست / غلط

7-درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

(الف) یہ مصرع کس شاعر کا ہے؟ "ہلالِ عید کی گردوں پہ آمد آمد ہے"۔

(الف) اقبالؒ (ب) حفیظ جالندھری (ج) ✓ عبدالمجید سالک (د) حالیؔ

(ب) حسن نظامی نے دِلّی کے جو نوحے لکھے، ان میں کون سی چیز نمایاں ہے؟

(الف) عظمتِ رفتہ (ب) احساسِ شادمانی (ج) ✓ عید کا ذکر (د) لُطف و مسرت

(ج) عیدالفطر کے موقع پر مسلم معاشرے کے کس طبقے کو سب سے زیادہ مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟

(الف) اُمرا (ب) ✓ غُربا (ج) متوسط (د) درمیانہ متوسط

(د) شاعر نے "لذت افزائے شورِ طفلی" میں کس کی طرف اشارہ کیا ہے؟

(الف) بادل (ب) ستارے (ج) ✓ عیدالفطر کا چاند (د) نمازِ عیدالفطر

(ہ) ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد توجہ تیز ہو گئی۔

(الف) غزلوں کی طرف (ب) ✓ نظموں کی طرف (ج) مرثیے کی طرف (د) شہرِ آشوب کی طرف

8-مصنف نے عید کا تعلق تہوار کے علاوہ کس سے جوڑا ہے؟ دو تین سطروں میں جواب لکھیں۔

جواب: مصنف نے عید کا تعلق تہوار کے علاوہ اردو شاعری اور اسلامی اقدار سے جوڑا ہے۔

کثیر الانتخابی سوالات

درست جوابات کی نشاندہی کریں:

1-ڈاکٹر وحید قریشی پیدا ہوئے:

(الف) 1925ء (ب) 1926ء (ج) 1928ء (د) 1929ء

2-ڈاکٹر وحید قریشی شہر ـــــــ میں پیدا ہوئے:

(الف) لاہور (ب) میانوالی (ج) سیالکوٹ (د) حیدر آباد

3-وحید قریشی کا اصل نام تھا:

(الف) عبدالودود (ب) عبدالجبار (ج) عبدالوحید (د) عبدالشکور

4-ڈاکٹر وحید قریشی کے والد کا نام کیا تھا اور کس محکمہ میں ملازم تھے؟

(الف) محمد نقیب قریشی (واپڈا) (ب) محمد شریف قریشی (لیسکو) (ج) محمد منیر قریشی (ایجوکیشن) (د) محمد لطیف قریشی (محکمہ پولیس)

5-گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے آنرز کیا:

(الف) 1944ء میں (ب) 1945ء میں (ج) 1946ء میں (د) 1947ء میں

6-1946ء میں اورینٹل کالج لاہور سے ایم اے کیا:

(الف)فارسی (ب)عربی (ج)اردو (د)پنجابی

7-ڈی لٹ اردو کی ڈگری حاصل کی:

(الف)پنجاب یونیورسٹی سے (ب)پشاور یونیورسٹی سے (ج)کراچی یونیورسٹی سے (د)اسلام آباد یونیورسٹی سے

8-پنجاب یونیورسٹی میں عہدے پر فائز رہے:

(الف)لائبریرین کے (ب)ایڈمن کے (ج)ڈین کلیہ علوم شرقیہ واسلامیہ کے (د)اسسٹنٹ پروفیسر کے

9-1983ء سے 1987ء تک اسلام آباد کے صدر نشین رہے:

(الف)مقتدرہ قومی زبان (ب)بزم قائد (ج)بزم اردو زبان (د)بزم اقبال فلسفہ خودی

10-وحید قریشی کا زیادہ تر سرمایہ ادب ـــــــ کتب پر مشتمل ہے:

(الف)ناول (ب)تخلیقی (ج)تنقیدی (د)تدریسی

11-وحید قریشی کے علمی کارناموں پر حکومت پاکستان نے انہیں تمغہ برائے ـــــــ عطا کیا:

(الف)جرات (ب)بسالت (ج)نشان حیدر (د)حسن کارکردگی

12-اساسیات اقبال کے مصنف ہیں:

(الف)ڈاکٹر سید عبداللہ (ب)ڈاکٹر وحید قریشی (ج)ڈاکٹر اعزاز (د)ڈاکٹر علی لطیف قریشی

13-"پاکستان کی نظریاتی بنیادیں" تصنیف ہے:

(الف)اشرف صبوحی کی (ب)ڈاکٹر وحید قریشی کی (ج)حفیظ جالندھری (د)انور مسعود کی

14-1951ء میں اسلامیہ کالج گوجرانوالہ میں ـــــــ کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا:

(الف)فارسی کے لیکچرار (ب)اردو کے لیکچرار (ج)تاریخ کے لیکچرار (د)عربی کے لیکچرار

15-اردو شاعری میں وسعت پیدا ہوئی:

(الف)1857ء کی جنگ آزادی کے بعد (ب)1947ء پاکستان کی آزادی کے بعد

(ج)1757ء کی جنگ پلاسی کے بعد (د)1965ء کی جنگ کے بعد

16-1857ء کی جنگ آزادی کے بعد ـــــــ احساسات کی ترجمانی کا اردو کو ذریعہ بنایا گیا:

(الف)قومی (ب)ملی (ج)سیاسی (د)وفاقی

17-مسلمانوں کی فکری زندگی کے ـــــــ اردو ادب میں اسلامی اقدار و روایات کی پاسداری کے عمل کو شدید سے شدید تر کر دیا:

(الف)خدوخال (ب)شاعری (ج)خیالات (د)خط وخال

18-عید کے چاند کو محض سال میں ایک بار جھلک دکھا کر غائب ہونے کی بجائے اسے مسلمانوں کی تہذیبی اور فکری زندگی کے وسیع تر ـــــــ سے ملا دیا:

(الف)جغرافیے (ب)اعلامیے (ج)وراثت (د)ورثے

19-ہمیں متوسط طبقے اور غریب طبقے کے مسائل و حالات سے منسلک نظر آتی ہے:

(الف)عید قربان (ب)عید الفطر (ج)عید میلاد النبیؐ (د)شبِ برات

20-دلی کی بربادی کے نوحے لکھے ہیں:

(الف)خواجہ حسن نظامی (ب)چراغ حسن حسرت (ج)حسرت موہانی (د)مولانا فضل الحق

21-"مسلمانانِ ہند کی عید" کے عنوان سے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کی خامیوں کو بیان کیا ہے:

(الف) مولانا حالیؔ نے (ب) سرسید احمد خان نے (ج) شبلی نعمانی نے (د) انشاءاللہ خان نے

22-"یتیم شہزادے کی عید" تصنیف ہے:

(الف) شبلی نعمانی کی (ب) مولانا حالیؔ کی (ج) خواجہ حسن نظامیؔ کی (د) سرسید احمد خان کی

23-"تہنیت عید الفطر" نظم ہے:

(الف) علامہ اقبالؔ کی (ب) مولانا حالیؔ کی (ج) حفیظؔ جالندھری کی (د) انورؔ علیگی کی

24-_____ گیا اور روز عید آیا:

(الف) مہ شوال (ب) مہ صیام (ج) مہ عید (د) مہ محرم

25-کیا ہے خداوند روزہ داروں نے_____:

(الف) فکر (ب) فقر (ج) شکر (د) فکر و شکر

26-ہلال عید صرف ہمیں خوش نہیں کرتا ہماری ہنسی بھی اڑاتا ہے، کہا ہے:

(الف) حالیؔ نے (ب) سرسید نے (ج) اقبالؔ نے (د) مرزا غالبؔ نے

27-_____ مسجدوں میں بجنے لگیں:

(الف) نقارے (ب) نوبتیں (ج) گھنٹیاں (د) صدائیں

28-عید الفطر مضمون کتاب سے لیا گیا ہے:

(الف) نیرنگ خیال (ب) اردو نثر کے میلانات (ج) یتیم شہزادے کی عید (د) یتیموں کی عید

29-یہ مصرع کس شاعر کا ہے، جو کچھ بھی ہو تو آج اثر اپنا دکھادے؟

(الف) طالبؔ الٰہ آبادی (ب) علامہ اقبالؔ (ج) عبدالمجید سالکؔ (د) حالیؔ

30-کس مقررہ موضوع پر اپنے خیالات و جذبات، احساسات کا نثر میں تحریری اظہار کہلاتا ہے:

(الف) افسانہ (ب) ناول (ج) مضمون (د) انشائیہ

31-ادب کی وہ صنف جو مختصر دلچسپ اور واقعاتی لحاظ سے زندگی کے کسی پہلو پر روشنی ڈالے کہلاتی ہے:

(الف) افسانہ (ب) ناول (ج) غزل (د) مضمون

32-سبق "اردو ادب میں عید الفطر" کے مصنف ہیں:

(الف) مولوی عبدالحق (ب) ڈاکٹر وحید قریشی (ج) شفیع عقیل (د) رشید احمد صدیقی

33-خواجہ حسن نظامی نے دلی کی بربادی کے لکھے ہیں:

(الف) نوحے (ب) مرثیے (ج) ناول (د) افسانے

34-ان نثر پاروں کے اثرات ہماری شعری پر بھی پڑے ہیں:

(الف) رواج (ب) رسومات (ج) روایات (د) غزلیات

35-عید کی شاعری ہماری شعری روایات کا ایک اہم اور حصہ ہے:

(الف) درخشندہ (ب) ضروری (ج) ناقابل فراموش (د) ناقابل بیان

36-حسن خورشید کا ہے تو:

(الف)سوال (ب)جواب (ج)بے حجاب (د)لاجواب

جوابات:

1-الف	2-ب	3-ج	4-د	5-الف
6-الف	7-الف	8-ج	9-الف	10-ج
11-د	12-ب	13-ب	14-ج	15-الف
16-ب	17-د	18-الف	19-ب	20-الف
21-ب	22-ج	23-ب	24-ب	25-ج
26-ج	27-ب	28-ب	29-الف	30-ج
31-الف	32-ب	33-الف	34-ج	35-ج
36-ب				

7 ۔ مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ

سجاد حیدر یلدرم

خلاصہ

سجاد حیدر یلدرم کا شمار اُردو کے اولین افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ افسانہ "مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ"، میں بھی سجاد حیدر یلدرم نے دوستی کے منفی پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے۔ اگرچہ دوستی ایک حسین اور مقدس رشتہ ہے لیکن بعض دوستوں کے غلط رویے دوستی جیسے خوبصورت رشتے پر بھی منفی اثرات مرتب کرتے ہیں۔

مصنف کہتا ہے کہ ایک دن دلی کے چاندنی چوک میں ایک فقیر اپنی غریب الوطنی اور دوست نہ ہونے کی شکایت کرتے ہوئے نظر آیا بظاہر وہ موٹا تازہ اور ایک حد تک خوبصورت تھا مگر بدمعاشی نے اس کی صورت مسخ کر دی تھی۔ فقیر تو اپنا قصہ کہہ کر آگے بڑھ گیا لیکن مجھے خود تعجب ہوا کہ اکثر امور میں وہ مجھ سے بہتر ہے۔ میں نے سوچا کہ جسے وہ مصیبت خیال کرتا ہے وہی اُس کے حق میں نعمت ہے۔ وہ حسرت سے کہتا ہے کہ میرا کوئی دوست نہیں، میں حسرت سے کہتا ہوں کہ میرے اتنے دوست ہیں۔

میں نے سوچا کہ فقیر کا کوئی دوست نہیں جو میرے دوستوں کی طرح اُسے دن بھر میں پانچ منٹ کی بھی فرصت نہ دے تو اُس کے لئے یہ غنیمت ہے۔ میرا ایک دوست ایسا ہے جو راستے میں ملے گا اور کہے گا بھائی جان میں تمہیں پرانی دوستی کا واسطہ دیتا ہوں، مجھے اس وقت ضرورت ہے تھوڑا سا روپیہ قرض دو۔ کیا فقیر کے دوست اسے وقت بے وقت دعوتوں اور جلسوں میں کھینچ کر نہیں لے جاتے؟ کیا اُسے دوستوں کے خطوں کا جواب نہیں دینا پڑتا؟ کیا اُس کے دوست کی تصنیف کی ہوئی کوئی کتاب نہیں جس پر اُسے رائے کا اظہار کرنا پڑے؟ کیا اُسے دوستوں کے ہاں ملاقات کو نہیں جانا پڑتا؟ اگر نہیں تو خدا جانے وہ کون سی نعمت چاہتا ہے۔

میں دوستوں کو برا نہیں کہتا، وہ میرے خیر طلب ہیں، وہ مجھے فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں مگر مجھے نقصان ہو جاتا ہے۔ میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آج تک میرے سامنے کوئی یہ ثابت نہ کر سکا کہ احباب کے دائرے کو وسیع کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر دنیا میں کچھ کام کرنا ہے اور باتوں میں عمر نہیں گزارنی تو بعض نہایت عزیز دوستوں کو چھوڑنا پڑے گا۔ مثلاً میرے دوست احمد مرزا ہیں اُن کا آنا بھونچال سے کم نہیں ہے جب وہ آتے ہیں تو میں کہتا ہوں "کوئی آرہا ہے قیامت نہیں" وہ جب بھی آتے ہیں اتنا شور کرتے ہیں کہ جاتے ہوئے میرے کل خیالات کو بھی لے جاتے ہیں۔

دوسرے دوست محمد تحسین ہیں ان کے پاس باتیں کرنے کے لئے سوائے اپنی بیوی بچوں کی بیماری کے اور کوئی مضمون نہیں۔ اگر میں کبھی پالیٹکس یا لٹریچر کے متعلق گفتگو شروع کرتا ہوں تو تحسین فوراً معذرت پیش کرتے ہیں کہ بھائی آج کل گھر بھر بیمار ہے مجھے اتنی فرصت کہاں کہ اخبار پڑھوں۔

اسی طرح میرے مقدمے باز دوست ہیں جنہیں جھگڑوں اور مخالفین کی برائی کرنے سے فرصت نہیں۔ من جملہ اور بہت سی مختلف قسموں کے دوستوں میں محمد شاکر خان صاحب کا ذکر خصوصیت سے کروں گا۔ انہیں اپنی لیاقت کے مطابق لٹریچر کا بہت شوق ہے۔ لٹریچر پڑھنے کا اتنا نہیں جتنا

لٹریری آدمیوں سے ملنے اور تعارف پیدا کرنے کا۔ ایک مرتبہ میرے ہاں تشریف لائے اور بہت اصرار سے مجھے سلیم پور لے گئے یہ کہہ کر کہ دیہات میں تبدیلی آب وہوا بھی ہو گئی اور وہاں مضمون نگاری بھی زیادہ اطمینان سے کر سکو گے۔

شاکر صاحب کی کوٹھی میں جو کمرہ میرے لیے تیار کیا گیا تھا اُس کی کھڑکی پائیں باغ کی طرف کھلتی تھی اور دلفریب منظر میری آنکھوں کے سامنے ہوتا تھا۔ صبح کو نیچے ناشتے کی غرض سے بلایا گیا۔ ناشتے کے بعد کمرے میں جانے کے لئے اٹھا ہی تھا کہ چاروں طرف سے اصرار ہونے لگا کہ کہیں آج ہی سے کام شروع نہ کر دینا۔ گاڑی تیار ہے مچھلی کا شکار کھیلیں گے اور پھر آپ کو احمد نگر کے رئیس راجہ طالبعلم سے ملائیں گے۔ میرا ماتھا ٹھنکا کہ سکون یہاں بھی میسر نہیں خیر سیکڑوں حیلے حوالوں سے اس وقت جانے سے بچ گیا۔ میں نے کمرے میں آکر غور سے میز کے سامان کو دیکھا۔ اعلیٰ درجے کا بیش قیمت سامان میز پر تھا مگر اکثر اس میں سے میرے کام کا نہیں تھا۔ آخر کار میں نے وہی اپنا پرانا استعمال مگر مفید بکس نکالا اور لکھنا شروع کیا۔

میرے کمرے کے قریب شاکر خان صاحب کے چھوٹے بھائی کا کمرا ہے۔ انہیں موسیقی میں بہت دلچسپی ہے انہوں نے موسیقی کی مشق فرما کر مجھے میری خواہش کے خلاف محفوظ فرمایا اس کے بعد میرے خیالات میرے دماغ سے غائب ہو گئے اور میں کچھ لکھ نہ سکا۔

پھر خیالات کے سلسلے کو جوڑنے کی کوشش کی۔ مضمون لکھنے بیٹھا تو شاکر خان صاحب نے نیچے بلا لیا اس مرتبہ انہوں نے اپنے دوست راجا طالب علی صاحب سے میرا تعارف کرایا۔ میں اُس عربی گھوڑے کی مانند تھا جو ہر دوست کو اصطبل سے منگا کے دکھایا جاتا تھا۔ اُن کے دوست سے نجات پا کر اپنے کمرے میں آیا تو طبیعت اُچاٹ ہو گئی تھی۔ ہزار کوشش کے بعد لکھنا شروع کیا۔ خوش قسمتی سے آدھ گھنٹہ ایسا ملا کہ کوئی آیا گیا نہیں۔ دروازے پر دستک ہوئی دریافت کیا تو پتا چلا کہ سرکار نیچے بلاتے ہیں۔ بعد کھانے کے میزبان صاحب فرماتے ہیں سہ پہر کو تمہیں گاڑی میں چلنا ہو گا میں تمہیں اس واسطے نہیں لایا کہ دماغی کام کر کے اپنی صحت خراب کر لو۔ واپس کمرے میں آکر تھوڑی دیر لیٹ گیا تیسرے پہر اُٹھا تو دماغ بہت صحیح پایا۔ خوش خوش اُٹھ کر میز پر گیا اور لکھنا چاہتا تھا کہ پھر وہی دستک۔

نوکر اطلاع دیتا ہے کہ گاڑی تیار ہے میں فوراً نیچے جاتا ہوں تو پہلا فقرہ جو میزبان صاحب کہتے ہیں "آج تو دستے کے دستے لکھ ڈالے" میں سچی بات کہوں کہ "کچھ بھی نہیں لکھا" تو وہ ہنس کر جواب دیتے ہیں کہ آخر اس قدر کسرِ نفسی کی کیا ضرورت ہے۔

شام کو واپس آئے۔ سوتے وقت اپنا دن بھر کا کام دیکھتا ہوں تو ایک صفحے سے زیادہ نہیں وہ بھی بے ربط و بے سلسلہ۔ غصہ میں آکر اُسے پھاڑ دیتا ہوں اور دوسرے روز اپنے میزبان کو ناراض کر کے اپنے گھر واپس چلا آتا ہوں۔ میں ناشکرا اور احسان فراموش کہاں جاؤں گا مگر میں مجبور ہوں اس عزیز اور مہربان دوست کو بھی چھوڑ دوں گا۔ میں نے ذرا تفصیل سے ان کا حال بیان کیا ہے مگر یہ نہ سوچنا کہ احباب کی فہرست ختم ہو گئی ہے۔ ابھی بہت سے باقی ہیں ایک صاحب ہیں جو ہمیشہ قرض مانگنے کے لیے آتے ہیں۔ ایک صاحب ہیں جو ہمیشہ اس وقت آتے ہیں جب میں باہر جانے والا ہوتا ہوں۔

ایک صاحب ہیں جو ہمیشہ میری دعوت کرنے کا سوچتے رہتے ہیں پر کبھی کی نہیں۔ ایک دوست ہیں جو آتے ہی سوالات کی بوچھاڑ شروع کر دیتے ہیں اور جب جواب دیا جائے تو سنتے نہیں۔

یہ سب میرے عنایت فرما اور خیر طلب ہیں مگر اپنی طبیعت کا کیا کروں۔ صاف صاف کہتا ہوں کہ ان میں سے ہر ایک سے کہہ سکتا ہوں:

مجھ پہ احساں جو نہ کرتے تو یہ احساں ہوتا

1-سوالات کے مختصر جوابات

(الف) چاندنی چوک میں فقیر کی تقریر کا لُبِ لُباب کیا تھا؟

جواب: بھائی مسلمانو! میں غریب الوطن ہوں، میرا کوئی دوست نہیں۔ ہائے میرا کوئی دوست نہیں۔ اے خدا کے بندو! میری سنو، میں غریب الوطن ہوں۔

(ب) مصنف پر اس فقیر نے کیا اثر کیا؟

جواب: مصنف اس عجیب نتیجے پر پہنچا کہ جسے وہ مصیبت خیال کرتا ہے، وہی اس کے حق میں نعمت ہے۔ وہ حسرت سے کہتا ہے کہ "میرا کوئی دوست نہیں۔ میں حسرت سے کہتا ہوں "میرے اتنے دوست ہیں"۔ اس کا کوئی دوست نہیں؟ اگر یہ سچ ہے، تو اُسے مبارک باد دینی چاہیئے۔

(ج) مصنف کو اپنے بے تکلف دوست بھڑ بھڑیا سے کیا شکایت ہے؟

جواب: مصنف کو یہ شکایت ہے کہ حضرت کی خِلقت میں داخل ہے کہ دو منٹ نچلا نہیں بیٹھا جاتا۔ جب آئیں گے، شور مچاتے ہوئے، چیزوں کو اُلٹ پلٹ کرتے ہوئے۔ غرض کہ ان کا آنا بھونچال کے آنے سے کم نہیں ہے۔

(د) محمد تحسین کی گفتگو کا محور کیا ہوتا ہے؟

جواب: ان کے پاس باتیں کرنے کے لیے سوائے اپنی بیوی بچوں کی بیماری کے اور کوئی مضمون ہی نہیں۔

2-سبق کے متن کو مد نظر رکھ کر درست جوابات کی نشاندہی کریں۔

(الف) آفت کا مارا فقیر کتنے بچوں کا باپ تھا؟

(الف) تین (ب) پانچ (ج) ✓ سات (د) نو

(ب) مصنف نے کس مصیبت کو فقیر کے لیے نعمت تصور کیا ہے؟

(الف) روٹی کی محتاجی (ب) ✓ دوست نہ ہونا (ج) غریب الوطنی (د) بھیک مانگنا

(ج) مصنف نے کس دوست کو بھڑ بھڑیا دوست کہا ہے؟

(الف) محمد تحسین کو (ب) ✓ احمد مرزا کو (ج) قرض خواہ دوست کو (د) مقدمے باز دوست کو

(د) شاکر صاحب مصنف کو لے گئے:

(الف) ✓ سلیم پور (ب) دِلی (ج) جے پور (د) شاہ پور

(ہ) مصنف کا دوست زیادہ بے تکلف اور شور مچانے والا ہے۔

(الف) ✓ احمد مرزا (ب) شاکر صاحب (ج) قرض خواہ دوست (د) محمد تحسین

(و) مصنف کے دوست انہیں راجہ صاحب سے ملوانے کہاں لے جانا چاہتے تھے؟

(الف) جام نگر (ب) ✓ احمد نگر (ج) الٰہ آباد (د) احمد آباد

(ز) مصنف جس کمرے میں ٹھہرائے گئے اس کی کھڑکی کھلتی تھی:

(الف) باغ میں (ب) چٹیل میدان کی طرف (ج) ✓ پائیں باغ میں (د) دریا کی سمت

3- متن کی روشنی میں درست لفظ چن کر خالی جگہ پُر کیجئے۔

(الف) چاندنی چوک میں صدا لگانے والا فقیر ——— تھا۔ (بھوکا، بیمار، ✓ غریب الوطن)

(ب) احمد مرزا کی فطرت ہے کہ وہ ———۔ (اپنی ہی تعریف کریں، ✓ نچلا نہ بیٹھیں، چڑچڑے پن کا مظاہرہ کریں)

(ج) مصنف کو لکھنے پڑھنے سے منع کرنے والے دوست کا نام ——— ہے۔ (احمد مرزا، محمد تحسین، ✓ شاکر خاں)

(د) احمد نگر کے رئیس کا نام ——— ہے۔ (شاکر خان، احمد علی، ✓ طالب علی)

(ہ) میرے ——— دوست کا نام شاکر خاں ہے۔ (✓ ادب پسند، مقدمے باز، شکاری)

4- سبق کے متن کو مد نظر رکھ کر درست یا غلط کی نشاندہی کریں۔

(الف)- چاندنی چوک میں ایک بدصورت فقیر صدا لگا رہا تھا۔ درست / غلط ✓

(ب)- فقیر کے پاس سب کچھ تھا، اُس کا کوئی دوست نہ تھا۔ درست / غلط ✓

(ج)- احمد مرزا کو مصنف نے "بھڑ بھڑیا" کا نام دیا ہے۔ ✓ درست / غلط

(د)- شاکر خاں کے ہاں سیاہی کی دوات خشک اور قلم بغیر نب کے تھا۔ ✓ درست / غلط

(ہ)- شاکر خاں کے بھائی کو موسیقی سے نفرت تھی۔ درست / غلط ✓

5- سیاق وسباق کے حوالے سے تشریح کریں۔

6- اس سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

7- مندرجہ ذیل تراکیب اور محاورات کو اپنے الفاظ میں استعمال کیجئے۔

الفاظ	جملے
لفظ بہ لفظ	عامر کو کتاب لفظ بہ لفظ یاد تھی۔
نحیف و نزار	بیماری کے دوران میرا دوست نحیف و نزار تھا۔
زندگی دوبھر ہونا	مہنگائی نے عوام کی زندگی دوبھر کر دی ہے۔
نچلا نہ بیٹھنا	حسن دو منٹ بھی نچلا نہیں بیٹھ سکتا۔
کلیجے پر پتھر رکھنا	ماں نے کلیجے پر پتھر رکھ کر بیٹے کو جنگ کے لئے روانہ کیا۔
شایان شان	یہ عہدہ آپ کے شایانِ شان نہیں ہے۔
ماتھا ٹھنکنا	میرا ماتھا ٹھنکا کہ دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔
رطب اللسان	زاہد اللہ کی ثنا میں رطب اللسان تھا۔

کثیر الانتخابی سوالات

درست جوابات کی نشاندہی کریں:

1- سجاد حیدر یلدرم کے جدِّ امجد وسط ایشیا سے آئے:

(الف) انگلستان (ب) ہندوستان (ج) ترکستان (د) تاجکستان

2- یلدرم یوپی کے ایک قصبے نٹھور ضلع ——— میں پیدا ہوئے:

(الف) بجنور (ب) اترپردیش (ج) کاندھلہ (د) مظفر گڑھ

3- سجاد حیدر یلدرم کا بچپن گزرا:

(الف) دہلی میں (ب) لکھنؤ میں (ج) بنارس میں (د) حیدر آباد میں

4- سجاد حیدر یلدرم نے بی اے کیا:

(الف) علی گڑھ سے (ب) ایم اے او کالج سے (ج) آکسفورڈ سے (د) بغداد سے

5- سجاد حیدر یلدرم نے ذاتی شوق سے زبان سیکھی:

(الف) فارسی (ب) انگریزی (ج) ترکی (د) پنجابی

6- سجاد حیدر یلدرم نے رجسٹرار کے طور پر کام کیا:

(الف) عثمانیہ یونیورسٹی میں (ب) کلکتہ یونیورسٹی میں (ج) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں (د) پنجاب یونیورسٹی میں

7- سجاد حیدر یلدرم پیدا ہوئے:

(الف) 1880ء میں (ب) 1883ء میں (ج) 1884ء میں (د) 1984ء میں

8- سجاد حیدر یلدرم نے وفات پائی:

(الف) 1940ء میں (ب) 1941ء میں (ج) 1942ء میں (د) 1943ء میں

9- کون سے صنف ان کی شہرت کا سبب بنی؟

(الف) ڈرامہ نگاری (ب) افسانہ نویسی (ج) مضمون نویسی (د) ناول نگاری

10- کون سی زبان سے تراجم اُن کی شہرت کا سبب بنے؟

(الف) فرانسیسی (ب) انگریزی (ج) ترکی (د) فارسی

11- سجاد حیدر یلدرم کے بیشتر خیالات و موضوعات کس ادب سے ماخوذ ہیں؟

(الف) ترکی ادب سے (ب) انگریزی ادب سے (ج) عربی ادب سے (د) پشتو ادب سے

12- سجاد حیدر یلدرم کے افسانوں کا مجموعہ ہے:

(الف) نیرنگ بیان (ب) خیالستان (ج) گلزار (د) زادِ راہ

13- فقیر لوگوں سے اپنی حالت زار بیان کرتا جا رہا تھا:

(الف) خوش اخلاقی سے (ب) موثر طریقے سے (ج) خوشی سے (د) غمی سے

14- اسپیچ دُہرائی جاتی تھی:

(الف) دو تین منٹ کے بعد (ب) چند منٹ کے بعد (ج) چار منٹ کے بعد (د) پانچ منٹ کے بعد

15- فقیر کی صورت مسخ کردی تھی:

(الف) غربت نے (ب) بیماری نے (ج) بدمعاشی اور بے حیائی نے (د) کمزوری نے

16- مصنف رشک کرتا ہے فقیر کی:

(الف) صورت پر (ب) صحت پر (ج) طاقت پر (د) آزادی پر

17- فقیر کے چہرے سے نمایاں تھی:

(الف) خوشی (ب) بشاشت (ج) رونق (د) تازگی

18- میں حسرت سے کہتا ہوں:

(الف) کاش میں صحت مند ہوتا (ب) میں عقلمند ہو (ج) میں تندرست ہوں (د) میرے اتنے دوست ہیں

19- میں اپنے مکان پر لکھنے جارہا ہوں:

(الف) مضمون (ب) ڈرامہ (ج) کہانی (د) غزل

20- اس کے احباب اسے دعوتوں اور جلسوں میں کھینچ کر نہیں لے جاتے:

(الف) ہر روز (ب) اکثر (ج) وقت بے وقت (د) کبھی کبھار

21- زندگی دوبھر ہوتی ہے:

(الف) دولت کے بغیر (ب) صحت کے بغیر (ج) دوستوں کے بغیر (د) خوشی کے بغیر

22- اگر دنیا میں کچھ کام کرنا ہے اور باتوں میں عمر نہیں گزارنی تو چھوڑنا پڑے گا:

(الف) آرام طلبی کو (ب) سہل پسندی کو (ج) عزیز دوستوں کو (د) رشتے داروں کو

23- میرے دوست ہیں:

(الف) مرزا احمد (ب) احمد مرزا (ج) مولانا صاحب (د) نذیر صاحب

24- میرے دوست احمد مرزا سے نچلا نہیں بیٹھا جاتا:

(الف) دو منٹ (ب) چند منٹ (ج) چار منٹ (د) پانچ منٹ

25- میرے دوست احمد مرزا کا آنا کم نہیں:

(الف) طوفان کے آنے سے (ب) زلزلے کے آنے سے (ج) بھونچال کے آنے سے (د) آفت کے آنے سے

26- میرے پڑھنے کا کمرا ہے:

(الف) چھت پر (ب) دوسری منزل پر (ج) تیسری منزل پر (د) چوتھی منزل پر

27- دروازہ اس زور سے کھولتے ہیں کہ گویا کوئی آ کے لگا:

(الف) پتھر (ب) گولا (ج) جھٹکا (د) مکا

28- میرے دوستوں میں ایک شخص ایسا ہے جو لقب سے پکارا جاتا ہے:

(الف) مضمون نگار کے (ب) ڈرامہ نگار کے (ج) شاعر کے (د) مصنف کے

29- مصنف کے دوسرے دوست کا نام ہے:

(الف) مرزا بیگ (ب) طلحہ بیگ (ج) مرزا ادیب (د) محمد تحسین

30-مصنف کے دوست کے پاس باتیں کرنے کے لیے سوائے اپنی بیوی بچوں کی بیماری کے اور کوئی:

(الف) بات نہیں (ب) موضوع نہیں (ج) مضمون نہیں (د) عنوان نہیں

31-اگر پالٹکس یا لٹریچر کے متعلق گفتگو شروع کرتا ہوں تو تحسین فوراً پیش کرتے ہیں:

(الف) بہانہ (ب) معذرت (ج) وجہ (د) تاویل

32-شاکر خان صاحب موضع سلیم پور کے رئیس اور ضلع بھر میں نہایت آدمی ہیں:

(الف) شریف (ب) مشہور (ج) معزز (د) کنجوس

33-امرا کے شایانِ شان ہے اہل علم کی تھوڑی سی:

(الف) عزت کرنا (ب) قدر کرنا (ج) گستاخی کرنا (د) خدمت کرنا

34-شہر میں رات دن رہتا ہے:

(الف) ہجوم (ب) ٹریفک (ج) شور و شغب (د) دھواں

35-کمرے کی کھڑکی کھلتی تھی:

(الف) پائیں باغ کی طرف (ب) میدان کی طرف (ج) آسمان کی طرف (د) گلی کی طرف

36-دو میل کے فاصلے پر ہے:

(الف) رام پور (ب) احمد نگر (ج) کرشن پور (د) سنگ نگر

37-مرغان خوش نوا کی تعریف میں رطب اللسان ہیں:

(الف) لوگ (ب) امرا (ج) شعرا (د) ادیب

38-شاکر خان صاحب کے چھوٹے بھائی کو بہت دخل تھا:

(الف) پڑھائی میں (ب) کھیل میں (ج) موسیقی میں (د) شکار میں

39-مصنف کا خزانہ اور گنجینہ تھا اُس کے:

(الف) کھیت (ب) مکانات (ج) خیالات (د) افکار

40-اپنے دن بھر کا کام دیکھتا ہوں:

(الف) دوپہر کے وقت (ب) شام کے وقت (ج) رات کے وقت (د) سونے کے وقت

41-مجھ پہ احساں جو نہ کرتے تو یہ ہوتا:

(الف) کرم (ب) لطف (ج) احساں (د) افسوس

42-افسانہ "مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ" لیا گیا ہے:

(الف) خیالستان سے (ب) زادِ راہ سے (ج) زندگی گلزار ہے سے (د) اندھیرے اُجالے سے

43-بدمعاشی اور بے حیائی نے صورت کر دی تھی:

(الف) خراب (ب) مسخ (ج) تلف (د) بگاڑ

44-میں سات بچوں کا باپ ہوں:

(الف) آفت کا مارا (ب) مصیبت زدہ (ج) بدحال (د) تہی دست

45-میں نے تعلیم پائی ہے اور فقیر ہے:

(الف)کاہل (ب)جاہل (ج)فاضل (د)فضول

46-فقیر کے چہرے سے نمایاں تھی:

(الف)حقارت (ب)بشاشت (ج)رقابت (د)محبت

47-میں حسرت سے کہتا ہوں میرے اتنے ہیں:

(الف)دشمن (ب)دوست (ج)رقیب (د)رفیق

48-محمد تحسین صاحب ہیں:

(الف)باتونی (ب)بال بچوں والے (ج)گھر والے (د)دوستی والے

49-شہر میں رات دن رہتا ہے:

(الف)شور غل (ب)شور وشغب (ج)ہنگامہ (د)ہیجان

50-شاکر صاحب کے بھائی نے موسیقی کی مشق فرمائی:

(الف)آدھ گھنٹہ (ب)پون گھنٹہ (ج)ایک گھنٹہ (د)ڈیڑھ گھنٹہ

51-مصنف مثل کس گھوڑے کے تھا:

(الف)ترکی (ب)عربی (ج)ایرانی (د)پاکستانی

52-مصنف نے دن بھر کا کام دیکھا تو کتنا تھا:

(الف)ایک صفحے سے زیادہ نہیں (ب)دو صفحات (ج)کئی دستے (د)کئی ابواب

53-شعر ار طب اللّسان ہیں کی تعریف میں:

(الف)مرغانِ خوش نوا کی (ب)ادباء کی (ج)فطرتی حسن کی (د)محبت ومحبوب

جوابات:

1-ب	2-الف	3-ج	4-الف	5-ج
6-ج	7-الف	8-د	9-ب	10-ج
11-الف	12-ب	13-ب	14-الف	15-ج
16-ب	17-ب	18-د	19-الف	20-ج
21-ج	22-ج	23-ب	24-الف	25-ج
26-الف	27-ب	28-الف	29-د	30-ج
31-ب	32-ج	33-ب	34-ج	35-الف
36-ب	37-ج	38-ج	39-ج	40-د

41-ج	42-الف	43-ب	44-الف	45-ب
46-ب	47-ب	48-ب	49-ب	50-الف
51-ب	52-الف	53-الف		

8 ۔ ملمّع

ہاجرہ مسرور

خلاصہ

ہاجرہ مسرور مشہور افسانہ نگار تھیں۔ان کے زیادہ تر افسانے خواتین کے مسائل اور چھوٹی بڑی معاشرتی الجھنوں اور طبقاتی فرق کی بنیاد پر اٹھنے والے مسائل پر مبنی ہیں۔افسانہ ملمع میں بھی انہوں نے اصلیت پر ملمع سازی کی الجھن کو موضوع بنایا ہے۔

اس سبق میں ایک لڑکی کی منافقت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا گیا ہے کہ وہ ریلوے کے ٹکٹ گھر کے سامنے سیاہ ریشمی برقعے میں حیران کھڑی تھی۔ رات کے ساڑھے گیارہ بج چکے تھے اور گاڑی آنے میں پندرہ منٹ باقی تھے۔ لیکن اس کے باوجود ٹکٹ گھر کی کھڑکیاں نہیں کھلی تھیں۔ارد گرد سیکڑوں آدمی لاشوں کی طرح پڑے تھے۔اس نے قلی سے ٹکٹ گھر نہ کھلنے کی وجہ پوچھی تو قلی نے اپنی دھندلی آنکھ سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ گاڑی ہمیشہ لیٹ آتی ہے۔لڑکی نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ میں کہاں بیٹھوں۔ قلی نے زمین پر بیٹھنے کو کہا تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا ریشمی برقع، خوبصورت چہرہ اور نفیس سامان قلی کی نظروں میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ یہ سوچ کر وہ گھبرا گئی۔ جلد ہی اس کا خیال اپنی موجودہ حالت کی طرف لوٹ آیا کہ میں کسی امیر گھر کی لڑکی معلوم ہوتی ہوں۔ قلی کے وہیں سامان رکھنے پر وہ غصے میں آگئی اور کہا میں یہاں نہیں بیٹھوں گی اسی دوران اندھیری سڑک سے ایک خوبصورت نوجوان بھاری اوور کوٹ پہنے اس کی طرف آرہا تھا۔نوجوان نے ایک نظر لڑکی پر ڈالی اور ٹکٹ گھر کے پیچھے نکل گیا۔لڑکی نے اپنے دل میں سوچا کہ کوئی امیر زادہ ہوگا۔ بھلا وہ تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لینے کیوں آئے گا۔اچانک وہی نوجوان پھر سامنے آیا اور قلی سے کہا۔ تم اسے عورتوں کے ویٹنگ روم میں کیوں نہیں لے جاتے ہو؟ لڑکی نے قلی سے کہا پھر اتنی دور سے ٹکٹ لینے کون آئے گا۔ لڑکے نے قلی سے پوچھا کہ ٹکٹ سیکنڈ کلاس کا چاہیے یا انٹر کلاس کا، یہ سن کر وہ سناٹے میں آگئی۔ایک عجیب احساس نے اسے بے چین کر دیا اور وہ لڑکے کے بارے میں سوچنے لگی کہ جو کچھ اس نے میرے پاس دیکھا ہے، یہی میری کل کائنات ہے۔اٹیچی کیس، ہولڈال، چرمی بٹوا اور برقع جو حقیقت میں اس کا نہیں ہے۔لڑکی چچا جان کی بیماری کا خط ملتے ہی امی جان کی باتوں کی پرواہ کیے بغیر بہادری سے اکیلی ہی گھر سے چل دی تھی۔ کھانسی کی آواز سے وہ چونکی جو کہ ایک بڑھیا کی تھی جو حلیہ سے عیسائی معلوم ہو رہی تھی۔

لڑکی نے دل میں سوچا کہ کاش اس کی جگہ کوئی نوجوان لڑکی ہوتی جو اس کی طرف رشک سے دیکھتی. قلی نے اندر آکر بتایا کہ ٹکٹ گھر کھل گیا ہے تو اس نے ڈرتے ڈرتے تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لیا کہ کہیں اسے وہ نوجوان لڑکا نہ دیکھ لے، جونہی گاڑی پلیٹ فارم پر آئی تو اس کی پہلی نظر اسی نوجوان پر پڑی۔ لڑکی جلدی سے زنانے ڈبے کے قریب پہنچ گئی۔اسے ہر طرف سے عورتوں کی کاوں کاوں، زیورات کی جھنکار کے ساتھ ساتھ مردوں کی ہدایات کی آوازیں آرہی تھیں۔ ہجوم کو چیر کر وہ دوبارہ پلیٹ فارم پر چلنے لگی اور سیکنڈ کلاس زنانہ ڈبے میں داخل ہو گئی۔اس کی نظروں کے سامنے میلے کچیلے برقعے غباروں کی طرح اڑ رہے تھے۔ لڑکی نے قلی کو اٹھنی دے کر رخصت کیا۔اس نے دیکھا کہ لڑکا اسے تاک رہا ہے۔ گاڑی نے اپنی منزل کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ ہر چیز اس کی نظروں سے پیچھے چھوٹ رہی تھی۔اس کے ڈبے میں ہر کوئی اپنے کام میں مصروف نظر آیا۔ لڑکی کو یہ فکر ستائے جا رہی تھی کہ کوئی اس کا ٹکٹ دیکھے تو اسے اس خیال سے پھریریاں آنے لگیں۔

آخر اس ملمع کا کیا فائدہ۔ دنیا میں امیر غریب سبھی لوگ ہوتے ہیں۔ بھلا نوجوان سے متاثر ہونے کی وجہ؟ جو یہی سوچ رہی تھی کہ گاڑی اسٹیشن پر رکی اور اس نے جلدی سے اپنا سامان پلیٹ فارم پر لڑھکا دیا۔ لڑکی اتری اور اس نے الوداعی نظر نوجوان پر ڈالی۔ وہ خوش تھی کہ اس نے مفلسی کو اس امیر نوجوان سے چھپا لیا۔ اتفاقاً وہ نوجوان بھی اسی پلیٹ فارم پر اتر گیا۔ اسے تھرڈ کلاس کا ٹکٹ ٹی ٹی کو دکھاتے ہوئے شرمندگی ہوئی، وہ تانگے پر بیٹھ کر رو دی کہ اس کا بھید کھل گیا تھا کہ اس نے تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لے کر انٹرزنانہ میں سفر کیا تھا۔ جب وہ چچا کے گھر پہنچی تو اس کا پُرجوش استقبال کیا گیا۔ اسے چائے کڑوی دوا معلوم ہوئی اور وہ دھوپ کھانے چھت پر چلی گئی۔ اس کے پیچھے اس کی چچازاد بہن بھی آ گئی۔ لڑکی نے پڑوس کے مکان میں دیکھا کہ کوئی چارپائی پر تہمند باندھے اوندھا پڑا ہے۔ اچانک اس نے کروٹ لی تو لڑکی نے دیکھا کہ وہی اسٹیشن کا امیر زادہ ہے۔ دونوں کی نظریں چار ہوئیں اور نوجوان نے کروٹ بدل لی۔ لڑکی نے اپنی چچازاد بہن سے دریافت کیا کہ اس مکان میں کون رہتا ہے۔ اس کی چچازاد بہن نے بتایا کہ ایک بیوہ رہتی ہے اور اس کا لڑکا شہر میں پڑھتا ہے۔ بڑی سیدھی عورت ہے ہمارے ہاں کے سارے کپڑے یہی سیتی ہے۔

لڑکی سورج کے رخ پر کھڑی برقعے کو گھور رہی تھی اور اس پر نہ صرف اپنی بلکہ اس امیر زادے کی حقیقت بھی آشکار ہو گئی تھی۔

مشق

1-سوالات کے مختصر جوابات

(الف) قلی نے لڑکی کو پلیٹ فارم پر بیٹھ جانے کے لیے کہا تو اس پر لڑکی نے کس رویے کا اظہار کیا؟

جواب: قلی نے لڑکی کو پلیٹ فارم پر بیٹھ جانے کے لیے کہا تو اس پر لڑکی نے ناگواری کا اظہار کیا۔

(ب) لڑکی سفر کیوں کر رہی تھی؟

جواب: لڑکی چچا جان کی بیماری کا سن کر ان کی مزاج پرسی کے لئے سفر کر رہی تھی۔

(ج) گھر والوں نے عقیل کو ساتھ لے جانے کا مشورہ دیا تو اس پر لڑکی نے کیا جواب دیا؟

جواب: گھر والوں نے عقیل کو ساتھ لے جانے کا مشورہ دیا تو لڑکی نے جواب دیا کہ میں کوئی لڈو پیڑا ہوں جو کوئی کھا لے گا اور عقیل کو دیکھ کر ڈر کے مارے اگل دے گا۔ آخر سلمیٰ اور رضیہ بھی تو لڑکیاں ہیں کیسے مزے میں تنہا سفر کرتی ہیں۔

(د) لڑکی اسٹیشن پہنچی تو اس نے سب سے پہلے کیا دیکھا؟

جواب: لڑکی اسٹیشن پر پہنچی تو اس نے دیکھا کہ ٹکٹ گھر کی کھڑکیاں بند ہیں اور سیکڑوں آدمی لاشوں کی طرح پڑے سو رہے ہیں۔

(ہ) لڑکی جس ڈبے میں سوار ہوئی، اس کا ماحول کیسا تھا؟

جواب: لڑکی کے ڈبے میں دو عورتیں رنگین لحافوں میں لپٹی ہوئی تھیں اور ارد گرد بھاری بکس اور پوٹلیاں اس طرح پھیلی ہوئی تھیں کہ کسی کے بیٹھنے کی جگہ نہ تھی۔ تیسری سیٹ پر کونے میں ایک عورت بچے کو دودھ پلا رہی تھی اور اس کے قریب دوسرا بچہ جو انتہائی کمزور تھا، پڑا ہوا تھا۔

2-سبق کے متن کو مدنظر رکھ کر درست جوابات کی نشاندہی کریں۔

(الف) سبق "ملمع" کے مآخذ کا نام کیا ہے؟

(الف) وہ لوگ (ب) ✓ سب افسانے میرے (ج) ہائے اللہ (د) چوری چھپے

(ب) جب لڑکی ریلوے اسٹیشن پہنچی تو گاڑی آنے میں دیر تھی:

(الف) ✓ پندرہ منٹ (ب) آدھا گھنٹہ (ج) ایک گھنٹہ (د) چند منٹ

(ج) سبق "ملّمع" اصناف ادب کے لحاظ سے کیا ہے؟

(الف) داستان (ب) ✓ افسانہ (ج) مضمون (د) ناول

(د) "ملّمع" کس کی تحریر ہے؟

(الف) خدیجہ مستور (ب) ✓ ہاجرہ مسرور (ج) سجاد حیدر یلدرم (د) اشرف صبوحی

(ہ) لڑکی نے قلی کو کتنی رقم دی؟

(الف) ✓ اٹھنّی (ب) ایک روپیا (ج) پانچ کا نوٹ (د) دس روپے

(و) لڑکی کے سفر کا مقصد تھا:

(الف) سیر سپاٹا (ب) ✓ بیمار چچا کی عیادت (ج) خالہ زاد بہن کی شادی میں شرکت (د) چھٹیاں گزارنا

(ز) لڑکی نے ریل کا سفر کس درجے میں کیا؟

(الف) ✓ انٹر (ب) اوّل (ج) دوم (د) اے سی

3- لڑکی پر امیر زادے کی اصلیت کیسے واضح ہوئی؟

جواب: لڑکی اپنے چچا کے گھر کی چھت پر ٹہل رہی تھی وہ سفر کے واقعات کو بھلا دینا چاہتی تھی۔ ٹہلتے ٹہلتے اس نے پڑوسن کے گھر جھانکا اور دیکھا کہ گوبر سے لپے پتے آنگن میں بانس کی کھری چارپائی پر کوئی تہ بند باندھے اوندھا لیٹا ہوا تھا۔ اچانک اس نے کروٹ بدلی۔ یہ تو وہی امیر زادہ تھا۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں اور لڑکے نے دوبارہ کروٹ بدل لی۔ اس طرح اس پر امیر زادے کی اصلیت واضح ہو گئی۔

4- سبق کے متن کو مد نظر رکھ کر درست یا غلط کی نشاندہی کریں۔

(الف)- "گاڑی ہمیشہ لیٹ رہتی ہے"۔ قلی نے کہا۔ ✓ درست / غلط

(ب)- لڑکی کو ماموں کی بیماری کا خط ملا تھا۔ درست / غلط ✓

(ج)- قلی ایک روپے کا سکہ پا کر خوش ہو گیا۔ درست / غلط ✓

(د)- چچا کے ہاں لڑکی کا استقبال خوشی سے کیا گیا۔ ✓ درست / غلط

5- اُردو میں اسم کی بلحاظِ جنس دو قسمیں ہیں، مذکر اور مونث۔ یعنی ہر اسم، چاہے وہ جاندار ہو یا بے جان، مذکر ہو گا یا مونث۔ اگرچہ ماہرینِ قواعد نے تزکیر و تانیث کے کچھ اصول بنائے ہیں لیکن عام طور پر تزکیر و تانیث اہلِ زبان کے بول چال ہی کے تابع ہوتے ہیں اور بے جان اسموں کی تذکیر و تانیث کے سلسلے میں بھی اہل زبان کی گفتگو ہی سند قرار پاتی ہے۔

مندرجہ ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کیجیے کہ ان کی تذکیر و تانیث واضح ہو جائے۔

برقع، قلی، سڑک، لالٹین، لب، پیشانی، فرض، سائنس، گدڑی

جوابات:

الفاظ	جملے
برقع	لڑکی نے ریشمی برقع پہن رکھا تھا۔
قلی	قلی نے آموں کا ٹوکرا اٹھایا۔
سڑک	سڑک بہت ویران تھی۔
لالٹین	بہت اندھیرا تھا اس لیے اس نے لالٹین جلادی۔
لب	ناز کی اس کے لب کی کیا کہیے۔
پیشانی	میری پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہوئے۔
فرض	اپنا فرض نیک نیتی سے ادا کرو۔
سائنس	میں موبائل کی ساری سائنس جانتا ہوں۔
گدڑی	فقیر نے پھٹی پرانی گدڑی پہن رکھی تھی۔

6-اس سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

7-سیاق وسباق کے حوالے سے نثر پاروں کی تشریح کریں۔

کثیر الانتخابی سوالات

درست جوابات کی نشاندہی کریں:

1-ہاجرہ مسرور پیدا ہوئیں:

(الف)لاہور میں (ب)دہلی میں (ج)لکھنؤ میں (د)کراچی میں

2-ہاجرہ مسرور کے والد کا نام تھا:

(الف)ڈاکٹر تہور علی خان (ب)ڈاکٹر عباد علی خان (ج)ڈاکٹر مصّور علی خان (د)ڈاکٹر بصارت علی خان

3-ہاجرہ مسرور ہجرت کر کے لاہور آ گئیں:

(الف)دہلی سے (ب)امرتسر سے (ج)لکھنؤ سے (د)اترپردیش سے

4-ہاجرہ مسرور کس کے ساتھ رسالہ نقوش کی ادارت میں شریک رہیں؟

(الف)احمد فراز (ب)احمد ندیم قاسمی (ج)ظفر علی قاسمی (د)حیدر علی آتش

5-ہاجرہ مسرور کے ڈراموں کے مجموعے کا نام ہے:

(الف)اندھیرے اجالے (ب)چوری چھپے (ج)تیسری منزل (د)وہ لوگ

6-"سب افسانے میرے" کب شائع ہوا:

(الف)1990ء (ب)1991ء (ج)1992ء (د)1993ء

7-کلیات "سب افسانے میرے" کہاں سے شائع ہوا؟

(الف)کراچی سے (ب)راولپنڈی سے (ج)لاہور سے (د)اسلام آباد سے

8-ہاجرہ مسرور کا انتقال ہوا:

(الف)15 ستمبر 2012ء (ب)15 نومبر 2012ء (ج)15 اکتوبر 2012ء (د)15 دسمبر 2012ء

9-گاڑی آنے میں کتنی دیر باقی تھی؟

(الف)20 منٹ (ب)25 منٹ (ج)15 منٹ (د)30 منٹ

10-امی جان نے کتنے روپے جوڑ کر رکھے تھے؟

(الف)دو روپے (ب)تین روپے (ج)پانچ روپے (د)دس روپے

11-امی نے لڑکی کو کہا کہ ——— کو ساتھ لے کر چلی جاؤ:

(الف)نبیل (ب)جمیل (ج)خلیل (د)عقیل

12-لڑکی نے ماں سے پوچھا کہ میں کیا کوئی ہوں جو کوئی کھالے گا:

(الف)جلیبی (ب)گلاب جامن (ج)لڈو پیڑا (د)برفی

13-لڑکی کے ہونٹوں پر ایک مطمئن مسکراہٹ لہرانے لگی:

(الف)گلابی (ب)عنابی (ج)نقرئی (د)لال

14-نوجوان کس کی جیبوں میں ہاتھ ٹھونسے کھڑا تھا؟

(الف)پینٹ کی (ب)جیکٹ کی (ج)اوور کوٹ کی (د)قمیض کی

15-تیسری عورت کے پاس موجود بچے کی عمر تھی:

(الف)دو سال (ب)تین سال (ج)چار سال (د)پانچ سال

16-لڑکی جب اسٹیشن پہنچی تو رات کے ——— بج چکے تھے:

(الف)گیارہ (ب)ساڑھے گیارہ (ج)بارہ (د)ساڑھے بارہ

17-لڑکی بجائے بیٹھنے کے ٹہلنے لگی:

(الف)مضطربانہ (ب)بے قرار (ج)پرسکون (د)بے چین

18-چچا جان کی بیماری کا خط ملا تھا:

(الف)صبح کو (ب)دوپہر کو (ج)سہ پہر کو (د)شام کو

19-مزدور کو ——— چاہیے:

(الف)معاوضہ (ب)اجرت (ج)مزدوری (د)کام

20-ڈبے پر عجیب طاری تھا:

(الف)خوف (ب)اضمحلال (ج)رنگ (د)اندھیرا

21-ایک چھوٹے اسٹیشن پر گاڑی کتنی دیر رکی؟

(الف)2منٹ (ب)5منٹ (ج)7منٹ (د)10منٹ

22-آخری اس سے کیا فائدہ، جو ذرا سی رگڑ سے اتر جائے:

(الف)بناؤ سنگھار (ب)ملمع (ج)بناوٹ (د)خوبصورتی

23-لڑکی بہت خوش تھی کہ اس نے اس امیر نوجوان سے چھپالیا تھا:

(الف)غصے کو (ب)پریشانی کو (ج)ملمع کو (د)مفلسی کو

24-لڑکی ایک لمحہ تک ——— کی حالت میں کھڑی رہی:

(الف)ششدر (ب)متعجب (ج)تذبذب (د)پریشانی

25-پھونس کے چھپر میں ایک ادھیڑ عمر کی عورت بیٹھی روٹیاں تھوپ رہی تھی:

(الف)مکئی کی (ب)باجرے کی (ج)بیسن کے (د)گندم کی

26-لڑکی نے اپنی چچازاد بہن کو کس نام سے پکارا؟

(الف)گڑیا (ب)بٹو (ج)چندا (د)مومو

27-ایک کھونٹی پر قیمتی اوور کوٹ جھول رہا تھا:

(الف)کمرے میں (ب)برآمدے میں (ج)چھپر میں (د)صحن میں

28-لڑکی سورج کے رخ پر کھڑی گھور رہی تھی:

(الف)لڑکے کو (ب)اوور کوٹ کو (ج)برقعے کو (د)بٹو کو

29-لڑکی کی نظریں بند کھڑکیوں سے سر ٹکرا ٹکرا کر گئیں:

(الف)اکتا (ب)بیزار (ج)تھک (د)بدل

30-یہ سوچ کر لڑکی کا دل لگا:

(الف)دھڑکنے (ب)بیٹھنے (ج)اٹھنے (د)دھک دھک

31-لڑکی کے کھلے ہوئے لب گئے:

(الف)سکڑ (ب)کھل (ج)سل (د)بدل

32-یہ کم بخت مرد ہر موقع پر ہیں:

(الف)آدھمکتے (ب)آجاتے (ج)بیٹھ جاتے (د)جیت جاتے

جوابات:

1-ج	2-الف	3-ج	4-ب	5-د
6-ب	7-ج	8-الف	9-ج	10-ب
11-د	12-ج	13-ب	14-ج	15-الف

16-ب	17-الف	18-ب	19-ج	20-ب
21-الف	22-ب	23-د	24-ج	25-ب
26-ب	27-ج	28-ج	29-الف	30-ب
31-الف	32-الف			

9 ۔ چغل خور

شفیع عقیل

خلاصہ

شفیع عقیل اُردو کے مشہور ادیب تھے۔اُن کا زیادہ تر کام لوک داستانوں پر مشتمل ہے۔ سبق "چغل خور" میں انہوں نے چغل خوری کی فتنہ پروری کو اُجاگر کیا ہے۔

پرانے زمانے کی بات ہے کہ کسی گاؤں میں ایک چغل خور رہتا تھا۔اس نے اپنی اس عادت سے جان چھڑانے کی بہت کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ چغل خوری کی ہی وجہ سے اسے ملازمت سے ہاتھ دھونے پڑے اور کسی بھی جگہ اسے نوکری یا مزدوری نہ ملی کیونکہ گاؤں کے لوگ اس کی بُری عادت سے واقف تھے۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر اس نے یہ گاؤں ہی چھوڑ دیا تاکہ کسی دوسرے گاؤں یا شہر میں جا کر محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالے۔

جب وہ دوسرے گاؤں پہنچا تو اُسے امید کی کرن نظر آئی کیونکہ یہاں پر اُسے کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہ ایک کسان کے پاس گیا اور اس سے نوکری کی درخواست کی۔ کسان کو بھی ملازم کی ضرورت تھی، کسان کے پوچھنے پر چغل خور نے بتایا کہ وہ روٹی اور کپڑے کے ساتھ چھ ماہ بعد اس کی ایک چغلی کھائے گا۔ کسان نے خوش ہو کر شرط قبول کر لی اور اسے ایک مفت کا ملازم مل گیا۔

چغل خور کو جب کسان کے ہاں ملازم ہوئے چھ ماہ گزر گئے تو اس کا دل چغلی کھانے کو چاہنے لگا۔ ایک روز وہ کسان کی بیوی کے پاس گیا اور بتایا کہ تمہارا خاوند کوڑھی ہو گیا ہے اور اگر یقین نہ آئے تو اس کے جسم کو چاٹ کر دیکھ لینا کیونکہ کوڑھی کا جسم نمکین ہوتا ہے۔ پھر وہ کسان کے پاس کھیتوں میں گیا اور کہا کہ تمہاری بیوی پاگل ہو گئی ہے اور آدمیوں کو کاٹتی پھرتی ہے اگر یقین نہ آئے تو کل جب کھانا لے کر آئے تو دیکھ لینا۔ پھر وہ کسان کے سالوں کے پاس پہنچا اور کہا کہ کسان تمہاری بہن کو بہت مارتا ہے، تمہاری بہن شرم کے مارے تمہیں بتاتی نہیں ہے۔ اگر خود آنکھوں سے دیکھنا ہو تو کل دوپہر کو کھیتوں میں آ کر دیکھ لینا۔ چغل خور وہاں سے سیدھا کسان کے بھائیوں کے پاس پہنچا اور کہا کہ تمہارا بھائی سخت مصیبت میں گرفتار ہے اس کے سالے ہر چوتھے روز آ کر اسے خوب مارتے ہیں اور یقین دلانے کے لیے کہا کہ کل دوپہر کو کھیتوں میں آ کر دیکھ لینا کہ کسان کے سالے اس سے کیسا سلوک کرتے ہیں۔ اس طرح چغل خور سب سے کہہ کر واپس اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

دوسرے روز دوپہر کو جب کسان کی بیوی کھانا لے کر کھیتوں میں آئی اور قریب ہو کر کسان کی کلائی پکڑی اور چاٹنے کے لیے منہ آگے بڑھایا کسان اچھل کر دور ہٹ گیا۔ کسان کی بیوی جونہی آگے بڑھنے لگی تو کسان کو یقین ہو گیا کہ یہ پاگل ہو گئی ہے اور کاٹتی پھرتی ہے۔ کسان نے جوتے سے پٹائی شروع کر دی۔ اسی دوران کھیت میں چھپے ہوئے کسان کے سالے باہر آئے اور کسان پر ٹوٹ پڑے۔ اسی منظر کو دیکھ کر دوسرے کھیت سے کسان کے بھائی برآمد ہوئے اور زوروں کی لڑائی شروع ہو گئی یہاں تک کہ سب خون میں نہا گئے۔ آخر کار ساتھ والے کھیتوں میں کام کرنے والے لوگ بھاگ کر آئے اور بیچ بچاؤ کر کے پوچھا کہ تم یوں ایک دوسرے سے کیوں لڑ رہے ہو تو سب نے اپنی اپنی بات بتا دی۔ معلوم ہوا کہ یہ سب چغل خور

کی وجہ سے ہوا ہے۔ چغل خور کو ڈھونڈا گیا لیکن چغل خور گاؤں چھوڑ کر جا چکا تھا۔ آج ہر چغل خور، چغل خور کہنے پر ناراض ہو جاتا ہے کیونکہ اسے ڈر ہے کہ اس نے یہ بات تسلیم کر لی تو کسان کے سالے اور بھائی اسے چھوڑیں گے نہیں۔

مشق

1-سوالات کے مختصر جوابات

(الف) کسان نے چغل خور کو کن شرائط پر ملازم رکھا؟

جواب: کسان نے چغل خور کو ان شرائط پر ملازم رکھا کہ چغل خور تنخواہ نہیں لے گا، صرف روٹی اور کپڑا لے گا اور چھ ماہ بعد وہ کسان کی چغلی کھائے گا۔

(ب) چغل خور نے کسان کی بیوی کو کیا کہہ کر بدگمان کیا؟

جواب: چغل خور نے کسان کی بیوی سے کہا کہ اس کا خاوند یعنی کسان کوڑھی ہو گیا ہے۔ اگر یقین نہ ہو تو چاٹ کر دیکھ لے کیوں کہ کوڑھی کا جسم نمکین ہوتا ہے۔

(ج) ہر چغل خور کس بات کو ماننے سے انکار کرتا ہے؟

جواب: ہر چغل خور یہ ماننے سے انکار کرتا ہے کہ وہ چغل خور ہے۔ ہر چغل خور، چغل خور کہنے پر ناراض ہو جاتا ہے۔

(د) چغل خور کو اپنی بُری عادت سے کیا نقصان اٹھانا پڑا؟

جواب: چغل خور کو اپنی بری عادت کی وجہ سے نوکری سے ہاتھ دھونے پڑے اور بعد میں کوئی اسے ملازم رکھنے پر تیار نہ ہوا آخر اسے اپنا گاؤں چھوڑ کر دوسرے گاؤں جانا پڑا۔

2-لوک کہانی کی مختصر تعریف کیجئے۔

جواب: لوک کہانی کسی معاشرے، تہذیب اور زبان کا قیمتی سرمایہ ہوتی ہے۔ ان کہانیوں کے مصنف کا کسی کو اتہ پتہ نہیں ہوتا۔ یہ کہانیاں سینہ بہ سینہ ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ ان کے ذریعے سے محبت ایثار، خلوص، دوستی اور بہادری جیسی صفات معاشرے میں پروان چڑھتی ہیں۔

3-سبق "چغل خور" کے متن کو سامنے رکھ کر درست جوابات کی نشاندہی کریں۔

(الف) سبق "چغل خور" مصنف کی کس کتاب سے ماخوذ ہے؟

(الف) ✓ پنجابی لوک داستانیں (ب) چینی لوک داستانیں (ج) پنجاب کی لوک کہانیاں (د) جاپانی لوک کہانیاں

(ب) چغل خور کہاں رہتا تھا؟

(الف) ✓ گاؤں (ب) قصبے (ج) شہر (د) بیرون ملک

(ج) اپنے گاؤں کو چھوڑ کر چغل خور کہاں پہنچا؟

(الف) ✓ دوسرے گاؤں (ب) شہر (ج) بڑے قصبے (د) دبئی

(د) چغل خور کون سا کام جانتا تھا؟

(الف) لکڑی کا (ب) معماری کا (ج) لوہے کا (د) ✓ کھیتی باڑی کا

(ہ) چغل خور نے روٹی کپڑے کے علاوہ تنخواہ کی بجائے کیا رعایت مانگی؟

(الف) ✓ چھ ماہ بعد ایک چغلی کھانے کی (ب) ہر عید پر دس چھٹیاں (ج) ایک سو روپے (د) دو سو روپے نقد اور ایک چغلی

(و) چغل خور نے کیا بتایا کہ کوڑھی کا جسم کیسا ہو جاتا ہے؟

(الف) ✓ نمکین (ب) میٹھا (ج) کھٹا (د) کڑوا

(ز) چغل خور اس لیے نہیں مانتا کہ وہ چغل خور ہے کہ:

(الف) اسے ملازمت نہیں ملتی (ب) وہ اسے جھوٹ سمجھتا ہے

(ج) ✓ کسان کے بھائیوں اور سالوں سے ڈرتا ہے (د) اسے اپنی بے عزتی سمجھتا ہے

(ح) چغل خور کو چغل خور کہیں تو وہ:

(الف) لڑ پڑتا ہے (ب) بھاگ جاتا ہے (ج) ✓ ناراض ہو جاتا ہے (د) شرمسار ہو جاتا ہے

4- سبق کے متن کو مدنظر رکھ کر درست یا غلط کی نشاندہی کریں۔

(الف)- چغل خور کھیتی باڑی کا کام جانتا تھا۔ ✓ درست / غلط

(ب)- چغل خور نے کسان کی بیوی کو بتایا کہ کسان کا جسم نمکین ہو گیا ہے۔ درست / غلط ✓

(ج)- چغل خور نے کسان سے کہا کہ تمہاری بیوی پاگل ہو گئی ہے۔ ✓ درست / غلط

(د)- کسان کے سالوں نے چغل خور کی چغلی کو جھوٹ جانا۔ ✓ درست / غلط

(ہ)- جب چغل خور کی اصلیت کھل گئی تو سب اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ ✓ درست / غلط

5- سبق کے متن کو مدنظر رکھیں اور قوسین میں دیے گئے الفاظ میں سے درست لفظ چن کر خالی جگہ پُر کیجئے۔

(الف) چغلی کھانا چغل خور کی _____ ہوتی ہے۔ (فطرت، ✓ عادت، جِبلّت)

(ب) چغل خور نے کسان کی بیوی کو بتایا کہ وہ _____ ہو گیا ہے۔ (باولا، ✓ کوڑھی، پاگل)

(ج) چغل خور نے کسان سے _____ بعد ایک چغلی کھانے کی اجازت مانگی۔ (ایک ماہ، ✓ چھے ماہ، نو ماہ)

(د) چغل خور کو چغل خور کہا جائے تو وہ _____۔ (لڑ پڑتا ہے، بھاگ جاتا ہے، ✓ ناراض ہو جاتا ہے)

(ہ) چغل خور کی چغل خوری کا نتیجہ _____ کی صورت میں نکلا۔ (طلاق، ✓ سر پھٹول، قتل و غارت)

6- اس سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

7- الفاظ کے جملے بنائیں۔

الفاظ	جملے
تلملانا	کسان کے سالے چغل خور کی بات سُن کر تلملانے لگے۔
ادھ موا	کسان اپنی بیوی کو مار مار کر ادھ موا کر دیتا ہے۔
ہلکان ہونا	چور پولیس کی مار کھا کھا کر ہلکان ہو گیا۔
کانوں کان خبر نہ ہونا	پاکستان کے ایٹمی قوت بننے کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔
شش و پنج میں مبتلا ہونا	چغل خور کی بات سن کر کسان شش و پنج میں مبتلا ہو گیا۔
در در کی خاک چھاننا	اسلم نے در در کی خاک چھانی لیکن نوکری نہ ملی۔

کثیر الانتخابی سوالات

درست جوابات کی نشاندہی کریں:

1- شفیع عقیل لاہور کے قریب گاؤں میں پیدا ہوئے:

(الف) قصور (ب) مرید کے (ج) تھینہ (د) شاہدرہ

2- شفیع عقیل کراچی چلے گئے عمر میں:

(الف) دس سال (ب) 15 سال (ج) بیس سال (د) 55 سال

3- شفیع عقیل مجید لاہوری کے رسالے سے وابستہ رہے:

(الف) نمک دان (ب) مخزن (ج) پھول (د) انصاف

4- شفیع عقیل کا زیادہ تر کام مشتمل ہے:

(الف) نظموں پر (ب) غزلوں پر (ج) نثر پر (د) لوک کہانیوں پر

5- چغل خور اپنی عادت سے تھا:

(الف) مجبور (ب) خوش (ج) ناخوش (د) اداس

6- کچھ دن تو چغل خور گزر بسر کرتا رہا:

(الف) بھیک مانگ کر (ب) جمع پونجی پر (ج) بھوکے رہ کر (د) ادھار لے کر

7- چغل خور نے دوسرے گاؤں ملازمت ڈھونڈلی:

(الف) وکیل کے پاس (ب) تاجر کے پاس (ج) کسان کے پاس (د) جج کے پاس

8- کسان کے پوچھنے پر چغل خور نے کیا تنخواہ بتائی؟

(الف) پانچ ہزار (ب) دس ہزار (ج) پندرہ ہزار (د) میری کوئی تنخواہ نہیں ہے

9- چغل خور کی چھ ماہ بعد ایک چغلی کی شرط اپنی جگہ پر تھی:

(الف) مضحکہ خیز (ب) بیہودہ (ج) عجیب (د) فضول

10- چغل خور نے چھ ماہ تک اپنی عادت پر کیے رکھا:

(الف) ظلم (ب) تشدد (ج) جبر (د) اکتفا

11- چغل خور کسان کی بیوی سے بڑے لہجے میں بولا:

(الف) عاجزانہ (ب) رازدارانہ (ج) منکسرانہ (د) فاتحانہ

12- چغل خور نے کسان کی بیوی سے کہا کہ کسان ہو گیا ہے:

(الف) کوڑھی (ب) معذور (ج) اندھا (د) رعشہ کا مریض

13- کسان کی بیوی نے تہیہ کیا کہ وہ کسان کے جسم کو دیکھے گی:

(الف) عینک لگا کر (ب) چاٹ کر (ج) دھو کر (د) چھو کر

14- چغل خور نے کسان کو بتایا کہ اس کی بیوی ہو گئی ہے:

(الف) اندھی (ب) پاگل (ج) کوڑھی (د) لنگڑی

15- کسان کے سالے چغل خور کی بات سن کر ہو گئے:

(الف) خوش (ب) پریشان (ج) آپے سے باہر (د) غصے سے تلملائے

16- کسان نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اپنی بیوی کی شروع کر دی:

(الف) ٹھکائی (ب) مرمت (ج) سرزنش (د) ڈانٹ ڈپٹ

17- جب راز کھلا تو سب مل کر تلاش کرنے لگے:

(الف) چغل خور کو (ب) کسان کو (ج) چور کو (د) ڈاکو کو

18- فصل پک چکی تھی اور کسان گھر نہیں گیا تھا:

(الف) ایک روز سے (ب) دو روز سے (ج) تین روز سے (د) چار روز سے

19- چغل خور نے کسان کو مبتلا دیکھا:

(الف) صدمے میں (ب) شش و پنج میں (ج) سوچ میں (د) حیرانی میں

20- چغل خور نے کسان سے کہا کہ اگر میری بات پر یقین نہیں تو دیکھ لینا:

(الف) آج (ب) کل (ج) پرسوں (د) ایک ہفتے بعد

21- چغل خور نے کسان کے سالوں سے کہا کہ تمہارا بہنوئی تمہاری بہن کو مار مار کر کر دیتا ہے:

(الف) بے ہوش (ب) ادھ موا (ج) بے عزت (د) اپاہج

22- کسان کی بیوی کھانا لے کر کھیتوں میں گئی:

(الف) صبح کو (ب) دوپہر کو (ج) شام کو (د) رات کو

23- کسان کے سالے اپنی بہن کی پٹائی کا سن کر:

(الف) آپے سے باہر ہو گئے (ب) پانی پانی ہو گئے (ج) تلملانے لگے (د) برافروختہ ہو گئے

24- چغل خور نے کسان کے بھائیوں کو منہ بنا کر جواب دیا:

(الف) روہانسا (ب) کھسیانا (ج) کشادہ (د) مسکراتا

25- چغل خور نے کسان کے بھائیوں کو بتایا کہ کسان کے سالے اسے آکر زدوکوب کرتے ہیں:

(الف)ہر روز (ب)ہر دوسرے دن (ج)ہر تیسرے دن (د)ہر چوتھے دن

26-کسان کے بھائیوں نے کہا کہ ہم دیکھ لیں گے اس کے سالے کیسے ہاتھ لگاتے ہیں کیونکہ ابھی ہم:

(الف)زندہ ہیں (ب)مرے نہیں (ج)بہادر ہیں (د)جوان ہیں

27-سبق چغل خور کے مصنف ہیں:

(الف)ہاجرہ مسرور (ب)شفیع عقیل (ج)اشرف صبوحی (د)سجاد حیدر یلدرم

28-شفیع عقیل کا سن ولادت ہے:

(الف)1926ء (ب)1927ء (ج)1928ء (د)1930ء

29-کسان نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، پاؤں سے جوتا اتار کر وہیں بیوی کی شروع کر دی:

(الف)ٹھکائی (ب)پٹائی (ج)بے عزتی (د)تذلیل

30-وہ لاٹھیاں چلیں کہ سب نہا گئے:

(الف)پانی میں (ب)پسینے میں (ج)خون میں (د)کیچڑ میں

31-بیوی روٹیوں کی چنگیری آگے بڑھانے کے بہانے سے قدرے آگے آئی:

(الف)سرک (ب)گھسٹ (ج)بڑھ (د)جھک

32-کسان نے بیوی پر جوتے شروع کیے:

(الف)برسانے (ب)مارنے (ج)پھینکنے (د)اٹھانے

33-کسان کے سالے یہ بات سن کر غصے میں لگے:

(الف)بولنے (ب)بھڑکنے (ج)تلملانے (د)ہچکچانے

34-چغل خور کو کسان کے ہاں ملازم ہوئے چھ ماہ چکے تھے:

(الف)گزر (ب)بیت (ج)لگ (د)ہو

35-چغل خور جمع پونجی پر کرتا رہا:

(الف)گزارہ (ب)گزر بسر (ج)فضول خرچی (د)عیاشی

36-کسان کی بیوی نے کسان کی کلائی پکڑ لی:

(الف)کود کر (ب)لپک کر (ج)اچھل کر (د)جھپٹ کر

جوابات:

1-ج	2-ج	3-الف	4-د	5-الف
6-ب	7-ج	8-د	9-ج	10-ج
11-ب	12-الف	13-ب	14-ب	15-ب

16-الف	17-الف	18-ب	19-ب	20-ب
21-ب	22-ب	23-ج	24-الف	25-د
26-ب	27-ب	28-د	29-الف	30-ج
31-الف	32-الف	33-ج	34-ب	35-ب
36-د				

10 ۔ نام دیو مالی

مولوی عبدالحق

خلاصہ

بابائے اُردو مولوی عبدالحق اُردو زبان وادب کے محسن، محقّق، نقاد اور عمدہ انشاپرداز تھے۔ سبق "نام دیو مالی" میں انہوں نے مالی، نام دیو کے شخصی خصائل کا خاکہ کھینچا ہے۔

نام دیو، مقبرہ رابعہ دورانی اورنگ آباد (دکن) کے باغ میں مالی تھا۔ کم ذات ہونے کے باوجود ایک اچھے انسان کی تمام خوبیوں سے آراستہ تھا۔ اسے اپنے پیشے سے بے حد لگاؤ تھا۔ کام میں مصروفیت کے وقت اسے تن، من اور دھن کی کچھ خبر نہ ہوتی۔ اپنے پودوں کو اپنی اولاد خیال کرتا اور جب بھی دیکھو انہی کی تراش خراش میں مصروف نظر آتا۔ اگر کسی وجہ سے کسی پودے کو کچھ ہو جاتا تو اس کی جان پر بن جاتی۔ جب تک مسئلہ حل نہ ہو جاتا وہ چین سے نہ بیٹھتا۔ اس کا کام باغبانی تھا اور اسے باغ باغیچوں میں رہ رہ کر جڑی بوٹیوں کی خاصی پہچان ہو گئی تھی اور وہ اپنی اس مہارت کو لوگوں، بالخصوص بچوں کے علاج میں استعمال کرتا مگر اس کو اس نے اپنی آمدن کا ذریعہ کبھی نہ بنایا۔ صفائی ستھرائی کا تو وہ خوگر تھا۔ وہ نہ صرف ذاتی صفائی رکھتا بلکہ اپنے باغ کو بھی صاف وشفاف رکھتا۔ اس کی پوری خواہش اور کوشش ہوتی کہ اس کا چمن جھاڑ جھنکار سے پاک رہے۔ پودوں کے تھانولے درست اور صاف رہیں۔ اپنی اس کوشش میں وہ پورے طور پر کامیاب رہتا۔ اسی لیے اسے کبھی سخت سست کہنے کی ضرورت نہ پڑی۔ جب خشک سالی کا دور دورہ تھا، باغ باغیچے پانی نہ ملنے کے باعث سوکھ چکے تھے، تب بھی نام دیو کا گلشن ہرا بھرا تھا۔ اس نے اپنا دن رات کا آرام وسکون چھوڑ کر بھی اپنے چمن کو فراہمی آب جاری رکھی۔ اس کی یہ بے مثال کار گزاری بغیر کسی انعام کے لالچ اور صلے کی تمنا کے تھی۔ یہی کام سے محبت تھی کہ جس وجہ سے اس کا گلشن ایک خوبصورت سیر گاہ میں بدل چکا تھا۔ بلاشبہ نام دیو ایک غریب آدمی تھا مگر وہ وسائل کا غریب تھا، دل کا غریب نہیں تھا۔ وہ اپنے محدود وسائل میں رہ کر بھی اپنے غریب بھائی بندوں کی مدد کرتا اور ہر کسی سے خوش دلی سے ملتا۔ اس کا چہرہ ہمیشہ مسکراہٹ سے سرشار رہتا۔ وہ غرور، تعصب اور رقابت جیسے جذبات سے عاری تھا۔ اُس کی تمام تر پسند وناپسند اس کے کام تک محدود تھی۔ جب اعلیٰ حضرت نے ایک اور باغ کی ذمہ داری نواب سراج یار بہادر کے سپرد کی جو کہ باغبانی کا بہت اعلیٰ ذوق رکھتے تھے اور ان ہی کی وجہ سے سنسان مقبرہ اور بنجر باغ سرسبز و شاداب نظر آنے لگا۔ نواب صاحب نام دیو کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور اسی وجہ سے نام دیو کو شاہی باغ میں لے گئے۔ شاہی باغ کو خوبصورت اور روح پرور مقام بنانے کے لیے بڑی دور دور سے تعلیم یافتہ مالی بلائے گئے لیکن نام دیو ان سب سے مختلف تھا۔ وہ پڑھا لکھا تو نہیں تھا لیکن کام سے لگاؤ اور سچی محبت کی وجہ سے اس کا کام سب سے اچھا ہوتا تھا۔ ایک بار وہ عالمِ محویت میں مصروف کار تھا کہ نجانے شہد کی مکھیوں کا ایک غضبناک غول کہاں سے آیا اور اس کے لئے پیغام اجل بن گیا۔ یوں دوسروں میں مسرتیں تقسیم کرنے والا اور ان کو مسائل کی دلدل سے نکالنے والا خود موت کی دلدل میں اتر گیا۔

مشق

1-سوالات کے مختصر جوابات

(الف) نام دیو نے پانی کی قلت کے زمانے میں چمن کو کیسے شاداب رکھا؟

جواب: وہ دور دور سے ایک ایک گھڑا پانی کا سر پر اٹھا کر لاتا اور پودوں کو سینچتا۔ یہ وہ وقت تھا کہ قحط نے لوگوں کے اوسان خطا کر رکھے تھے اور انہیں پینے کو پانی مشکل سے میسر آتا تھا مگر یہ خدا کا بندہ کہیں نہ کہیں سے لے ہی آتا اور اپنے پودوں کی پیاس بجھاتا۔ جب پانی کی قلت اور بڑھی تو اس نے راتوں کو بھی پانی ڈھوڈھو کے لانا شروع کیا۔ پانی کیا تھا، یوں سمجھئے کہ آدھا پانی اور آدھی کیچڑ ہوتی تھی لیکن یہی گدلا پانی پودوں کے حق میں آبِ حیات تھا۔

(ب) نام دیو مالی نے انعام لینے سے کیوں انکار کیا؟

جواب: اس کا کہنا تھا کہ بچوں کے پالنے پوسنے میں کوئی انعام کا مستحق نہیں ہوتا۔ کیسی ہی تنگی ترشی ہو وہ تو ہر حال میں کرنا ہی پڑتا ہے۔

(ج) لوگ بچوں کے علاج کے لیے نام دیو کے پاس کیوں آتے تھے؟

جواب: باغوں میں رہتے رہتے اسے جڑی بوٹیوں کی بھی شناخت ہو گئی تھی۔ خاص کر بچوں کے علاج میں اسے بڑی مہارت تھی۔ دور دور سے لوگ اس کے پاس بچوں کے علاج کے لیے آتے تھے۔

(د) نام دیو کی موت کا سبب کیا تھا؟

جواب: مکھیوں کا غضب ناک جھلڑ اس غریب پر ٹوٹ پڑا۔ اتنا کاٹا اتنا کاٹا کہ بے دم ہو گیا۔ آخر اسی میں جان دے دی۔

(ہ) مصنف کے خیال میں اچھا انسان کیسے بنا جا سکتا ہے؟

جواب: ہر شخص میں قدرت نے کوئی نہ کوئی صلاحیت رکھی ہے۔ اس صلاحیت کو درجہ کمال تک پہنچانے میں ساری نیکی اور بڑائی ہے۔ درجہ کمال تک نہ کبھی کوئی پہنچا ہے، نہ پہنچ سکتا ہے لیکن وہاں تک پہنچنے کی کوشش ہی میں انسان، انسان بنتا ہے۔

(و) نام دیو مالی کے اوصاف میں سب سے نمایاں وصف کیا ہے؟

جواب: اپنے کام سے محبت اور لگاؤ۔

2- سبق کے متن کو مدِ نظر رکھ کر درست جوابات کی نشاندہی کریں۔

(الف) سبق "نام دیو" کس کتاب سے لیا گیا ہے؟

(الف) ✓ چند ہم عصر (ب) مقدماتِ عبدالحق (ج) خطباتِ عبدالحق (د) بزمِ خوش نفساں

(ب) مقبرہ رابعہ دورانی کہاں واقع ہے؟

(الف) دِلّی میں (ب) ✓ اورنگ آباد میں (ج) حیدر آباد میں (د) الہ آباد میں

(ج) باغ کے داروغہ کون تھے؟

(الف) سید سراج الحسن (ب) مولوی عبدالحق (ج) ✓ عبدالرحیم فینسی (د) ایوب عباسی

(د) نام دیو بڑی تندہی سے اپنے کام میں مصروف اور مگن رہتا تھا، اس کی وجہ تھی:

(الف) تنخواہ کا لالچ (ب) افسران کی خوشی (ج) بے عزتی کا خوف (د) ✓ اپنے کام سے محبت

(ہ) مصنف نے کس چیز کو بیگار کہا ہے؟

(الف) جبری مشقت (ب) ✓ بے مزہ کام (ج) محض حکم کی تعمیل (د) ڈر کر کام کرنے کو

(و) مصنف نے انسان کو فطری کمزوری کی بنا پر اسے کہا ہے۔

(الف) کاہل اور نکما (ب) نکما اور کام چور (ج) ✓ کاہل اور کام چور (د) دلیر مگر سست

(ز) گدلا پانی پودوں کے لئے تھا۔

(الف) ضرر رساں (ب) بے سود (ج) مفید (د) ✓ آب حیات

(ح) درجہ کمال تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے۔

(الف) ✓ جدوجہد (ب) صلاحیت (ج) خوش بختی (د) وسائل کا ہونا

(ط) ڈاکٹر سراج الحسن کی ایک خوبی یہ تھی کہ وہ تھے۔

(الف) نباض (ب) فیاض (ج) ✓ مردم شناس (د) خوش مزاج

3- سبق "نام دیومالی" کا متن مد نظر رکھ کر درست یا غلط پر نشان لگائیں۔

الف- سچائی، نیکی اور حسن کسی کی میراث نہیں۔ ✓ درست / غلط

ب- نام دیو پھولوں اور پھلوں کی شناخت رکھتا تھا۔ درست / غلط ✓

ج- نام دیومالی دو بچوں کا باپ تھا۔ درست / غلط ✓

د- درجہ کمال تک پہنچنے کی کوشش سے ہر کوئی درجہ کمال تک پہنچ سکتا ہے۔ درست / غلط ✓

ہ- نام دیومالی مقبرہ رابعہ دورانی کے باغ میں چوکیدار تھا۔ درست / غلط ✓

و- بے مزہ کام نہیں، بیگار ہے۔ ✓ درست / غلط

ز- نام دیومالی بچوں کے علاج میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ درست / غلط ✓

ح- باغ کے داروغہ کو دوسروں سے کام لینا نہیں آتا تھا۔ درست / غلط ✓

ط- نام دیومالی شہد کی مکھیوں کے کاٹنے سے فوت ہو گیا۔ ✓ درست / غلط

4- سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

5- نام دیومالی کی زندگی سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

جواب: نام دیومالی کی زندگی سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ ہمیں اپنے کام سے سچا عشق ہونا چاہیے، سادگی، عاجزی اور دوسروں کی مدد کے اوصاف اپنانے چاہیں۔ انسان ذات کا بڑا ہو یا چھوٹا اگر اُس کی زندگی میں یہ اوصاف ہیں تو وہ عظیم آدمی ہے۔

6- درج ذیل الفاظ کے معنی لکھیے اور جملوں میں اس طرح استعمال کیجئے کہ تذکیر و تانیث واضح ہو جائے (ذو معنی)۔

ہار، قلم، کان، اردو، کف، لگن

جواب:

الفاظ **جملے**

ہار	آپ کی جیت اس کی ہار ہے۔/ وہ میرے گلے کا ہار ہے۔
قلم	میرے قلم سے لکھیں۔/ یہ آم کی قلم ہے۔
کان	میرے کان میں درد ہے۔/ یہ ہیرے کی کان ہے۔
اردو	ترک فوج کا اردو لڑنے کو تیار تھا۔/ اردو زبان بڑی زبان ہے۔
کف	سمندر میں بہت کف اڑ رہا تھا۔/ یہ اس کے کفِ افسوس ملنے کا وقت تھا۔
لگن	اچھے کام کی لگن نیک بختی کی علامت ہے۔/ لگن میں کھانے کی چیز پیش کی گئی۔

7-درج ذیل محاورات اور الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجئے۔

آفت ٹوٹ پڑنا، اوسان خطا ہونا، تفویض، محظوظ، مہا کاج۔ یورش۔ بشاشت۔ بے دم ہونا۔ سیوا۔

جواب:

الفاظ	جملے
آفت ٹوٹ پڑنا	قحط میں باغ پر آفت ٹوٹ پڑی۔
اوسان خطا ہونا	شیر دیکھتے ہی اسد کے اوسان خطا ہو گئے۔
تفویض	اسے گھر کی حفاظت کا کام تفویض کیا گیا ہے۔
محظوظ	وہ لطیفہ سن کر محظوظ ہوا۔
مہا کاج	آپ کا کج مہا کاج۔
یورش	شہد کی مکھیوں کی یورش ہوئی۔
بشاشت	بیماری میں چہرے پر بشاشت نظر نہیں آتی۔
بے دم ہونا	مکھیوں نے نام دیو کو اتنا کاٹا کہ وہ بے دم ہو گیا۔
سیوا	نام دیو نے پودوں کی سیوا کی۔

8-درج ذیل الفاظ کے متضاد لکھیے۔

الفاظ	متضاد
مصنوعی	حقیقی
توانا	ناتواں
تندرست	بیمار
توقیر	تحقیر
محبت	نفرت
تریاق	زہر
رہبر	رہزن

کثیر الانتخابی سوالات

درست جوابات کی نشاندہی کریں:

1- سبق "نام دیومالی" کے مصنف ہیں:

(الف) الطاف حسین حالیؔ (ب) سر سید احمد خان (ج) مولوی عبدالحق (د) امتیاز علی تاج

2- سبق "نام دیومالی" لیا گیا ہے:

(الف) زندگی (ب) چند ہم عصر (ج) سرِ راہے (د) آب حیات

3- مقبرہ رابعہ دورانی اورنگ آباد (دکن) کے باغ کا مالی تھا:

(الف) للو (ب) جن دیو (ج) گل نواز (د) نام دیو

4- چمن، بنگلے کے واقع تھا:

(الف) عقب میں (ب) سامنے (ج) دائیں (د) بائیں

5- مصنف لکھتے لکھتے نظر اٹھا کر دیکھتا تو نام دیو کو پاتا:

(الف) کام کرتا ہوا (ب) ہمہ تن مصروف (ج) سویا ہوا (د) حقہ پیتا ہوا

6- نام دیومالی کی اولاد تھی:

(الف) بہت زیادہ (ب) کوئی نہیں (ج) ایک بچہ (د) تین بچے

7- نام دیو علاج میں مہارت رکھتا تھا:

(الف) بچوں کے (ب) بوڑھوں کے (ج) عورتوں کے (د) مردوں کے

8- نام دیو بچوں کا علاج کرتا تھا:

(الف) بہت رقم لے کر (ب) دس روپے فی بچہ (ج) مفت (د) ایک ہزار روپیہ فی بچہ

9- عبدالرحیم خان فینسی کی باغ میں ذمہ داری تھی:

(الف) منشی کی (ب) مالی کے (ج) داروغہ کی (د) چوکیدار کی

10- باغ پر آفت ٹوٹ پڑنے کی وجہ تھی:

(الف) بارش کی کمی (ب) بارش کی زیادتی (ج) سیلاب کا آنا (د) آندھی کا آنا

11- گدلا پانی پودوں کے حق میں ثابت ہوا:

(الف) زہر قاتل (ب) آب حیات (ج) نقصان دہ (د) مفید

12- جب مصنف نے انعام دینا چاہا تو نام دیو کا ردعمل تھا:

(الف) اضافے کا تقاضا (ب) کم ہونے کی شکایت (ج) انکار کر دیا (د) فوراً لے لیا

13- نام دیومالی کی موت کا سبب بنا:

(الف) کام کی زیادتی (ب) زہریلا پانی (ج) قاتلانہ حملہ (د) شہد کی مکھیاں

14- نام دیومالی کی ذات تھی:

(الف)شودر (ب)ڈھیڑ (ج)شیخ (د)برہمن

15-بے مزہ کام، کام نہیں بلکہ ہوتا ہے:

(الف)جبر (ب)بیگار (ج)مشقت (د)مصیبت

16-ڈھیڑ ذات کیسی خیال کی جاتی ہے:

(الف)بلند (ب)نیچ (ج)باعزت (د)کمتر

17-نڈھال اور مرجھائے ہوئے پودے بیمار کی طرح تھے:

(الف)دل کے (ب)دماغ کے (ج)دق کے (د)جگر کے

18-قحط نے لوگوں کے خطا کر رکھے تھے:

(الف)ہوش (ب)فہم وفراست (ج)عقل (د)اوسان

19-مقبرہ رابعہ درانی کا باغ کس کی بدولت سرسبز وشاداب تھا:

(الف)نام دیومالی کی بدولت (ب)عبدالرحیم خان فینسی کی بدولت (ج)ڈاکٹر صاحب کی بدولت (د)خود بخود

20-نام دیومالی نے باغبانی کی تعلیم حاصل کی تھی:

(الف)امریکہ سے (ب)جاپان سے (ج)اپنے ملک سے (د)کہیں سے بھی نہیں

21-ڈاکٹر سید سراج الحسن کون تھے؟

(الف)اُستاد (ب)ناظم تعلیمات (ج)چوکیدار (د)کلرک

22-دوسرے مالی شراب پیتے تھے:

(الف)انگوری (ب)میٹھی (ج)سیندھی (د)تازہ

23-کوئی انعام کا مستحق نہیں ہوتا:

(الف)اپنے بچوں کے پالنے میں (ب)اپنا کام کرنے میں (ج)اپنی ڈیوٹی ادا کرنے میں (د)دوست کا کام کرنے میں

24-نام دیومالی ہر ایک سے ملتا:

(الف)اکڑ کر (ب)جھک کر (ج)اچھے انداز سے (د)برے انداز سے

25-قوموں کا امتیاز کیسا ہے؟

(الف)حقیقی (ب)مصنوعی (ج)بنیادی (د)ضروری

26-نام دیومالی پودوں اور پیڑوں کو سمجھتا تھا؟

(الف)دوست (ب)اولاد (ج)رشتہ دار (د)بھائی

27-نام دیومالی پودوں کے لیے دوائی لاتا:

(الف)بازار سے (ب)پڑوسیوں سے (ج)حکیموں سے (د)مالیوں سے

28-نام دیومالی علاج کرتا تھا:

(الف)دواؤں سے (ب)دعاؤں سے (ج)جڑی بوٹیوں سے (د)دم ودرود سے

29-چمن کس چیز کی طرح صاف رہتا تھا؟

(الف)آئینے کی طرح (ب)رسوئی کے چوکے کی طرح (ج)فرش کی طرح (د)شیشے کی طرح

30-لوگوں کے اوسان کس چیز نے خطا کیے؟

(الف)سیلاب نے (ب)آندھی نے (ج)مہنگائی نے (د)قحط نے

31-آرام طلبی ہم میں کیسی ہو گئی ہے؟

(الف)ذاتی (ب)معاشرتی (ج)موروثی (د)سماجی

32-نام دیومالی کا پیشہ کیا تھا؟

(الف)خاکروب (ب)دیسی حکیم (ج)داروغہ (د)مالی

33-"قیس ہو، کوہ کن ہو یا حالیؔ عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں" شعر ہے:

(الف)علامہ اقبالؔ کا (ب)غالبؔ کا (ج)الطاف حسین حالیؔ کا (د)میر تقی میرؔ کا

34-رابعہ دورانی کے مقبرے کا باغ نگرانی میں تھا:

(الف)مولوی عبدالحق کی (ب)افضل حق کی (ج)سر سید احمد خان کی (د)الطاف حسین کی

35-مصنف کو نام دیومالی کی حرکتیں دیکھ کر ہوتا:

(الف)تعجب (ب)تامل (ج)غصہ (د)ہنسنا

36-نام دیومالی کو جڑی بوٹیوں کی شناخت کیسے ہوئی؟

(الف)باپ نے پہچان کرائی (ب)جڑی بوٹیوں کا مطالعہ کرنے سے (ج)باغ میں رہتے رہتے (د)اللہ نے عطا کی

37-"نام دیومالی" باغ کی صفائی کرتا تھا؟

(الف)ہفتہ میں ایک بار (ب)سہ پہر کے وقت (ج)صبح و شام (د)مہینے میں ایک دفعہ

38-نام دیومالی کی تنخواہ تھی:

(الف)بہت کم (ب)بہت زیادہ (ج)مناسب (د)تنخواہ تھی ہی نہیں

39-مولوی عبدالحق کا سن ولادت ہے:

(الف)1868ء (ب)1870ء (ج)1872ء (د)1878ء

40-مولوی عبدالحق کا سن وفات ہے:

(الف)1961ء (ب)1962ء (ج)1963ء (د)1964ء

41-نام دیومالی کے چہرے پر رہتی تھی:

(الف)مسکراہٹ (ب)بشاشت (ج)سلوٹ (د)زردی

42-کیا معلوم تھا کہ قضا اس کے سر پر رہی ہے:

(الف)کھیل (ب)منڈلا (ج)پھڑک (د)موجود

43-یہاں بھی نام دیو کا وہی تھا:

(الف)رنگ (ب)انگ (ج)ملنگ (د)نہنگ

44-باغ پر ٹوٹ پڑی:

(الف)مصیبت (ب)آفت (ج)قیامت (د)راحت

جوابات:

1-ج	2-ب	3-د	4-ب	5-ب
6-ب	7-الف	8-ج	9-ج	10-الف
11-ب	12-ج	13-د	14-ب	15-ب
16-ب	17-ج	18-د	19-ج	20-د
21-ب	22-ج	23-الف	24-ب	25-ب
26-ب	27-الف	28-ج	29-ب	30-د
31-ج	32-د	33-ج	34-الف	35-الف
36-ج	37-ج	38-الف	39-ج	40-الف
41-ب	42-الف	43-الف	44-ب	

11 ۔ علی بخش

قدرت اللہ شہاب

خلاصہ

قدرت اللہ شہاب مشہور بیوروکریٹ تھے۔ان کی خودنوشت "شہاب نامہ" نے عوام وخواص میں بہت مقبولیت حاصل کی۔ سبق "علی بخش" اسی کتاب سے لیا گیا ہے جس میں مصنف نے علامہ اقبال کے ملازم علی بخش کے حوالے سے اپنی محدود رفاقت کا احوال بیان کیا ہے۔اپنی خودنوشت کے اس اقتباس میں وہ لکھتے ہیں کہ ایک روز میں کسی کام سے لاہور گیا ہوا تھا وہاں بیرسٹر عبدالرحیم سے ملاقات میں پتا چلا کہ اقبال کے ملازم علی بخش کو لائل پور میں حکومت نے ایک مربع زمین عطا کی ہے لیکن قبضہ نہیں مل رہا۔اس سلسلے میں مجھے اس کی مدد کرنی چاہیے۔خواجہ عبدالرحیم نے مجھے جاوید منزل میں علی بخش سے ملوایا وہ جاوید اقبال کی دیکھ بھال کے باعث نہیں جانا چاہتا تھا لیکن خواجہ صاحب کے اصرار پر وہ راضی ہو گیا۔ میں اسے اپنی گاڑی میں بٹھا کر روانہ ہو گیا۔ میں نے علامہ اقبال کی بات نہ چھیڑی تو علی بخش خود ہی کہنے لگا اقبال کے بقول سینما کے سامنے جتنا ہجوم ہے اتنا مسجدوں کے سامنے دکھائی نہیں دیتا۔وہ پان نہیں کھاتے تھے۔حقہ پسند کرتے تھے۔ سیخ کباب، پلاؤ اور آم پسند کرتے تھے۔ڈاکٹر صاحب نے آخری دن علی الصبح فروٹ سالٹ پیا اور پانچ بج کر دس منٹ پر فوت ہو گئے۔ علی بخش کو اقبال کے شعر یاد نہیں تھے۔ڈاکٹر صاحب اپنی نظم کبھی" اے حقیقتِ منتظر "گنگنایا کرتے تھے۔رات دو ڈھائی بجے وضو کر کے نوافل ادا کرتے۔ کبھی کبھی رات کو سوتے وقت انہیں ایک جھٹکا سا لگتا۔ میں ان کے کمرے کے قریب سوتا تھا۔ میں اٹھ کر ان کی گردن کی پچھلی رگوں اور پٹھوں کو دباتا تو وہ ٹھیک ہو جاتے۔ان کے گھر کا حساب کتاب میرے پاس تھا۔وہ درویش آدمی تھے۔اگر کبھی میں سفر میں بھوکا رہتا تو وہ ناراض ہوتے۔لائل پور میں ملنے والے مربع کے سلسلے میں یہاں کے ڈپٹی کمشنر اور دوسرے افسران سے ملتا ہوں تو بڑا احترام دیتے ہیں۔سب علامہ اقبال کی بدولت ہے۔اپریل میں جاوید ولایت سے آئے گا۔جب والدہ کا انتقال ہوا تو جاوید اور منیرا کمسن تھے۔ جرمن لیڈی ڈورس احمد ان کی اتالیق مقرر ہوئی۔ جھنگ پہنچ کر میں نے اسے ایک رات اپنے پاس رکھا اور صبح اپنے فرض شناس افسر مہابت خاں کے سپرد کیا جس نے کہا کہ اگر ہم یہ معمولی سا کام نہ کر سکیں تو ہم پر لعنت ہو۔

مشق

1-سوالات کے مختصر جوابات

(الف) علی بخش سے مصنف کی کیسے ملاقات ہوئی؟

جواب: مصنف قدرت اللہ شہاب کسی کام سے لاہور گئے تو وہاں بیرسٹر خواجہ عبدالرحیم صاحب نے بتایا کہ علامہ اقبال کے ملازم علی بخش کو حکومت کی طرف سے جو مربع زمین عطا ہوئی تھی اس کا قبضہ نہیں مل رہا آپ اس کی مدد کریں۔دونوں جاوید منزل گئے اور وہاں مصنف علی بخش سے ملے۔

(ب) علی بخش کو ایک مربع زمین کہاں اور کیوں الاٹ ہوئی؟

جواب: علی بخش نے چالیس سال علامہ اقبال کی خدمت کی پھر ان کے بچوں کا خیال رکھا۔ حکومت نے ان کی خدمات کے سلسلے میں لائل پور میں ایک مربع زمین عطا کی۔

(ج) مصنف کے ساتھ کار میں بیٹھتے ہوئے علی بخش کے دل میں کیا وہم تھا؟

جواب: جب وہ میرے ساتھ کار میں بیٹھ گیا تو غالباً اس کے دل میں سب سے بڑا وہم یہ تھا کہ شاید اب میں بھی بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح علامہ اقبالؒ کی باتیں پوچھ پوچھ کر اس کا سر کھپں گا۔

(د) ایک سینما کے سامنے بھیڑ دیکھ کر علی بخش نے کیا کہا؟

جواب: ایک سینما کے سامنے بھیڑ بھاڑ دیکھ کر وہ بڑبڑانے لگا: "مسجدوں کے سامنے تو کبھی ایسا رش نظر نہیں آتا۔ ڈاکٹر صاحب بھی یہی کہا کرتے تھے"۔

(ہ) شیخوپورہ سے گزرتے ہوئے علی بخش کو کیا یاد آیا؟

جواب: شیخوپورہ سے گزرتے ہوئے علی بخش کو یاد آتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب ایک بار یہاں بھی آئے تھے۔ یہاں پر ایک مسلمان تحصیل دار تھے، جو ڈاکٹر صاحب کے پکے مرید تھے، انہوں نے دعوت دی تھی۔

2- سبق کا خلاصہ اپنے لفظوں میں تحریر کیجیے۔

3- علی بخش کے کردار کی نمایاں خوبیاں پیراگراف کی شکل میں لکھیں؟

جواب: علی بخش علامہ اقبال کا دیرینہ اور وفادار ملازم تھا۔ اس نے تقریباً 40 برس اقبالؔ کی خدمت میں گزارے اور بعد میں ان کے بچوں جاوید اقبال اور منیرہ کا بہت خیال رکھا۔ اُسے اقبالؔ کی باتیں یاد تھیں لیکن کلام نہیں۔ وہ اقبال کی باتیں نشے کی سی کیفیت میں سناتا۔ وہ مرتے وقت اقبالؔ کے ساتھ تھا۔ وہ ایک سادہ انسان اور اقبالؔ کا سچا وفادار خادم تھا۔

4- علامہ اقبالؒ کی وفات کا حال علی بخش کی زبانی بیان کیجیے؟

جواب: "صاحب! جب ڈاکٹر صاحب نے دَم دیا ہے، میں ان کے بالکل قریب تھا۔ صبح سویرے میں نے انہیں فروٹ سالٹ پلایا اور کہا کہ اب آپ کی طبیعت بحال ہو جائے گی، لیکن عین پانچ بج کر دس منٹ پر ان کی آنکھوں میں ایک تیز تیز نیلی نیلی سی چمک آئی اور زبان سے اللہ ہی اللہ نکلا۔ میں نے جلدی سے ان کا سر اٹھا کر اپنے سینے پر رکھ لیا اور انہیں جھنجھوڑنے لگا لیکن وہ رخصت ہو گئے تھے"۔

5- متن کی روشنی میں قوسین میں دیے گئے الفاظ کی مدد سے مندرجہ ذیل جملے مکمل کیجیے۔

جواب:

(الف) قبضہ نہیں ملتا تو کھائے _____۔ (خصم کو، ✓ کڑھی کھیر، دھوپ)

(ب) علی بخش کے مطابق اقبال اکثر _____ گنگناتے تھے۔ (مسلماں کے لہو میں، خودی کو کر بلند اتنا، ✓ کبھی اے حقیقتِ منتظر، تورہ نوردِ شوق ہے)

(ج) ڈاکٹر صاحب بڑے _____ آدمی تھے۔ (عالم، درویش، سیاسی، دانش ور)

(د) پھر علی گڑھ سے ایک ـــــــ لیڈی آ گئی۔ (فرنچ، انڈین، انگلش، ✓ جرمن)

(ہ) کپتان مہابت خاں، علی بخش کو ایک نہایت مقدس ـــــــ کی طرح عقیدت سے چھو کر اپنے سینے سے لگا لیتا ہے۔ (✓ تابوت، کتاب، چیز، امانت)

6- سبق "علی بخش" کے متن کو مدِ نظر رکھ کر درست جوابات کی نشاندہی کریں۔

(الف) سبق "علی بخش" کس کتاب سے لیا گیا ہے؟

(الف) ✓ شہاب نامہ (ب) نفسانے (ج) ماں جی (د) یا خدا

(ب) مصنف کام کے سلسلے میں کہاں گئے تھے؟

(الف) ✓ لاہور (ب) لائل پور (ج) شیخوپورہ (د) جھنگ

(ج) علی بخش کو زمین کہاں دی گئی تھی؟

(الف) جھنگ (ب) ✓ لائل پور (ج) لاہور (د) خانیوال

(د) آخری عمر میں علامہ محمد اقبالؒ کا کھانا پینا کم ہو گیا تھا۔

(الف) بڑھاپے کی وجہ سے (ب) دمے کی وجہ سے (ج) ✓ گلے کی خرابی کی وجہ سے (د) معدے کی خرابی کی وجہ سے

(ہ) علی بخش کے مطابق ڈاکٹر اقبالؒ کی پسندیدہ خوراک کیا تھی؟

(الف) پلاؤ (ب) سیخ کباب (ج) ✓ پلاؤ اور سیخ کباب (د) چپلی کباب اور زردہ

(و) حکومت نے علی بخش کو کتنی زمین الاٹ کی؟

(الف) آدھا مربع (ب) ✓ ایک مربع (ج) دو مربعے (د) تین مربعے

(ز) علامہ اقبالؒ کون سا پھل پسند کرتے تھے؟

(الف) انگور (ب) لوکاٹ (ج) ✓ آم (د) خوبانی

(ح) ڈاکٹر اقبالؒ رات کتنے بجے جائے نماز پر جا بیٹھتے؟

(الف) ایک بجے (ب) دو بجے (ج) اڑھائی بجے (د) ✓ دو اڑھائی بجے

(ط) ڈاکٹر اقبالؒ کو سوتے ہوئے جھٹکا لگتا تو کیا کرتے تھے؟

(الف) دوائی لے لیتے (ب) ✓ علی بخش سے گردن کے پٹھے دبوا لیتے (ج) سو جاتے (د) بے چین ہو کر ٹہلنے لگتے

7- سبق کے متن کو مد نظر رکھ کر درست یا غلط کی نشاندہی کریں:

(الف) علی بخش سے مصنف کی ملاقات خواجہ عبدالرحیم نے کرائی۔ ✓ درست / غلط

(ب) شیخوپورہ کے وکیل علامہ محمد اقبالؒ کے مرید تھے۔ درست / غلط ✓

(ج) ڈاکٹر محمد اقبالؒ گھر کے اخراجات کا حساب کتاب نہیں رکھتے تھے۔ ✓ درست / غلط

(د) ڈاکٹر صاحب کے ہاں اعظم گڑھ سے جرمن لیڈی آئیں۔ درست / غلط ✓

(ہ) فروٹ سالٹ سے ڈاکٹر صاحب کی طبیعت بحال ہو گئی۔ درست / غلط ✓

(و) مہابت خان نے اعلان کیا کہ وہ علی بخش کا کام کرا کے دم لے گا۔ ✓ درست / غلط

8- سبق "علی بخش" کے متن کے مطابق کالم (الف) میں دیے گئے الفاظ کا رابطہ کالم (ب) کے الفاظ سے کریں۔

جوابات

کالم (الف)	کالم (ب)
خواجہ عبدالرحیم	جاوید منزل
جاوید اقبال	منیرہ
پان	حُقّہ
تحصیل دار	مرید
مہابت خان	قبضہ
اڑھائی بجے	جانماز

9- حوالہ متن اور سیاق وسباق کے ساتھ درج ذیل پیراگراف کی تشریح کیجئے:

اب علی بخش کا ذہن ــــــــــ لیکن وہ رخصت ہو گئے تھے۔

حوالہ متن: سبق کا نام: علی بخش:

مصنف کا نام: قدرت اللہ شہاب

خط کشیدہ الفاظ کے معنی:

تسکین: اطمینان،	سکون حاصل ہوا
دم دینا:	فوت ہو جانا
کیفیت:	حالت
جھنجھوڑنا:	زور زور سے ہلانا۔

سیاق وسباق:

اس سبق میں مصنف قدرت اللہ شہاب نے علی بخش کے حوالے سے علامہ اقبالؒ کی چند خاص باتوں کو عیاں کیا ہے۔ علی بخش کو حکومت کی طرف سے لائل پور میں ایک مربع زمین عطا ہوئی لیکن قبضہ نہ ملا۔ خواجہ عبدالرحیم نے شہاب صاحب کو کہا اور وہ علی بخش کو لے کر جھنگ روانہ ہوئے۔ راستے میں علی بخش نے بتایا کہ اقبال کو سیخ کباب، پلاؤ اور آم پسند تھے۔ حُقّہ پیتے تھے۔ تشریح طلب اقتباس اسی موقع سے لیا گیا ہے۔ بعد کے سبق میں علی بخش کو اقبال کے شعر یاد نہ ہوئے، رات کو عبادت کرنے، گردن میں تکلیف، ان کے مالی معاملات جاوید اور منیرہ کا ذکر ہے۔ جھنگ میں شہاب اپنے ایک مجسٹریٹ کی ذمہ داری لگاتے ہیں کہ وہ علی بخش کا کام کروائے۔

تشریح:

قدرت اللہ شہاب مشہور بیوروکریٹ تھے۔ ان کی خود نوشت شہاب نامہ بے حد مقبول ہوئی سبق علی بخش اسی کتاب کا اقتباس ہے۔ کسی شخصیت کو سمجھنے کے لئے اس کی زندگی کے محض بڑے بڑے واقعات ہی اہم نہیں ہوتے بلکہ چھوٹے چھوٹے واقعات وہ باتیں جنہیں ہم معمولی سمجھتے ہیں وہ بھی بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ یہ باتیں وہی لوگ بتا سکتے ہیں جو اس شخصیت کے قریب رہی ہوں۔ علی بخش کو علامہ محمد اقبال کی خدمت میں رہنے کا موقع ملا اور ان کی زندگی کے آخری لمحات کا وہ عینی شاہد تھا۔ اس اعتبار سے اس کا بیان چشم دید گواہ کی حیثیت رکھتا ہے قدرت اللہ شہاب کا موقف

ہے کہ علی بخش نے جب اقبالؒ کے حقے، کھانوں کے حوالے سے گفتگو شروع کی تو وہ رواں ہو گیا اور اقبالؒ کی زندگی کے گوشے بے نقاب کرنے لگا۔ وہ اقبال کے ساتھ چالیس سالہ رفاقت کے واقعات سناتا جاتا ہے۔ یہ فرضی کہانیاں نہیں ہیں بلکہ حقائق ہیں اور علی بخش ایک نشے کی سی کیفیت میں اقبال کی یادوں میں ڈوب کر ان کے بارے میں بتاتا جاتا ہے وہ نشے کی کیفیت میں نہ سنائے تو اسے روحانی تسکین نہیں ملتی، وہ اقبالؒ کی زندگی کے آخری لمحات کے بارے میں لب کشا ہے کہ جب ڈاکٹر اقبال نے جان جانِ آفریں کے سپرد کی تو وہ ان کے قریب ہی تھا۔ 21 اپریل 1938ء کو علی الصبح اس نے اقبالؒ کو فروٹ سالٹ پلایا اور کہا کہ اب آپ کی طبیعت بحال ہو جائے گی لیکن اقبال کا آخری وقت آ چکا تھا۔ عین پانچ بج کر دس منٹ پر اقبال کی آنکھوں میں ایک تیز تیز نیلی نیلی سی چمک آئی زبان پر ذکرِ حق جاری ہو گیا۔ انہوں نے اللہ ہی اللہ کہا۔ علی بخش نے ان کا سر اٹھا کر اپنے سینے پر رکھ لیا اور انہیں ہلانے لگا کہ وہ بے ہوش نہ ہوں لیکن اقبالؒ کی روح تو اپنے مرکز کی طرف لوٹ چکی تھی اور اپنے رب سے بغرض وصال جا چکی تھی۔ عظیم فلسفی شاعر، امت مسلمہ کو خواب غفلت سے جگانے والا خود ابدی نیند سو چکا تھا۔

10۔ درجِ ذیل الفاظ کے مترادف لکھیے۔

جوابات:

الفاظ	مترادف
شریر	شرارتی
آمادہ	تیار
بھیڑ	ہجوم
سادگی	بھولا پن
فارغ	بری، آزاد
مقدس	پاک
خوش گوار	خوش آئند

کثیر الانتخابی سوالات

درست جوابات کی نشاندہی کریں:

1۔ قدرت اللہ شہاب پیدا ہوئے:

(الف) 1915ء میں (ب) 1917ء میں (ج) 1919ء میں (د) 1920ء میں

2۔ قدرت اللہ شہاب فوت ہوئے:

(الف) 1984ء میں (ب) 1985ء میں (ج) 1986ء میں (د) 1987ء میں

3۔ قدرت اللہ شہاب ـــــ میں پیدا ہوئے:

(الف) گلگت (ب) سکردو (ج) جموں (د) چترال

4-قدرت اللہ شہاب نے ایم اے کیا:

(الف) فلسفہ میں (ب) انگریزی میں (ج) اُردو میں (د) فارسی میں

5-1941ء میں قدرت اللہ شہاب نے مقابلے کا امتحان پاس کیا:

(الف) آئی سی ایس (ب) پی سی ایس (ج) سی ایس ایس (د) آئی ایس ایس بی

6-قدرت اللہ شہاب شامل ہوئے:

(الف) پی ایم ایس میں (ب) انڈین سول سروس میں (ج) برٹش سول سروس میں (د) رائل سول سروس میں

7-قدرت اللہ شہاب قیام پاکستان کے بعد دو برس سیکرٹری جنرل رہے:

(الف) حکومت پاکستان کے (ب) حکومت آزاد کشمیر کے (ج) حکومت پنجاب کے (د) حکومت سندھ کے

8-قدرت اللہ شہاب جھنگ میں رہے:

(الف) ڈپٹی کمشنر (ب) اسسٹنٹ کمشنر (ج) کمشنر (د) سیکرٹری

9-قدرت اللہ شہاب تین برس سفیر رہے:

(الف) ہالینڈ میں (ب) تیونس میں (ج) انگلینڈ میں (د) امریکہ میں

10-قدرت اللہ شہاب ملک غلام محمد، سکندر مرزا، ایوب خان کے رہے:

(الف) نائب (ب) سیکرٹری (ج) ڈپٹی سیکرٹری (د) سیکرٹری جنرل

11-قدرت اللہ شہاب 1966ء میں مقرر ہوئے:

(الف) مرکزی سیکرٹری تعلیم (ب) سیکرٹری خزانہ (ج) سیکرٹری مواصلات (د) سیکرٹری خارجہ

12-قدرت اللہ شہاب کی مشہور ترین تصنیف ہے:

(الف) شہاب نامہ (ب) یاخدا (ج) ماں جی (د) نفسانے

13-قدرت اللہ شہاب 1959ء میں پہلے سیکرٹری جنرل بنے:

(الف) مجلس ترقی ادب (ب) اردو سائنس بورڈ (ج) رائٹرز گلڈ (د) پاک ٹی ہاؤس

14-خواجہ عبدالرحیم لاہور کے معروف تھے:

(الف) بیرسٹر (ب) جج (ج) وزیر (د) میئر

15-علی بخش نے علامہ اقبالؒ کی خدمت کی:

(الف) تیس برس (ب) چالیس برس (ج) پچاس برس (د) بیس برس

16-علی بخش کو ایک مربع زمین عطا ہوئی تھی:

(الف) لائل پور میں (ب) لاہور میں (ج) کراچی میں (د) جھنگ میں

17-سبق میں علامہ اقبالؒ کے کس بیٹے کا ذکر آیا ہے؟

(الف) جاوید اقبال (ب) آفتاب اقبال (ج) منیب اقبال (د) یوسف صلاح الدین

18-ڈاکٹر علامہ اقبال کو پسند نہیں تھے:

(الف) پراٹھے (ب) پان (ج) پکوان (د) سگریٹ

4-قدرت اللہ شہاب نے ایم اے کیا:

(الف) فلسفہ میں (ب) انگریزی میں (ج) اُردو میں (د) فارسی میں

5-1941ء میں قدرت اللہ شہاب نے مقابلے کا امتحان پاس کیا:

(الف) آئی سی ایس (ب) پی سی ایس (ج) سی ایس ایس (د) آئی ایس ایس بی

6-قدرت اللہ شہاب شامل ہوئے:

(الف) پی ایم ایس میں (ب) انڈین سول سروس میں (ج) برٹش سول سروس میں (د) رائل سول سروس میں

7-قدرت اللہ شہاب قیام پاکستان کے بعد دو برس سیکرٹری جنرل رہے:

(الف) حکومت پاکستان کے (ب) حکومت آزاد کشمیر کے (ج) حکومت پنجاب کے (د) حکومت سندھ کے

8-قدرت اللہ شہاب جھنگ میں رہے:

(الف) ڈپٹی کمشنر (ب) اسسٹنٹ کمشنر (ج) کمشنر (د) سیکرٹری

9-قدرت اللہ شہاب تین برس سفیر رہے:

(الف) ہالینڈ میں (ب) تیونس میں (ج) انگلینڈ میں (د) امریکہ میں

10-قدرت اللہ شہاب ملک غلام محمد، سکندر مرزا، ایوب خان کے رہے:

(الف) نائب (ب) سیکرٹری (ج) ڈپٹی سیکرٹری (د) سیکرٹری جنرل

11-قدرت اللہ شہاب 1966ء میں مقرر ہوئے:

(الف) مرکزی سیکرٹری تعلیم (ب) سیکرٹری خزانہ (ج) سیکرٹری مواصلات (د) سیکرٹری خارجہ

12-قدرت اللہ شہاب کی مشہور ترین تصنیف ہے:

(الف) شہاب نامہ (ب) یاخدا (ج) ماں جی (د) نفسانے

13-قدرت اللہ شہاب 1959ء میں پہلے سیکرٹری جنرل بنے:

(الف) مجلس ترقی ادب (ب) اردو سائنس بورڈ (ج) رائٹرز گلڈ (د) پاک ٹی ہاؤس

14-خواجہ عبدالرحیم لاہور کے معروف تھے:

(الف) بیرسٹر (ب) جج (ج) وزیر (د) میئر

15-علی بخش نے علامہ اقبالؒ کی خدمت کی:

(الف) تیس برس (ب) چالیس برس (ج) پچاس برس (د) بیس برس

16-علی بخش کو ایک مربع زمین عطا ہوئی تھی:

(الف) لائل پور میں (ب) لاہور میں (ج) کراچی میں (د) جھنگ میں

17-سبق میں علامہ اقبالؒ کے کس بیٹے کا ذکر آیا ہے؟

(الف) جاوید اقبال (ب) آفتاب اقبال (ج) منیب اقبال (د) یوسف صلاح الدین

18-ڈاکٹر علامہ اقبال کو پسند نہیں تھے:

(الف) پراٹھے (ب) پان (ج) پکوان (د) سگریٹ

34-جاوید منزل واقع ہے:

(الف)علامہ اقبال روڈ پر (ب)فیروز پور روڈ پر (ج)جیل روڈ پر (د)مال روڈ پر

35-علامہ اقبالؒ کی بیٹی منیرہ کو پیار سے کہتے تھے:

(الف)بانو (ب)بی بی (ج)بیٹا (د)رانی

36-ڈورس احمد علی گڑھ یونیورسٹی کے پروفیسر کی سالی تھیں حیاتِ اقبال کے آخری ـــــ سالوں میں بچوں کی اتالیق رہیں:

(الف)دو (ب)چار (ج)پانچ (د)تین

37-لائل پور کے ڈی سی، مال افسر اور سارا عملہ میری بڑی کرتے تھے:

(الف)خدمت (ب)خاطر (ج)آؤ بھگت (د)دیکھ بھال

جوابات:

1-ب	2-ج	3-الف	4-ب	5-الف
6-ب	7-ب	8-الف	9-الف	10-ب
11-الف	12-الف	13-ج	14-الف	15-ب
16-الف	17-الف	18-ب	19-الف	20-الف
21-الف	22-ب	23-الف	24-ج	25-الف
26-الف	27-ب	28-الف	29-ب	30-الف
31-ج	32-الف	33-ب	34-الف	35-الف
36-الف	37-ج			

12 ۔ استنبول

حکیم محمد سعید

خلاصہ

حکیم محمد سعید مشہور طبیب، ادیب اور سیاسی و سماجی شخصیت تھے۔ سبق "استنبول" میں اُنہوں نے ترکی کے مشہور شہر استنبول کی سیر کا احوال پیش کیا ہے۔

استنبول شہر مسلمانوں نے 672ء میں پہلا حملہ کیا لیکن یہ حملہ ناکام ہو گیا۔ پھر سلطان محمد فاتح ثانی نے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ حملہ کرتے ہوئے 29 مئی 1453ء میں استنبول پر مکمل قبضہ کر لیا۔ سلطان جب شہر میں داخل ہوا تو سب سے پہلے اس نے ایا صوفیا میں نمازِ جمعہ ادا کی۔ مسلمانوں نے استنبول میں بہت سی تعمیرات کا اضافہ کیا۔ دیواروں اور چھتوں کی پچی کاری پر سرمی قلعی کروادی گئی۔ جلدی دیواروں پر بُت بنے تھے انہیں گرا کر نئی دیواریں بنادی گئیں۔ سلطان محمد نے ایک بلند مینار تعمیر کروایا جبکہ سلیم ثانی نے دوسرا اور مراد ثالث نے باقی دو مینار اور مرمت کا سارا کام مکمل کروایا۔ صدر دروازے کے پاس اندر کی جانب سنگ جراحت کی دو بڑی بڑی نالیاں اور دو بڑے چبوترے تعمیر کروائے جن پر بیٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت کی جاتی ہے۔

استنبول کو مساجد کا شہر کہا جاتا ہے۔ پورے شہر میں تقریباً پانچ سو مساجد ہیں۔ لیکن اسلامی فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ سلیمانیہ مسجد ہے، سلیمانیہ سے ملحق ایک بڑا کتب خانہ ہے جہاں مخطوطات کا سب سے بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ اندازے کے مطابق ایک لاکھ قلمی کتابیں نہایت ترتیب و تنظیم سے رکھی ہوئی ہیں۔

اس کے بعد توپ کاپی ہے جو ترکی میں ایک نہایت اہم عجائب گھر ہے۔ آثار قدیمہ کے علاوہ یہاں فوجی عجائب خانہ بھی ہے۔ اس عجائب گھر میں بعض ایسی کتابیں بھی موجود ہیں جن کا ایک ہی نسخہ دنیا میں موجود ہے۔ فن خطاطی کے مظہر کی حیثیت سے قرآن کریم کی وہ آیات جو مشہور خطاطوں کی ہنر مندی کے نمونے کی حیثیت سے عالمی شہرت رکھتی ہیں، توپ کاپی میں موجود ہیں۔ رسولؐ اللہ کی سیرت و سوانح پر خط نسخ میں ایک اہم مخطوطہ یہاں موجود ہے۔ یہاں سے ہم نماز ظہر ادا کرنے کے لیے مسجد سلطان احمد آ گئے۔ یہ مسجد چھ میناروں کی وجہ سے مشہور ہے اور بہت سے مذہبی تہواروں کے منانے اور درباری رسم کے جلوسوں کا مرکز رہ چکی ہے۔ میں استنبول میں آ کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ کے مزار پر ضرور آتا ہوں آج بھی ہم مزار اقدس پر حاضر ہوئے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ حضورؐ کے میزبان رہے جن کی شخصیت کا خاصہ جوش ایمانی، حق گوئی اور آنحضرت ﷺ سے بے پناہ محبت ہے۔ استنبول پر چڑھائی کرنے والے لشکر میں حضرت ابوایوب انصاری شامل تھے۔ سفر جہاد میں وبا پھیلی اور مجاہدین کی بڑی تعداد وبا کا شکار ہوئی۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ بھی علیل ہوئے۔ ان کا انتقال ہوا تو انہیں استنبول کی دیواروں کے نیچے دفن کر دیا گیا۔ آج یہی مقبرہ دنیا کے مسلمانوں کے لیے مرجع خیر و برکت بنا ہوا ہے۔

مشق

1-سوالات کے مختصر جوابات

(الف) استنبول پر مسلمانوں کے پہلے حملے کی خاص بات کیا تھی؟

جواب: استنبول کے شہر پر مسلمانوں کا پہلا حملہ ۶۷۲ء میں ہوا تھا، لیکن وہ سات سال تک محاصرے کے بعد ناکام واپس ہوئے۔ اس محاصرے کی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ اس میں جلیل القدر صحابی حضرت ابوایوب انصاری (رضی اللہ) شریک تھے۔ اسی مہم کے دوران میں ان کا انتقال ہوا اور وہ استنبول ہی میں مدفون ہوئے۔

(ب) ایاصوفیہ کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ مختصراً تحریر کیجیے۔

جواب: ایاصوفیہ قسطنطنیہ کا تاریخی کلیسا تھا جو اب مسجد ہے۔ سلطان محمد فاتح نے سب سے پہلے اس میں جمعہ کی نماز پڑھی۔ مسلمانوں نے اس میں بہت سی تعمیرات کا اضافہ کیا۔ دیواروں اور چھتوں کی پچی کاری پر سرمئی کلئی کروادی گئی۔ جن دیواروں پر بت بنے ہوئے تھے انہیں گرا کر نئی دیواریں بنوادی گئیں۔ عثمانی بادشاہوں نے مینار بنوائے، کلام پاک کی تلاوت کے لئے چبوترے بنوائے، خالی دیواروں پر آیات لکھوائیں، ملحقہ جگہ پر مدرسہ بنوایا، دارالطعام بنوایا اور ایک کتب خانہ قائم کیا۔

(ج) ترکی میں جمعۃ المبارک کا آدھا آدھا خطبہ کن دو زبانوں میں دیا گیا؟

جواب: خطبہ جمعہ آدھا عربی اور آدھا ترکی زبان میں تھا۔

(د) "توپ کاپی" میوزیم کا تعارف اپنے الفاظ میں کرائیے۔

جواب: استنبول کے عجائب خانوں میں توپ کاپی کی حیثیت شہرہ آفاق ہے۔ یہاں رومی، بزنطینی اور عثمانی عہد کی ہزاروں لاکھوں قیمتی اشیاء رکھی گئی ہیں، اس میں عثمانی سلاطین کے آثار، جواہرات، ملبوسات اور دیگر اشیائے آرائش و تزئین کے علاوہ چینی، جاپانی، عربی اور یورپی عجائبات بھی رکھے گئے ہیں اور اس میں نادر کتب کا ذخیرہ بھی موجود ہے۔

(ہ) مصنف کے شریکِ سفر دوستوں کے نام تحریر کیجیے۔

جواب: محترمہ خانم ڈسلوا، ڈاکٹر محمد شعیب اختر، ڈاکٹر عطاء الرحمٰن، ڈاکٹر ظفر اقبال۔

2-حوالہ متن اور سیاق وسباق کے ساتھ درج ذیل پیراگراف کی تشریح کیجیے۔

"توپ کاپی میں آثارِ قدیمہ کے ـــــ جن کا ایک ہی نسخہ دنیا میں موجود ہے"۔

جواب:

حوالہ متن:۔ یہ پیراگراف حکیم محمد سعید کے تحریر کردہ سبق استنبول سے لیا گیا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:

آرٹ: فن ذوق: دلچسپی، شوق

تشریح:

مصنف حکیم محمد سعید ترکی میں استنبول کی سیر کو گئے وہاں دیگر مقامات کے علاوہ انہیں مشہور عجائب گھر توپ کاپی میں فوجی عجائب خانہ دیکھنے کا بھی موقع ملا۔ وہ بتاتے ہیں کہ توپ کاپی میں فوجی عجائب خانے کو اوقاف کہتے ہیں۔ اس میں ترکی فنون، ادب، کشیدہ کاری اور فن مصوری کے حیرت انگیز نمونے موجود ہیں۔ اسلامی علوم وفنون اور ثقافتی روایات کو آگے بڑھانے میں عثمانی ترکوں کا کردار بہت نمایاں ہے۔ ان کے علمی شوق کی وجہ سے استنبول کا عجائب خانہ توپ کاپی آثار قدیمہ کا مشہور ترین مرکز بن گیا وہاں علم و فن کے بیش بہا خزانے موجود ہیں۔ دنیا کے مختلف علوم کے

بارے میں قیمتی اور منفرد کتابیں اس کے کتب خانے کا زیور ہیں۔ نایاب کتابوں اور غیر مطبوعہ مخطوطات کے الگ الگ شعبے وہاں موجود ہیں۔ بعض ایسے مخطوطات بھی موجود ہیں جن کا ایک ہی نسخہ دنیا میں موجود ہے۔

چونکہ اسلام نے علم کے حصول کو دینی فریضہ قرار دیا۔ ارشاد نبوی ہے:

"علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے"

مسلمان حکمران کوشش کرتے رہے کہ وہ دوسرے سماجی و فلاحی کاموں کے ساتھ ساتھ علم کے فروغ کے لئے بھی کوشش کرتے رہیں۔ مصنف سلیمانیہ سے ملحق کتب خانے کی تعریف میں رطب اللسان ہیں کہ اس میں نہ صرف دنیا کی نادر و نایاب کتابیں موجود ہیں بلکہ وہ بڑے سلیقے اور قرینے سے رکھی گئی ہیں۔ کسی بھی کتب خانے میں اس امر کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ کتاب صرف موجود ہی نہ ہو اس تک رسائی بھی ممکن ہو۔

3- سبق استنبول کا متن مد نظر رکھ کر درست جوابات کی نشاندہی کریں۔

(الف) سبق "استنبول" کس کی تحریر ہے؟

(الف) اختر ریاض الدین (ب) ✓ حکیم محمد سعید (ج) قدرت اللہ شہاب (د) شفیع عقیل

(ب) مسجد سلیمانیہ کس نے تعمیر کرائی؟

(الف) سلطان مراد (ب) ✓ سلطان سلیمان (ج) سلیم ثانی (د) سلطان عبدالحمید

(ج) ایا صوفیہ کے برابر کیا ہے؟

(الف) عجائب گھر (ب) کتاب خانہ (ج) ✓ قبرستان (د) فوجی عجائب خانہ (اوقاف)

(د) مسلمانوں نے استنبول پر پہلا حملہ کب کیا؟

(الف) ✓ ۶۷۲ء (ب) ۶۷۱ء (ج) ۶۷۳ء (د) ۶۷۷ء

(ہ) مسلمانوں نے استنبول کا محاصرہ کتنے سال بعد اٹھایا؟

(الف) پانچ (ب) ✓ سات (ج) آٹھ (د) نو

(و) استنبول کا فاتح کون ہے؟

(الف) حضرت ایوب انصاری (ب) ✓ سلطان محمد فاتح (ج) مراد ثانی (د) محمد ثانی

(ز) استنبول کو کس کا گھر کہا جاتا ہے؟

(الف) عجائب گھروں (ب) ✓ مسجدوں (ج) کتب خانوں (د) مقبروں

(ح) مسجد سلیمانیہ کے ساتھ کتب خانے میں کتنے قلمی نسخے ہیں؟

(الف) ۳۰ ہزار (ب) ۵۰ ہزار (ج) ✓ ایک لاکھ (د) ڈیڑھ لاکھ

4- سبق "استنبول" کے متن کے مطابق کالم (الف) کے الفاظ کا ربط کالم (ب) کے الفاظ سے کریں:

جوابات:

کالم (الف)	کالم (ب)
دوسرا مینار	سلیم ثانی

توپ کاپی	ویلیم راجرز
فاتح استنبول	سلطان محمد فاتح
آٹھ لوحیں	مصطفٰی عزت آفندی
چھ مینار	جامع مسجد سلطان احمد
تین نمایاں چیزیں	حضرت ایوب انصاری

5- متن کی روشنی میں قوسین میں دیے گئے الفاظ میں سے درست لفظ منتخب کر کے خالی جگہ پُر کیجئے۔

(الف) خان محمد فاتح گھوڑے سے اتر کر _____ میں داخل ہوا۔ (مسجد، غار، محل، ✓ کلیسا)

(ب) پورے شہر میں _____ مساجد ہیں۔ (چار سو، ✓ پانچ سو، چھ سو، ایک ہزار)

(ج) ترکی کے وزیر اعظم جناب ترگت اوزال ہمارے _____ تھے۔ (ہمراہ، ✓ میز بان، مہمان، مہربان)

(د) سلیمانیہ سے ملحق ایک بڑا _____ ہے۔ (✓ کتب خانہ، مدرسہ، کالج، عجائب گھر)

(ہ) جامع سلطان احمد اپنے _____ میناروں کی وجہ سے مشہور ہے۔ (چار، ✓ چھ، آٹھ، دس)

6- مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

الفاظ	جملے
محاصرہ	فوجوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔
جلیل القدر	حضرت عمر (رضی اللہ) جلیل القدر صحابی تھے۔
مدفون	حضرت ابو ایوب انصاری (رضی اللہ) استنبول میں مدفون ہیں۔
سرمئی	شام کے سرمئی اندھیروں میں یادوں کے چراغ جلتے ہیں۔
منہدم	تاریخی عمارتیں منہدم ہوتی جا رہی ہیں۔
تنظیم	تنظیم کے بغیر قومی بہتری ناممکن ہے۔
مخطوطہ	عجائب گھر میں کئی مخطوطات موجود ہیں۔
مسودہ	کتاب کا مسودہ چھپنے کے لیے تیار ہے۔
کاشانہ	آپ کے کاشانہ دولت میں کتنے کمرے ہیں۔
قضاوقدر	قضاوقدر انسانی قدرت سے باہر ہیں۔
مرجع	روضہ رسول ﷺ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے مرجعِ خیر و برکت بنا ہوا ہے۔

کثیر الانتخابی سوالات

درست جوابات کی نشاندہی کریں:

1- حکیم محمد سعید حکیم عبدالمجید کے گھر پیدا ہوئے:

(الف) لاہور میں (ب) کراچی میں (ج) دہلی میں (د) لکھنؤ میں

2- حکیم محمد سعید کا عرصہ حیات ہے:

(الف) 1920-1998ء (ب) 1922-1999ء (ج) 1960-2012ء (د) 1910ء-1980ء

3- حکیم محمد سعید نے ناظرہ قرآن عمر میں پڑھ لیا:

(الف) پانچ سال (ب) 6 سال (ج) دس سال (د) 15 سال

4- حکیم محمد سعید نے قرآن مجید حفظ کر لیا عمر میں:

(الف) آٹھ برس (ب) نو برس (ج) دس برس (د) پندرہ برس

5- حکیم محمد سعید نے 1939ء میں طب کی تعلیم مکمل کی:

(الف) علی گڑھ کالج سے (ب) گورنمنٹ کالج لاہور سے (ج) طبیہ کالج دہلی سے (د) اپچی سن کالج سے

6- حکیم محمد سعید ہجرت کر کے پاکستان آئے:

(الف) 8 جنوری 1948ء میں (ب) 9 جنوری 1948ء میں (ج) 10 جنوری 1948ء میں (د) 15 جنوری 1948ء میں

7- حکیم محمد سعید کی شہادت ایک شخص کی نہیں بلکہ پاکستان کی شناخت کا قتل ہے، کس نے لکھا؟

(الف) ڈاکٹر سید عبداللہ (ب) مولوی عبدالحق (ج) احمد ندیم قاسمی (د) انور شعورؔ

8- استنبول ایک شہر ہے

(الف) ایران کا (ب) مصر کا (ج) عراق کا (د) ترکی کا

9- استنبول پر مسلمانوں کا پہلا حملہ ہوا تھا:

(الف) 670ء میں (ب) 672ء میں (ج) 680ء میں (د) 685ء میں

10- استنبول کے محاصرے کی تاریخی اہمیت کس جلیل القدر صحابی کی بنا پر ہے؟

(الف) حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ) (ب) حضرت بلال (رضی اللہ)

(ج) حضرت ابوایوب انصاری (رضی اللہ) (د) حضرت عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ)

11- حضرت ابوایوب انصاری (رضی اللہ) کا مزار ہے:

(الف) بغداد میں (ب) مصر میں (ج) کربلا میں (د) استنبول میں

12- سلطان محمد فاتح نے استنبول پر پوری منصوبہ بندی کے ساتھ کب حملہ کیا؟

(الف) 1450ء میں (ب) 1452ء میں (ج) 1455ء میں (د) 1456ء میں

13- سلطان محمد فاتح استنبول میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوا اور نماز جمعہ ادا کی:

(الف) ایاصوفیہ میں (ب) توپ کاپی میں (ج) مسجد سلطان احمد میں (د) بیت المقدس میں

14-مسلمانوں نے جب استنبول کو فتح کیا تو یہاں کے لوگ:

(الف) سجدے میں گر گئے (ب) دور نکل گئے (ج) مقابلے کے لیے ڈٹ گئے (د) ہتھیار پھینک دیے

15-دیواروں اور چھتوں کے پچی کاری پر قلعی کروادی گئی:

(الف) سنہری (ب) ہرے رنگ کی (ج) سرمئی (د) نیلے رنگ کی

16-ایاصوفیہ کے صدر دروازے کے پاس سنگ جراحت کی نالیاں بنوائی گئیں:

(الف) دو (ب) تین (ج) چار (د) پانچ

17-مشہور خطاط مصطفٰی عزت آفندی کی لکھی ہوئی گول لوحیں مسجدوں میں نصب کی گئیں:

(الف) چھ (ب) سات (ج) آٹھ (د) دس

18-حکیم محمد سعید ترکی حکومت کی دعوت پر استنبول آئے:

(الف) دو تین سال پہلے (ب) تین چار سال پہلے (ج) چار پانچ سال پہلے (د) دس سال پہلے

19-استنبول میں طب اسلامی کانفرنس ہوئی:

(الف) پہلی (ب) دوسری (ج) تیسری (د) چوتھی

20-استنبول کانفرنس کا انتظام کیا تھا:

(الف) ڈاکٹر محمد شعیب (ب) ڈاکٹر عطاء الرحمٰن (ج) ڈاکٹر ظفر اقبال (د) ڈاکٹر پروفیسر ڈوگوا باچی

21-مسجد سلیمانیہ کی تعمیر کب سے کب تک جاری رہی؟

(الف) 1557-1550ء (ب) 1550-1545ء (ج) 1565-1560ء (د) 1555-1550ء

22-سلیمانیہ سے ملحق ایک بڑا ہے:

(الف) عجائب گھر (ب) چڑیا گھر (ج) کتب خانہ (د) قبرستان

23-استنبول کے عجائب خانوں میں توپ کاپی کی حیثیت ہے:

(الف) ممتاز (ب) نمایاں (ج) شہرہ آفاق (د) منفرد

24-توپ کاپی میں فوجی عجائب خانہ کہلاتا ہے:

(الف) اوقات (ب) محراب (ج) اوقاف (د) اخلاص

25-سلطان احمد عمر _____ میں تخت نشین ہوا۔

(الف) بارہ سال (ب) 13 سال (ج) 14 سال (د) 15 سال

26-سلطان احمد نے 22 نومبر 1617ء کو عمر میں وفات پائی:

(الف) 26 سال کی (ب) 27 سال کی (ج) 28 سال کی (د) 29 سال کی

27-آج جامع مسجد سلطان احمد اپنے میناروں کی وجہ سے مشہور ہے:

(الف) 5 (ب) 6 (ج) 7 (د) 8

28-ترکی کی سیر کے دوران ہم حضرت ابوایوب انصاری (رضی اللہ) کے مزار پر حاضر ہوئے:

(الف) چاروں سوار (ب) پانچواں سوار (ج) تینوں سوار (د) دسوں سوار

29- حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ کی شخصیت میں چیزیں نمایاں تھیں:

(الف) دو (ب) تین (ج) چار (د) پانچ

30- نبی اکرم ﷺ کی بشارت کی روشنی میں فتح قسطنطنیہ کے لیے دور حکومت میں فوج کشی ہوئی:

(الف) حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ) (ب) حضرت عمر (رضی اللہ)

(ج) حضرت علی (رضی اللہ) (د) حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ)

31- حکیم سعید اور ان کے دوستوں نے استنبول کی سیر کی:

(الف) پانچ گھنٹوں میں (ب) آٹھ گھنٹوں میں (ج) دس گھنٹوں میں (د) پندرہ گھنٹوں میں

جوابات:

1-ج	2-الف	3-الف	4-ب	5-ج
6-ب	7-ج	8-د	9-ب	10-ج
11-د	12-ب	13-الف	14-ب	15-ج
16-الف	17-ج	18-الف	19-ج	20-د
21-الف	22-ج	23-ج	24-ج	25-ج
26-ج	27-ب	28-ب	29-ب	30-د
31-ب				

13 ۔ خطوطِ غالبؔ

مرزا اسد اللہ خان غالبؔ

خلاصہ

مرزا اسد اللہ خان غالبؔ، اُردو کے شہرہ آفاق شاعر اور نثر نگار تھے۔ اُن کے مکاتیب اُردو نثر کا سرمایہ ہیں۔ ان کی جدت پسندی نے اردو نثر کو نیا انداز و آہنگ عطا کیا۔ انہوں نے خطوں کے رسمی انداز کو ترک کر کے خط کو بے تکلفانہ گفتگو اور شخصی و دلی جذبات کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔

☆ مرزا غالبؔ منشی ہر گوپال کے کول سے خط آنے کا انتظار کر رہے تھے لیکن وہ سکندر آباد آ گئے وہاں سے غالبؔ کو خط لکھا۔ شیو نرائن کے مطبع آگرہ میں غالبؔ کی کتابوں کی چھپائی جاری ہے اور خواہش ہے کہ کام اچھا ہو جائے۔ منشی بالمکندؔ کے خط کا جواب نہیں دے سکے منشی ہر گوپال کے ذمہ لگایا کہ اُن کو سلام کہیں اور کتابوں کی بابت دریافت بھی کریں۔

☆ منشی ہر گوپال کے نام دوسرے خط میں ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شاید کوئی نیا قانون آ گیا ہے کہ سکندر آباد کے لوگ دلی والوں کو خط نہ لکھیں گے۔ منشی شیو نرائن کے مطبع میں غالبؔ کی کتابیں چھپ رہی تھیں وہ مکمل ہو کر آ گئی ہیں۔ چھاپا، سیاہی، کاغذ، خط وغیرہ سب اچھا تھا اور غالبؔ کو یہ کتابیں پسند آئیں۔ وہ منشی ہر گوپال سے آگرہ آمد کے بارے میں پوچھتے ہیں۔

☆ میر مہدی کے نام خط میں غالبؔ بتاتے ہیں کہ حالات اچھے نہیں کاغذ اور ٹکٹ کی کمی ہے، کتاب سے کاغذ پھاڑ کر میر مہدی کو خط لکھتے ہیں اور کسی طرف سے آمدن کی امید ہے وہ آ جائے تو ٹکٹ، کاغذ اور لفافے منگوالوں۔ برخوردار میر نصیر الدین کو بیٹی کی مبارک دیتے ہوئے عظیم النسا بیگم نام تجویز کیا ہے۔ میر مہدی کو ہدایت کرتے ہیں کہ میر نصیر الدین کو مجتہد العصر لکھا کرے۔ دلی کی بابت بیان کرتے ہیں کہ ہر چیز پر ٹیکس لگا ہے سوائے اناج اور اُپلوں کے۔ جامع مسجد کے گرد میدان کھودا جا رہا ہے۔ دکانیں اور حویلیاں مسمار کی جا رہی ہیں۔ بہادر شاہ ظفرؔ حاکمِ اکبر کی آمد کی خبر ہے کہ وہ دلی آئیں گے یا نہیں، آتے ہیں تو بلاوا آتا ہے یا نہیں۔ پنشن بند ہو گئی تھی، معلوم نہیں کہ کب اس کا دوبارہ اجرا ہو۔

مشق

1 ۔ سوالات کے مختصر جوابات

(الف) مرزا غالبؔ نے میر مہدی حسین مجروح کو خط، بیرنگ کیوں بھیجا؟

جواب: مرزا غالبؔ نے بیرنگ خط اس لیے بھیجا کہ ان کے پاس نہ ٹکٹ تھا نہ ٹکٹ کے پیسے اور نہ ہی کاغذ تھا۔

(ب) مرزا غالبؔ نے میر مہدی مجروح کو خط کب لکھا؟

جواب: مرزا غالبؔ نے میر مہدی مجروح کو خط سہ شنبہ ۸ نومبر 1859ء کو لکھا۔

(ج) کون سی دو چیزوں پر محصول وصول نہیں کیا جاتا تھا؟

جواب: اناج اور اُپلے پر محصول وصول نہیں کیا جاتا تھا۔

(د) مرزا غالبؔ نے کتابوں پر کیا رائے دی ہے؟

جواب: مرزا غالب نے کتابوں پر اچھی رائے دی کہ ان کا چھاپا، خط کاغذ اور تقطیع و سیاہی دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔

(ہ) تفتہ نے غالبؔ کو خط کہاں سے لکھا تھا؟

جواب: منشی ہر گوپال تفتہ نے غالبؔ کو خط سکندر آباد سے لکھا تھا۔

2-درست جوابات کی نشاندہی کریں:

(الف) میر مجروح کے خط میں کس کی بیٹی کی پیدائش کا ذکر ہے؟

(الف) میر مجروح (ب) ✓ میر نصیر الدین (ج) میرن (د) شاہ محمد عظیم

(ب) "پون ٹوٹی" (چنگی) کس چیز پر معاف تھی؟

(الف) ترکاری اور پھل (ب) ✓ اناج اور اپلے (ج) غلہ اور ترکاری (د) پھل اور بادام

(ج) مرزا غالبؔ کو تفتہ کا خط کہاں سے آنا تھا؟

(الف) کلکتہ (ب) سکندر آباد (ج) ✓ کول (د) دہلی

(د) کس شخص نے کتابوں کی شیرازہ بندی کے بارے میں مرزا کو خط لکھا؟

(الف) تفتہ (ب) میرن (ج) میر مہدی مجروح (د) ✓ شیونرائن

(ہ) دوسرے خط کے مطابق مرزا غالبؔ کو کتنی کتابیں موصول ہوئیں؟

(الف) بیس (ب) ✓ تینتیس (ج) تیس (د) تینتالیس

(و) مرزا غالب نے تفتہ کو دوسرا خط کب لکھا؟

(الف) تین نومبر ۱۸۵۸ (ب) ۱۳ نومبر ۱۸۵۷ (ج) ✓ ۱۳ نومبر ۱۸۵۸ (د) ۲۳ نومبر ۱۸۵۸

3-خطوط غالبؔ کے متن کو ذہن میں رکھ کر درست یا غلط کی نشاندہی کریں۔

الف۔ مرزا غالبؔ نے میر نصیر الدین کو بیٹی کی پیدائش پر مبارک باد دی۔ ✓ درست / غلط

ب۔ تیسرے خط میں دار البقا کے فنا ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ ✓ درست۔ غلط

ج۔ مرزا غالبؔ نے تفتہ کو پہلا خط لکھا تو تفتہ کول میں تھے۔ درست / غلط ✓

د۔ مرزا غالب کو کتابیں ۱۲ نومبر ۱۸۵۸ء کو ملیں۔ ✓ درست / غلط

ہ۔ دوسرے خط میں دلی کے خاک نشینوں سے مراد خود مرزا غالبؔ کی ذات ہے۔ ✓ درست / غلط

4-ان جملوں کی وضاحت کریں۔

(الف) دار البقا فنا ہو جائے گا۔ رہے نام اللہ کا۔

جواب: دار البقا مفتی صدر الدین کی درسگاہ تھی جو جامع مسجد کے ساتھ تھی۔ مسجد بڑی کرنے کا پروگرام شروع ہوا تو دار البقا کو بھی گرا دیا گیا۔ غالب نے اپنے خط میں اس طرف اشارہ دیا ہے۔ مسجد اللہ کا گھر ہے۔ دار البقا گر جائے، مسجد باقی رہے گی، جیسے اللہ کا نام ہمیشہ باقی رہے گا۔

(ب) حاکم اکبر کی آمد سن رہے ہیں۔

جواب: 1857ء کی ناکام جنگ آزادی کے بعد جب بہادر شاہ ظفر کو رنگون میں قید کر دیا گیا تو اکثر یہ افواہیں گردش کرتی تھیں کہ بادشاہ آئے گا۔ جنگ آزادی کے دو سال بعد بھی یہی مشہور ہوا۔ غالبؔ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر وہ آتے ہیں تو بلاوا آتا ہے یا نہیں، کچھ پتہ نہیں۔

(ج) منشی بالمکند بے صبر کے ایک خط کا جواب ہم پر فرض ہے۔

جواب: منشی بالمکند بے صبر سکندر آباد کے رہنے والے تھے انہوں نے غالب کو خط میں اپنے سفر کا حال لکھا تھا۔ غالب کہتے ہیں کہ اب اس کا جواب فرض ہے لیکن اس خط کے مندرجات کا کیا جواب دیا جاسکتا ہے کہ منشی صاحب تو سفر میں ہیں۔ اس لئے میری طرف سے منشی ہر گوپال تفتہ صاحب آپ ان کو سلام کہہ دینا۔

(د) کیا یہ آئین جاری ہوا ہے؟

جواب: غالب منشی ہر گوپال کو کہتے ہیں کہ آپ نے خط نہیں لکھا کیا انگریزوں نے کوئی نیا حکم جاری کیا ہے کہ سکندر آباد والے دلی والوں کو خط نہ لکھیں۔

(ہ) خان چند کا کوچہ شاہ بولا کے برتک ڈھے گا۔

جواب: 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے دلی پر قبضہ کر لیا اور وہاں تبدیلیاں کیں چنانچہ غالبؔ بتا رہے ہیں کہ شہر میں عمارتیں گرانے کا عمل جاری ہے اور خان چند کا محلّہ شاہ بولا کے برگد کے درخت تک گرایا جائے گا۔

5-کالم (الف) کے الفاظ کالم (ب) سے ملائیں۔

جواب

کالم (الف)	کالم (ب)
پہلا خط	ہر گوپال تفتہ
شیونرائن	کتابوں کی شیرازہ بندی
دوسرا خط	ہر گوپال تفتہ
دارالبقا	فنا
غالب کے خطوط	خلیق انجم
بیٹی کا قدم مبارک	میر نصیر الدین

6-مندرجہ ذیل پر اعراب لگائیے:

مَجرُوح

تَفتَہ

مُجتَہِدُ العَصر

بَرخُوردَار

کثیر الانتخابی سوالات

درست جوابات کی نشاندہی کریں:

1-مرزا اسد اللہ خان غالب پیدا ہوئے:

(الف)1797ء آگرہ (ب)1797ء دلی (ج)1897ء کلکتہ (د)1897ء بنارس

2-مرزا غالب کے والد نے جب وفات پائی تو غالب کی عمر تھی:

(الف)4سال (ب)5سال (ج)6سال (د)7سال

3-والد کی وفات کے بعد غالب کی پرورش کی:

(الف)چچا طغرل بیگ نے (ب)ماموں علی بیگ نے (ج)چچا نصر اللہ بیگ نے (د)بھائی علی قلی خان نے

4-غالب کی شادی ہوئی امراؤ بیگم سے عمر میں:

(الف)تیرہ برس کی (ب)پندرہ برس کی (ج)سولہ برس کی (د)بارہ برس کی

5-شادی کے بعد غالب کب اور کہاں منتقل ہوئے؟

(الف)15سال کی عمر میں لکھنؤ (ب)15سال کی عمر میں پشاور (ج)15سال کی عمر میں دہلی (د)15سال کی عمر میں رنگون

6-غالب کو انگریز سرکار سے پینشن ملتی تھی۔

(الف)باسٹھ روپے چھ آنے سالانہ (ب)باسٹھ روپے چار آنے ماہوار (ج)باسٹھ روپے (د)تریسٹھ روپے دو آنے

7-خاندان مغلیہ کی تاریخ لکھنے کے عوض تنخواہ ماہوار ملنے لگی:

(الف)پچاس روپے (ب)60روپے (ج)70روپے (د)80روپے

8-غالب کس مشہور شاعر کی وفات کے بعد بہادر شاہ ظفر کے استاد مقرر ہوئے؟

(الف)مرزا رفیع سوداؔ (ب)میر انیسؔ (ج)ابراہیم ذوقؔ (د)شیفتہؔ

9-غالب نے وفات پائی:

(الف)15فروری1868ء (ب)15فروری1889ء (ج)13فروری1869ء (د)15فروری1869ء

10-غالب نے وفات پائی:

(الف)دہلی میں (ب)لکھنؤ میں (ج)آگرہ میں (د)اعظم گڑھ میں

11-غالب اپنے کلام کو زیادہ اونچے درجے کا خیال کرتے تھے:

(الف)فارسی (ب)عربی (ج)اردو (د)عربی و فارسی

12-غالب کو شہرت ملی:

(الف)اردو دیوان سے (ب)فارسی دیوان سے (ج)عربی دیوان سے (د)اردو اور عربی دیوان سے

13-غالب کی جدت پسندی نے نیا انداز و آہنگ دیا:

(الف)فارسی نثر کو (ب)اردو اور فارسی نثر کو (ج)عربی نثر کو (د)اردو نثر کو

14-غالب کے خطوط کا مجموعہ جوان کی زندگی میں ہی شائع ہوا:

(الف)مکتوبات غالبؔ (ب)مکاتیب غالبؔ (ج)عود ہندی (د)غالبؔ کے خطوط

15-غالب کے خطوط کا دوسرا مجموعہ جوان کی وفات کے ایک مہینہ بعد چھپا:

(الف)عود ہندی (ب)مکاتیب غالب (ج)مکتوبات غالب (د)اردوئے معلیٰ

16-مہر نیم روز تصنیف ہے:

(الف)شبلی کی (ب)حالیؔ کی (ج)غالبؔ کی (د)سرسید کے

17-خطوط غالب میں پہلا خط کس کے نام ہے؟

(الف)میر مہدی حسین مجروحؔ (ب)سرسید (ج)منشی ہرگوپال تفتہ (د)مولانا حالیؔ

18-غالب کی کتابوں سے متعلق مرزا مہر نے کتنا عرصہ بتایا؟

(الف)ایک ہفتہ (ب)دو ہفتے (ج)تین ہفتے (د)چار ہفتے

19-کس کے خط کا جواب دینا غالب کے ذمے فرض ہے؟

(الف)منشی شیونرائن (ب)منشی بالمکند بے صبرؔ (ج)منشی ہرگوپال تفتہؔ (د)میر مہدی مجروحؔ

20-غالب نے ہرگوپال تفتہ کو کس مطبع سے کتابوں کا حال دریافت کرنے کا کہا؟

(الف)دہلی (ب)آگرہ (ج)کلکتہ (د)بنارس

21-غالب نے منشی ہرگوپال تفتہ کے نام پہلا خط کب لکھا؟

(الف)3نومبر 1858ء (ب)4نومبر 1959ء (ج)10نومبر 1858ء (د)7نومبر 1858ء

22-کول پرانا نام ہے:

(الف)لکھنؤ کا (ب)آگرہ کا (ج)علی گڑھ کا (د)دلی کا

23-سکندر آباد شہر ہے:

(الف)یوپی کا (ب)سی پی کا (ج)مہاراشٹر کا (د)اورنگ آباد کا

24-منشی شیونرائن آرام سے رہتے تھے:

(الف)علی گڑھ میں (ب)اعظم گڑھ میں (ج)آگرہ میں (د)دلی میں

25-منشی بالمکند بے صبر باشندے تھے ــــــــ کے:

(الف)سکندر آباد (ب)محکمہ مال (ج)اورنگ آباد (د)دروغہ

26-مطبع آگرہ میں غالب کی کتاب چھپ رہی تھی:

(الف)قاطع برہان (ب)دستنبو (ج)عود ہندی (د)گلزار دنیا

27-منشی شیونارائن نے غالب کی کتابیں کس دن بھیجیں؟

(الف)ہفتہ 7نومبر (ب)اتوار 8نومبر (ج)منگل 10نومبر (د)جمعہ 12نومبر

28-غالب کی کتنی کتابیں مرزا حاتم علی کی تحویل میں ہیں؟

(الف)سات (ب)آٹھ (ج)نو (د)دس

29-غالب نے منشی ہر گوپال تفتہ کے نام دوسرا خط کب لکھا؟

(الف)12نومبر1858ء (ب)13نومبر1858ء (ج)15دسمبر1859ء (د)16نومبر1860ء

30-خطوط غالب میں تیسرا خط کس کے نام ہے؟

(الف)منشی ہر گوپال تفتہؔ (ب)میر مہدی حسین مجروحؔ (ج)میر بیر علی انیسؔ (د)میر ظفر اللہ خاں جمالی

31-میر مہدی کو خط لکھنے کے لیے غالب نے کاغذ پھاڑا:

(الف)کتاب سے (ب)دستے سے (ج)دیوان سے (د)ڈائری سے

32-غالب نے میر مہدی کو خط بھیجا:

(الف)ٹکٹ لگا کر (ب)بیرنگ (ج)دستی (د)نہیں بھیجا

33-_____نومبر صبح کا وقت ہے، جس کو عوام بڑی فجر کہتے ہیں:

(الف)دوشنبہ (ب)سہ شنبہ (ج)چہار شنبہ (د)پنج شنبہ

34-غالب نے میر نصیر الدین کی بیٹی کے لیے کیا نام تجویز کیا؟

(الف)شاد النسا بیگم (ب)زہرا بیگم (ج)عظیم النسا بیگم (د)وقار النسا بیگم

35-مجتہد العصر سے کون مراد ہے؟

(الف)میر سرفراز حسین (ب)میر آصف الدولہ (ج)میر نصیر الدین شاہ (د)میر شاہ عالم

36-میرن صاحب کا اصل نام تھا اور رہتے تھے:

(الف)میر افضل علی لکھنؤ (ب)میر اسلم کلکتہ (ج)میر کلیم الدین، دہلی (د)میر انیس فیض آباد

37-پون ٹوٹی(Town Duty)سے کیا مراد ہے؟

(الف)ٹیکس (ب)محصول چنگی (ج)عشر (د)زکوٰۃ

38-جامع مسجد کے گرد_____فٹ گول میدان نکلے گا۔

(الف)تیس پینتیس (ب)پچیس تیس (ج)تیس بتیس (د)پچیس پچیس

39-فنا ہو جائے گی۔

(الف)دار الحرب (ب)دار الامان (ج)دار البقا (د)دار السلام

40-_____کا کوچہ شاہ بولا کے بڑ تک ڈھے گا:

(الف)خان چند (ب)شاہ چند (ج)مان چند (د)من سنگھ

41-میر مہدی مجروح کو غالب نے خط لکھا:

(الف)7نومبر1959ء کو (ب)8نومبر1859ء کو (ج)10نمبر1858ء کو (د)3نومبر1858ء کو

42-خطوط غالب مرتب کیے:

(الف)ڈاکٹر سید عبداللہ نے (ب)ڈاکٹر جمیل جالبی نے (ج)ڈاکٹر خلیق انجم نے (د)ڈاکٹر عبادت بریلوی نے

43-میرن صاحب(میر افضل)لکھنؤ میں پڑھتے تھے:

(الف)قصیدہ (ب)لغت (ج)مرثیہ (د)مثنوی

44- شیخ ابراہیم ذوق نے وفات پائی:

(الف)1855ء میں (ب)1854ء میں (ج)1858ء میں (د)1856ء میں

45- مرزا غالب کو حاکم اکبر سے کس چیز کی توقع تھی؟

(الف)انعام (ب)پنشن (ج)وظیفہ (د)خلعت

46- "پون ٹوٹی" محصول چنگی تھی، اصل میں یہ لفظ کیا ہے؟

(الف)ٹاؤن ڈیوٹی (ب)ٹیکس ٹوٹی (ج)سکوٹی (د)پران ٹوٹی

جوابات:

1-الف	2-ب	3-ج	4-الف	5-ج
6-ب	7-الف	8-ج	9-د	10-الف
11-الف	12-الف	13-د	14-ج	15-د
16-ج	17-ج	18-الف	19-ب	20-ب
21-الف	22-ج	23-الف	24-ج	25-الف
26-ب	27-د	28-الف	29-ب	30-ب
31-الف	32-ب	33-ب	34-ج	35-الف
36-الف	37-ب	38-د	39-ج	40-الف
41-ب	42-ج	43-ج	44-ب	45-د
46-الف				

14 ۔ خطوطِ رشید احمد صدیقی

رشید احمد صدیقی

خلاصہ

رشید احمد صدیقی صاحبِ طرز انشاپرداز تھے۔ بنیادی طور پر وہ مزاح نگار اور مضمون نگار تھے۔ ان کے خطوط انشاپردازی کے عمدہ نمونہ ہیں۔

☆ پہلے خط میں جو ڈاکٹر محمد حسن کے نام ہے اس میں ساہتیہ اکادمی سے ملنے والے اعزاز کا بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ خوش ہوں لیکن اس کے بارے میں ابھی گھر والوں کو نہیں بتایا۔ تصدیق ہو جائے تو اچھا ہے۔ اس میں آپ کا تعاون بھی رہا۔ آپ کے احسانات مجھ ناچیز پر بہت زیادہ ہیں۔ آپ کی شرافت قابلیت دیرینہ وضع داری میرے ساتھ کسی بزرگ دوست اور عزیز سے کم نہیں۔

☆ دوسرا خط جو رشید احمد صدیقی نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے 10 جولائی 1973ء کو ظہیر احمد صدیقی کے نام لکھا اس میں وہ ان کے والد محترم کی وفات پر تعزیت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کی وفات سے ہم سب کو بہت بڑا صدمہ ہوا ہے اور ان کے جانے سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ کسی طرح بھی پُر ہوتا نظر نہیں آتا۔ مرحوم کے زیر سایہ آپ نے پرورش پائی۔ یہ آپ کے لئے بڑی سعادت ہے۔ اردو فارسی اور عربی ادبیات پر مرحوم کی گہری نظر تھی وہ علمی مسائل پر بڑی سنجیدگی سے اظہار خیال فرماتے۔ اللہ تعالی مرحوم کو اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے اور آپ کو صبر جمیل عطا کرے۔

☆ ذاکر باغ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پروفیسر سید بشیر الدین کے نام خط میں لکھتے ہیں کہ جواب میں دیر ہو گئی میں اپنے ذمہ کچھ قرض نہیں رکھنا چاہتا۔ کچھ دنوں سے ہجوم میں بھی تنہائی کا احساس ہونے لگا ہے۔ آپ نے علی گڑھ اور الٰہ آباد کے موجود شب و روز کے بارے میں لکھا ہے۔ میں ان کی صداقت کا اقرار کرتا ہوں کیوں کہ میں خود ایسے حالات سے گزر رہا ہوں۔ مسلمانوں کا موجودہ صدی کے ابتدائی 30، 40 سالوں میں یہی حال رہا۔ مشترک خصوصیات اور رجحانات تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر اور آگے بالعموم مسجد مکتبوں میں مکمل ہوتی تھی یا گھریلو لائبریری سے فائدہ حاصل ہوتا تھا۔ اخلاقی اور تفریحی کتابیں ہمارے تخیل کو گرمی اور جولانی بخشتیں اور یہی تخیل ہم کو یا ہم اس کو لیے علی گڑھ میں داخل ہوئے۔ علی گڑھ نے ہمیں اخلاقیات سے متعارف کروایا۔ اس پر ہمیں فخر ہے۔ آپ کی ہندوستان گیر شہرت سے آپ کی انہیں کتابوں کے حوالے سے ہے، اس کا آپ نے حق ادا کر دیا۔ آپ کی علی گڑھ سے بڑی نسبت رہی اس کے لیے آپ مدتوں یاد رکھے جائیں گے۔ علی گڑھ کی وہی قدر و قیمت ہے جو ہندوستان کے باہر اس علم و فن کی ہے۔ بہت سے لوگ اچھی چیز کا احترام کرنے کی استعداد سے محروم ہو چکے ہیں لیکن ان کو بھی شہرت اقتدار اور دولت اسی طفیل نصیب ہوئی یہاں سے دور رہ کر وہ اس کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔

مشق

1-سوالات کے مختصر جوابات

(الف) رشید احمد صدیقی کے پہلے خط کے مخاطب کا نام کیا ہے؟

جواب: ڈاکٹر محمد حسن۔

(ب) "خطوط کا جواب عموماً ہم روزہ دیتا ہوں" اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے خط کا جواب اسی دن دینا۔

(ج) مکتوب نگار نے خاندانوں کی مشترک خصوصیات و روایات کا سرچشمہ کس چیز کو قرار دیا ہے؟

جواب: مشترک خصوصیات کا سرچشمہ مذہب، اخلاق، تاریخ اور تہذیب تھی۔

(د) ظہیر الدین صدیقی کے نام مکتوب میں کس شخصیت کی وفات پر اظہار تعزیت کیا گیا ہے؟

جواب: مولانا ضیا احمد مرحوم صاحب۔

(ہ) ڈاکٹر محمد حسن کا شکریہ کس بات پر ادا کیا گیا ہے؟

جواب: اُن کی خدمات اور محبت کا شکریہ ادا کیا گیا ہے۔

2- متن کی روشنی میں قوسین میں دیے گئے الفاظ میں سے درست لفظ کا انتخاب کر کے خالی جگہ پُر کیجئے۔

الف۔ رشید احمد صدیقی نے اپنے خوابوں کی تعبیر ——— میں پائی۔ (کلکتہ، ✓ علی گڑھ، دہلی)

ب۔ سید بشیر الدین لائبریری کے متہم کے علاوہ ——— بھی تھے۔ (متعلم، معلم، ✓ علم کے متلاشی)

ج۔ رشید احمد صدیقی بشیر احمد صاحب کو مزید لکھنا چاہتے تھے، مگر ——— (انہیں نیند آگئی، ✓ وہ تھک گئے، ایک اور کام میں مصروف ہو گئے)

د۔ صدیقی صاحب نے ——— کے والد صاحب کی وفات پر انہیں تعزیتی خط لکھا۔ (✓ ظہیر احمد صدیقی، محمد حسن، بشیر الدین)

ہ۔ رشید احمد صدیقی کو ۲۴ فروری ۱۹۷۳ء کو ایک ——— ملی۔ (✓ خوش خبری، رجسٹری، بد خبری)

3- سبق "خطوط رشید احمد صدیقی" کا متن مد نظر رکھ کر درست جواب کی نشاندہی کریں:

(الف) رشید احمد صدیقی نے خطوط کس شہر سے بھجوائے؟

(الف) دِلّی (ب) ✓ علی گڑھ (ج) لاہور (د) لکھنؤ

(ب) رشید احمد صدیقی نے اپنے خط میں کس کے گراں بار احسانات کا شکریہ ادا کیا؟

(الف) مولانا ضیا احمد (ب) ✓ ڈاکٹر محمد حسن (ج) ظہیر احمد صدیقی (د) سید بشیر الدین

(ج) رشید احمد صدیقی نے خط میں کس کے سانحہ رحلت کا ذکر کیا ہے؟

(الف) ✓ مولانا ضیا احمد (ب) بیگم ڈاکٹر محمد حسن (ج) برادر سید بشیر الدین (د) بیگم سید بشیر الدین

(د) مکتوب نگار نے اپنے خط بنام ڈاکٹر محمد حسن میں کس خوش خبری کا ذکر کیا ہے؟

(الف) غالب ایوارڈ ملنے کی (ب) تصنیف پر نقد رقم ملنے کی (ج) محکمانہ ترقی کی (د) ✓ ساہتیہ اکادمی کی طرف سے ملنے والے اعزاز کی

(ہ) خط بنام پروفیسر بشیر الدین میں کن لوگوں کی احترام کرنے کی صلاحیت سے محرومی کا ذکر کیا ہے؟

(الف) علم و عمل سے خالی (ب) احترام کے مفہوم سے نابلد (ج) ✓ علی گڑھ کی ناقدری کرنے والے (د) مادیت پسند

(و) "بہت کچھ اور لکھنا چاہتا تھا لیکن تھک گیا" صدیقی صاحب نے یہ جملہ کس کے نام لکھا؟

(الف) ظہیر احمد صدیقی (ب) ✓ سید بشیر الدین (ج) ڈاکٹر محمد حسن (د) مولانا ضیا احمد

4-درج ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

جوابات:

الفاظ	جملے
استعداد	طلباء اساتذہ کی رہنمائی میں اپنی تعلیمی استعداد بڑھاتے ہیں۔
کرشمہ	پاکستان قدرت کا کرشمہ ہے۔
اسلاف	ہمیں اسلاف کی روایات پر عمل کرنا چاہیے۔
متنوع	رشید احمد صدیقی کے خطوط میں وسیع اور متنوع موضوعات ہے۔
اشغال	بچے مختلف اشغال میں مصروف تھے۔
متہم	کسی بھی ادارہ میں نظم وضبط کی پابندی متہم اعلیٰ کی ذمہ داری ہے۔
طفیل	والدین کی دعاؤں کے طفیل کامیابی ملتی ہے۔
سعادت	خدا نے میرے والدین کو حج کی سعادت نصیب فرمائی۔
معظمات	میں اپنے والدین کے سایہ شفقت میں زندگی کے معظمات سے بہرہ مند ہوا۔

5-کالم (الف) کے اندراجات کو کالم (ب) سے ملائیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)
تعزیت نامہ	علی گڑھ یونیورسٹی
ہجوم میں	مشترک مکتبوں
رشید احمد صدیقی	بنام ظہیر احمد صدیقی
ابتدائی تعلیم وتربیت	دوسرا خط
۳نومبر ۱۹۷۳ء	احساس تنہائی

6-درج ذیل الفاظ کے متضاد لکھیے۔

الفاظ	متضاد
اسلاف	بچے
نیک نام	بدنام
سخاوت	کنجوسی
اعتراف	انکار
آباد	ویران
نشیب	فراز

کثیر الانتخابی سوالات

درست جوابات کی نشاندہی کریں:

1-رشید احمد صدیقی کا سن پیدائش ہے:

(الف)1896ء (ب)1898ء (ج)1899ء (د)1900ء

2-رشید احمد صدیقی کا سن وفات ہے:

(الف)1970ء (ب)1972ء (ج)1977ء (د)1978ء

3-رشید احمد صدیقی کس شہر کے قصبے مریاہو ضلع بلیا میں پیدا ہوئے؟

(الف)لکھنؤ (ب)اتر پردیش (ج)دہلی (د)حیدر آباد

4-آپ ابتدائی تعلیم کے بعد چلے گئے:

(الف)جون پور (ب)رام پور (ج)بریلی (د)انگلستان

5-آپ نے انٹرنس پاس کیا:

(الف)1910ء میں (ب)1911ء میں (ج)1912ء میں (د)1914ء میں

6-آپ نے 1921ء میں ایم اے کیا:

(الف)لکھنؤ سے (ب)علی گڑھ سے (ج)ندوۃ العلماء سے (د)آکسفورڈ سے

7-آپ اردو کے لیکچرار رہے:

(الف)علی گڑھ یونیورسٹی میں (ب)آکسفورڈ یونیورسٹی میں (ج)پنجاب یونیورسٹی میں (د)الٰہ آباد یونیورسٹی میں

8-رشید احمد صدیقی بنیادی طور پر ہیں:

(الف)ناول نگار (ب)افسانہ نگار (ج)شاعر (د)طنز و مزاح نگار

9-رشید احمد صدیقی کے خطوط کے مجموعے چھپ چکے ہیں:

(الف)نصف درجن (ب)ایک درجن (ج)دو درجن (د)تین درجن

10-رشید احمد صدیقی کی تصانیف میں شامل ہیں:

(الف)لسانیات (ب)زادِ راہ (ج)آشفتہ بیانی میری (د)خندہ نوازی

11-رشید احمد صدیقی کا پہلا خط ہے:

(الف)ڈاکٹر محمد حسن کے نام (ب)ظہیر احمد صدیقی کے نام (ج)سید بشیر الدین کے نام (د)سلیمان اطہر کے نام

12- سب سے پہلے نوازش نامے سے مصنف کو مل گئی:

(الف)محبت (ب)خوشی (ج)خوشخبری (د)اطلاع

13-سب سے پہلے شکریہ ادا کروں:

(الف)حمایت کا (ب)نوازش کا (ج)مہربانی کا (د)محبت کا

14-خوشخبری کی تصدیق ہوئی:

(الف)ٹیلی ویژن سے (ب)اخبار سے (ج)ریڈیو سے (د)دوستوں سے

15-نظام خطبات کو شہرت دینے اور کامیاب بنانے میں رشید احمد صدیقی کے دوستوں کا حصہ ہے:

(الف) بہت زیادہ (ب) بہت کم (ج) تھوڑا بہت (د) گراں قدر

16-اللہ تعالی آپ کو خوش، نیک نام اور رکھے:

(الف) صحت مند (ب) اقبال مند (ج) دولت مند (د) تنومند

17-رشید احمد صدیقی نے ظہیر احمد صدیقی کے نام خط لکھا:

(الف) 10 جولائی کو (ب) 12 جولائی کو (ج) 15 جولائی کو (د) 20 جولائی کو

18-مولانا ضیا احمد صاحب مرحوم آپ کے والد محترم میرے اور کتنے ہی دوسروں کے تھے:

(الف) مہربان (ب) رفیق و شفیق (ج) دوست (د) استاد

19-ہم سب کو صدمہ ہے مرحوم کے:

(الف) حادثے پر (ب) بچھڑنے پر (ج) چلے جانے پر (د) سانحہ رحلت پر

20-مرحوم کے سایہ شفقت میں آپ زندگی کے معظمات سے ہوئے:

(الف) کامیاب (ب) بہرہ مند (ج) سرخرو (د) مستفید

21-مرحوم سے شاید ہی کسی شخص کو کبھی پہنچی ہو:

(الف) تکلیف (ب) اذیت (ج) نفرت (د) سزا

22-اردو، فارسی اور عربی ادبیات پر مرحوم کی نظر تھی:

(الف) گہری (ب) وسیع (ج) متنوع (د) تینوں

23-ضیا احمد صاحب مرحوم کبھی زبان پر نہیں لاتے:

(الف) نامناسب الفاظ (ب) ناملائم الفاظ (ج) ناپسندیدہ الفاظ (د) شکایت

24-آپ سنجیدگی اور شوق سے اظہار خیال فرماتے:

(الف) حالات حاضرہ پر (ب) شاعری پر (ج) علمی مسائل پر (د) خانگی حالات پر

25-مشرقی ادب اور آداب کی محفل میں جگہ خالی ہوئی ہے مرحوم کی:

(الف) جدائی سے (ب) مفارقت سے (ج) لاتعلقی سے (د) کنارہ کشی سے

26-رشید احمد صدیقی خطوط کا جواب دیتے ہیں:

(الف) جلدی (ب) دیر سے (ج) ہم روزہ (د) کبھی کبھار

27-کچھ دنوں سے ہجوم میں احساس ہونے لگا ہے:

(الف) تنہائی کا (ب) خوشی کا (ج) غم کا (د) اداسی کا

28-موجودہ صدی کی ابتدا میں تقریباً 30، 40 سال تک بحر متوسط مسلمان گھرانے کا یہی رہا:

(الف) حال (ب) کام (ج) نقشہ (د) انداز

29-مشترک خصوصیات و روایات اور رجحانات تھے:

(الف) قوموں کے (ب) لوگوں کے (ج) خاندانوں کے (د) مسلمانوں کے

30- مشترک خاندان کے افراد کی ابتدائی تعلیم و تربیت ہوتی تھی:

(الف) مشترک سکولوں میں (ب) مشترک مدرسوں میں (ج) مشترک مکتبوں میں (د) مشترک اداروں میں

31- مزید مطالعے کا کام لیا جاتا تھا گھر کے:

(الف) لوگوں سے (ب) بزرگوں سے (ج) افراد سے (د) ذخیرہ کتب سے

32- گھر کے ذخیرہ کتب میں کتابیں ہوتیں:

(الف) مذہبی (ب) اخلاقی (ج) تفریحی (د) تینوں

33- اسی تخیل کو لئے ہوئے یا یہ تخیل ہم کو لئے ہوئے داخل ہوئی:

(الف) لکھنؤ (ب) علی گڑھ (ج) حیدر آباد (د) دہلی

34- جو باتیں اس سے پہلے خواب میں دیکھی تھیں علی گڑھ میں اور پائی ان کی:

(الف) تصویر و تکمیل (ب) نظیر (ج) عملی صورت (د) سچائی

35- یہاں سے وہ کرشمہ انقلاب یا قلب ماہیت شروع ہوتی ہے جس کا دوسرا نام ہے:

(الف) ندوۃ العلماء (ب) مثالی درسگاہ (ج) علی گڑھ (د) سندھ مدرسۃ الاسلام

36- اسلاف اور خاندان کے ساتھ رہنے اور رنج و راحت میں شریک ہونے میں ہے:

(الف) عظمت (ب) شان (ج) بڑائی (د) عزت

37- جن کتابوں اور سربراہوں نے آپ کو متاثر کیا مجھے بھی کیا:

(الف) معمولی سا (ب) تھوڑا بہت (ج) کچھ زیادہ ہی (د) کم و بیش

38- آپ کو سونپی گئی کتابوں کی دولت اور:

(الف) امانت (ب) عزت (ج) ذمہ داری (د) نگرانی

39- آپ نے حق ادا کر دیا اپنی:

(الف) عزت کا (ب) دولت کا (ج) متواتر اور مسلسل مانگ کا (د) ضرورت کا

40- جو شخص آپ کو جانتا ہے وہ آپ کے انگریزی اور وسیع و متنوع مطالعے کا ہے:

(الف) دیوانہ (ب) شوقین (ج) معترف (د) گرویدہ

41- ایک متہم اور ایک جویائے علم دونوں کی حیثیت سے آپ نے پورا کر دیا:

(الف) علم کے تقاضوں کو (ب) لائبریری کے تقاضوں کو (ج) معاشرے کے تقاضوں کو (د) کتابوں کے تقاضے کو

42- آپ مدتوں یاد رکھے جائیں گے علی گڑھ کی:

(الف) نسبت کی وجہ سے (ب) محبت کی وجہ سے (ج) شہرت کی وجہ سے (د) مٹی کی وجہ سے

43- علی گڑھ کا آپ کا مطالعہ ہے:

(الف) وسیع (ب) کم (ج) زیادہ (د) قابل غور

44- ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو اچھی اور بڑی چیز کا اہتمام کرنے کی نہیں رکھتے:

(الف) استعداد (ب) پہچان (ج) طاقت (د) قدرت

45-رشید احمد صدیقی کے تینوں خطوط کس مقام سے لکھے گئے؟

(الف)ناصر باغ (ب)گول باغ (ج)ذاکر باغ (د)انوار باغ

جوابات:

1-الف	2-ج	3-ب	4-الف	5-د
6-ب	7-الف	8-د	9-ب	10-ج
11-الف	12-ج	13-د	14-ج	15-د
16-ب	17-الف	18-ب	19-د	20-ب
21-الف	22-د	23-ب	24-ج	25-ب
26-ج	27-الف	28-ج	29-ج	30-ج
31-د	32-د	33-ب	34-الف	35-ج
36-ج	37-د	38-الف	39-ج	40-ج
41-ب	42-الف	43-د	44-الف	45-ج

15 ۔ میدانِ کربلا میں گرمی کی شدت

(میر انیسؔ)

بند نمبر 1

گرمی کا روزِ جنگ کی، کیونکر کروں بیاں
ڈر ہے کہ مثلِ شمع نہ جلنے لگے زباں
وہ لو کہ الحذر، وہ حرارت کہ الاماں
رن کی زمیں تو سرخ تھی اور زرد آسماں
آبِ خنک کو خلق ترستی تھی خاک پر
گویا ہوا سے آگ برستی تھی خاک پر

تشریح:

میر ببر علی انیسؔ بلند پایہ مرثیہ گو شاعر تھے۔ نظم "میدان کربلا میں گرمی کی شدت" ان کے ایک طویل مرثیے کا حصہ ہے، جس میں تخیل اور لفظی تصویر کاری سے میدان کربلا میں گرمی کی شدت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

میر انیسؔ میدان کربلا میں گرمی کی انتہا کو بیان کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جنگ کے روز بے حد و حساب گرمی تھی۔ اتنی گرمی تھی کہ اس گرمی کا ذکر کرتے وقت یہ ڈر ہے کہ زبان ہی نہ جلنے لگ جائے۔ کرب و بلا ریگستانی خطہ ہے۔ یہاں موسم گرما شدید اور طویل ہوتا ہے۔ محرم میں حضرت امام حسین رضی اللہ کوفہ کی طرف اپنی بیعت کے لیے عازم سفر تھے۔ انہیں یزیدی لشکر نے میدان کربلا میں پڑاؤ ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ وہاں شدید گرمی تھی اتنی لو تھی کہ انس و چرند پرند پناہ مانگتے تھے، اتنی تپش تھی کہ ہر ذی روح امان طلب کرتا تھا۔ میدان جنگ کی زمین شدید ترین گرمی کے باعث یوں سرخ ہو چکی تھی جیسے لوہا بھٹی میں لال ہو جاتا ہے۔ آسمان بھی شدتِ تپش کے باعث نیلے سے پیلے رنگ میں تبدیل ہو چکا تھا۔ جب گرمی زوروں پر ہو تو دھول مٹی اڑتی ہے اور گرد و غبار کے بادل مطلع آسمان کو گرد آلود کر دیتے ہیں جس سے اس کا رنگ بدل جاتا ہے۔ نیز نمی نہ ہونے کے باعث آسمان کا رنگ زرد زرد سا محسوس ہوتا ہے۔ اس دن بھی یوں ہی ہوا تھا۔ زمین پر ایک اور قیامت خیز منظر تھا، ٹھنڈا پانی نایاب تھا۔ چشمہ و دریا کا پانی ابل رہا تھا۔ باد سموم چل رہی تھی۔ گرم لو کے تکلیف دہ جھونکے ہر شے کو خشک کر رہے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ ہوا سے آگ برس رہی ہو۔ عام طور پر پانی بخارات بن کر اڑے تو ہوا میں خنکی پیدا ہوتی ہے لیکن وہاں بالکل متضاد منظر تھا۔ اتنی شدید گرمی تھی ہوا میں شدید ترین تپش تھی۔ گرم ہوا گویا کسی آگ کے الاؤ سے آ رہی تھی جس نے پورے صحرا کو تنور کی طرح گرم کر دیا تھا۔ ایسے میں راہ حق کے مجاہد نام خدا بلند کرنے کے لیے ثابت قدمی سے باطل کے خلاف ڈٹے ہوئے تھے۔

بند نمبر 2:

وہ لو، وہ آفتاب کی حِدت، وہ تاب و تب
کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثالِ شب
خود نہرِ علقمہ کے بھی سُوکھے ہوئے تھے لب
خیمے جو تھے حبابوں کے، تپتے تھے سب کے سب
اُڑتی تھی خاک، خوش تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فُرات کا

تشریح:

میر ببر علی انیس بلند پایہ مرثیہ گو شاعر تھے۔ نظم "میدان کربلا میں گرمی کی شدت" ان کے ایک طویل مرثیے کا حصہ ہے، جس میں تخیل اور لفظی تصویر کاری سے میدان کربلا میں گرمی کی شدت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

شاعر میدان کربلا میں گرمی کی شدت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ہوا شدید گرم تھی۔ باد سموم سے ہر چیز جھلس رہی تھی۔ سورج کی حدت اپنی پوری شدت کے ساتھ ہر زمینی شے کو متاثر کر رہی تھی۔ اتنی تپش تھی کہ انسان چرند پرند اور پودے سبھی بے حال تھے۔ گرمی کی حدت کے سبب گرد و غبار کے بادل پورے آسمان کو اپنے محیط میں لیے ہوئے تھے۔ فضا کی ہر چیز جلی ہوئی تھی۔ دھوپ سے فضا جل کر کالی ہو گئی تھی اور دن میں رات کا سماں تھا۔ میدان کربلا میں موجود نہر علقمہ کے لب گرمی کی حدت و شدت سے سوکھے ہوئے تھے۔ نہر علقمہ میں پانی نایاب ہو چکا تھا۔ فرات کے پانی میں بلبلوں کی بری حالت تھی، وہ سب تپ رہے تھے۔ عام طور پر موسم گرما میں دریا کا پانی ٹھنڈا ہوتا ہے۔ اور ارد گرد علاقہ بھی گرمی کی حدت سے محفوظ ہوتا ہے لیکن میدان کربلا میں نہر علقمہ کے ارد گرد آسمان سے آگ برس رہی تھی۔ شدید گرمی اور حدت سے زمین سوکھ چکی تھی اور اوپری تہہ دھول مٹی میں تبدیل ہو چکی تھی۔ ریت اور مٹی ہوا کے دوش پر اڑ رہی تھی۔ زندگی کا چشمہ خشک ہو چکا تھا۔ ہر ذی روح کے لیے جینا محال ہو چکا تھا۔ دھوپ کی تپش سے دریائے فرات کا پانی یوں کھول رہا تھا گویا اسے آگ کے الاؤ پر رکھ دیا گیا ہو۔ شاعر نے اگرچہ مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے تاہم مطمع نظر یہ ہے کہ میدان کربلا میں جہاں امام حسین اور دوسرے راہ حق کے مجاہد خیمہ زن تھے وہاں گرمی زوروں پر تھی۔ گرمی کے باعث ابتلا و آزمائش راہِ حق کے قافلے کو درپیش تھی۔

بند نمبر 3:

جھیلوں سے چارپائے نہ اٹھتے تھے تا بہ شام
مسکن میں مچھلیوں کے سمندر کا تھا مقام
آہو جو کاہلے تھے تو چیتے سیاہ فام
پتھر پگھل کے رہ گئے تھے مثلِ مومِ خام
سُرخی اُڑی تھی پھولوں سے، سبزی گیاہ سے

پانی کنوؤں میں اُترا تھا سائے کی چاہ سے

تشریح:

میر ببر علی انیسؔ بلند پایہ مرثیہ گو شاعر تھے۔ نظم "میدان کربلا میں گرمی کی شدت" ان کے ایک طویل مرثیے کا حصہ ہے، جس میں تخیل اور لفظی تصویر کاری سے میدان کربلا میں گرمی کی شدت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

میر انیسؔ میدان کربلا میں گرمی کی شدت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سورج آگ برسا رہا تھا شدید لو اور حدت تھی۔ تمام ذی روح سہمے ہوئے اپنی اپنی پناہ گاہوں میں دبکے بیٹھے تھے۔ جن کو جھیلوں کی قربت میسر تھی وہ تمام چوپائے جھیلوں میں پانی میں بیٹھ کر گرمی کا مقابلہ کر رہے تھے اور پانی سے ٹھنڈک حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ چوپائے سارا سارا دن جھیلوں میں بیٹھے رہتے اور شام سے پہلے باہر نہ نکلتے۔ سمندر مچھلیوں کا ٹھکانہ تھا اور وہ زیر آب آگ برساتے سورج اور جلانے والی لو سے بچنے کے لئے چھپی ہوئی تھیں۔ گرمی کی شدت سے ہرنوں کی طاقت ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ ہر وقت دوڑنے بھاگنے میں مشہور ہرن گرمی سے نڈھال ہو کر سست اور کاہل ہو چکے تھے، دوڑنے بھاگنے کی طاقت سلب ہو چکی تھی۔ گرمی کی حدت اور شدت سے چیتوں کا رنگ کالا پڑ چکا تھا۔ جانوروں میں پھرتیلے اور چست نظر آنے والے جانور چیتے، بے حال اور نڈھال تھے اور رنگ تبدیل ہو چکی تھی۔ پتھر بھی گرمی کا مقابلہ نہیں کر پائے تھے۔ اتنی گرمی تھی کہ پتھر کچی موم کی طرح پگھل چکے تھے۔ پتھر سخت سے سخت درجہ حرارت کو سہہ جاتے ہیں لیکن میدان کربلا میں شاعر کے بقول اتنی گرمی تھی کہ پتھر بھی گرمی کی شدت برداشت نہ کر سکے اور غیر پختہ موم کی مانند پگھل کر رہ گئے۔ اتنی زوروں کی گرمی تھی کہ پھول اپنا رنگ و روپ کھو بیٹھے تھے۔ تمام گلوں سے سرخی غائب تھی۔ ہری بھری گھاس کا رنگ اُڑ چکا تھا، گھاس پیلی پڑ چکی تھی۔ کنوؤں میں پانی، گرمی سے گھبرا کر سائے کی تلاش میں، گہرائی میں اتر چکا تھا۔ یعنی شدید گرمی سے پانی بھی پناہ مانگ رہا تھا۔

بند نمبر 4:

کوسوں کسی شجر میں نہ گل تھے، نہ برگ و بار
ایک ایک نخل جل رہا تھا صورتِ چنار
ہنستا تھا کوئی گل نہ لہکتا تھا سبزہ زار
کانٹا ہوئی تھی سوکھ کے ہر شاخِ بار دار
گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتے بھی مثلِ چہرہ مدقوق زرد تھے

تشریح:

میر ببر علی انیسؔ بلند پایہ مرثیہ گو شاعر تھے۔ نظم "میدان کربلا میں گرمی کی شدت" ان کے ایک طویل مرثیے کا حصہ ہے، جس میں تخیل اور لفظی تصویر کاری سے میدان کربلا میں گرمی کی شدت کی منظر کشی کی گئی ہے۔

میر انیس میدان کربلا جہاں حسینی اور یزیدی لشکر کا مقابلہ تھا، میں گرمی کی شدت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دسویں محرم کو بے حساب گرمی تھی۔ ہر چیز جھلس چکی تھی۔ میلوں تک گرمی کا راج تھا۔ درختوں پر سے پھل پھول غائب تھے۔ سب گرمی کا شکار ہو چکے تھے، کھجور کا ہر درخت بے ثمر چنار میں تبدیل ہو چکا تھا۔ سارے نخلستان ٹنڈ منڈ ہو چکے تھے۔ نہ تو کہیں کلیاں تبسم کرتی تھیں نہ سبزہ زار مہکتے تھے۔ گرمی نے سبزہ زاروں اور گلوں کے چہروں کو کُملا دیا تھا یا سکھا دیا تھا۔ پھلدار درختوں کی ہر شاخ سوکھ کر کانٹا ہو چکی تھی۔

شدید گرمی نے ہر ذی روح پر اثرات مرتب کیے تھے۔ ہر کوئی پریشان تھا اور زندگی ختم ہونے کے خوف سے دوچار تھا۔ سب کے دل گرمی کے اثرات سے موت آنے کے ڈر سے سرد پڑ چکے تھے۔ حرکتِ قلب گرمی کی مرہونِ منت ہے لیکن اس بلا کی گرمی سے وہاں ہر زندہ شے کے دل، جان کے خوف کے باعث ٹھنڈے پڑ چکے تھے۔ پتے تب دق کے مریض کے چہرے کی طرح پیلے پڑ چکے تھے۔

بند نمبر 5

شیر اُٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے
آہُو نہ مُنھ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غُبار سے
گردُوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بُخار سے
گرمی سے مُضطرِب تھا زمانہ زمین پر
بُھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

تشریح:

میر ببر علی انیسؔ بلند پایہ مرثیہ گو شاعر تھے۔ نظم "میدان کربلا میں گرمی کی شدت" ان کے ایک طویل مرثیے کا حصہ ہے، جس میں تخیل اور لفظی تصویر کاری سے میدان کربلا میں گرمی کی شدت کی منظر کشی کی گئی ہے۔

میر انیسؔ میدانِ کربلا میں گرمی کی شدت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تیز دھوپ کی تمازت نے ہر زندہ شے کو بے حال کر دیا تھا اور شیر جیسا بہادر جانور دھوپ کے ڈر سے اپنی کچھار سے باہر نہیں نکل رہا تھا۔ ہرنوں کی جان لبوں پر آئی ہوئی تھی، وہ سبزہ زاروں میں سائے میں بیٹھے گرمی سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ تیز دھوپ کے باعث سطحِ زمین دھول مٹی میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اور فضا ساری دھول مٹی سے اٹی ہوئی تھی۔ گرد و غبار کے بادلوں نے سورج کے چہرے کو مکدر کر دیا تھا۔ زمین اتنی گرم تھی کہ اس کی حدت سے آسمان کو بخار ہو چکا تھا۔ زمین پر انسان چرند پرند سب بے چین اور بے حال تھے۔ گرمی برداشت سے باہر ہو چکی تھی۔ زمین اتنی گرم ہو چکی تھی کہ بھٹی پر رکھے ہوئے برتن کی طرح تپ چکی تھی۔ چنانچہ اناج کا جو بھی دانہ زمین پر گرتا بھن جاتا۔ میر انیسؔ نے راہ حق کے مجاہدوں یعنی حسینی قافلے کے ارکان کی قوت برداشت اور ثابت قدمی کو اجاگر کرنے کے لئے دسویں محرم کی گرمی کی شدت کو بیان کیا ہے کہ اتنی زوروں کی گرمی میں بھی قافلہ راہِ حق کے پایہ استقلال میں لغزش نہیں آئی تھی۔

بند نمبر 6:

گرداب پر تھا شعلہ جوالہ کا گُمان
انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں
منھ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زباں
تہ پر تھے سب نہنگ، مگر تھی لبوں پہ جاں
پانی تھا آگ، گرمیِ روزِ حساب تھی
ماہی جو سیخ موج تک آئی، کباب تھی

تشریح:

میر ببر علی انیسؔ بلند پایہ مرثیہ گو شاعر تھے۔ نظم "میدان کربلا میں گرمی کی شدت" ان کے ایک طویل مرثیے کا حصہ ہے، جس میں تخیل اور لفظی تصویر کاری سے میدان کربلا میں گرمی کی شدت کی منظر کشی کی گئی ہے۔

میر انیسؔ میدانِ کرب وبلا میں گرمی کی شدت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دریا میں موجود بھنور پر گھومتے ہوئے شعلے کا گماں ہوتا تھا۔ گویا پانی اتنا گرم ہو چکا تھا کہ گرداب پر دہکتے الاؤ اور گھومتے ہوئے شعلے کا گماں ہوتا تھا۔ بلبلے گرمی کی شدت سے انگاروں میں تبدیل ہو چکے تھے اور پانی چنگاریاں اڑا رہا تھا۔ پانی کی تمام موجیں بے چین تھیں اور مارے گرمی کے ان کی زبانیں منہ سے باہر لٹک رہی تھیں۔ جیسے جانور گرمی سے بے حال اور نڈھال ہو کر زبانیں باہر نکال لیتے ہیں اسی طرح لہریں بھی گرمی سے بے حال ہو چکی تھیں۔ اتنی شدید گرمی تھی کہ پانی میں رہنے والے بڑے جانور جیسے مگرمچھ، زیرِ آب تھے اور گرمی کی حدت و شدت سے بچنے کے لیے تہہ میں پناہ لیے ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود ان کی جان لبوں پہ آئی ہوئی تھی۔ گرمی کی حدت وہاں بھی پوری آب وتاب سے موجود تھی۔ پانی آگ کی مانند گرم تھا اور اتنی شدید گرمی تھی کہ روز قیامت کا گماں ہوتا تھا۔ قیامت کے دن جب سورج سوا نیزے پر ہو گا تو شدید گرمی ہو گی اور شدتِ گرمی سے انسانوں کی زبانیں باہر لٹک رہی ہوں گی۔ اور زمین تانبے کی طرح سرخ ہو گی۔ دسویں محرم کو بھی اتنی گرمی تھی کہ قیامت کا دن محسوس ہوتا تھا۔ گرمی کی انتہا کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پانی کھول رہا تھا اور وہ مچھلی جو موج کی سیخ تک یا سطح آب تک آتی کباب کی مانند بھن جاتی۔ میر انیسؔ نے معرکہ حق و باطل جو حسینی (رضی اللہ) قافلے اور یزیدی فوجوں کے درمیان ہوا تھا اس دن کی گرمی کو بیان کر کے امام حسین (رضی اللہ) اور ان کے رفقاء کے جذبہ ایثار اور ثابت قدمی کو نمایاں کیا ہے کہ اتنی شدید گرمی میں بھی وہ حق کے لئے ڈٹے ہوئے تھے۔

16 ۔ فاطمہ بنت عبداللہ

علامہ محمد اقبالؔ

بند نمبر 1:

فاطمہ تو آبروئے اُمتِ مرحوم ہے
ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے

مفہوم:

فاطمہ! تو نے جانثاری سے امتِ مرحوم کی آبرو رکھ لی ہے۔ تیرا مٹھی بھر مٹی کا پیکر اور قبر کا ذرہ ذرہ معصوم ہے۔

تشریح:

علامہ اقبال ہمارے قومی و ملی شاعر تھے۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے برصغیر کے خوابیدہ مسلمانوں کو بیدار کیا۔ نظم فاطمہ بنت عبداللہ میں انہوں نے کمسن فاطمہ کے جذبہ حریت کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ اور مسلمانوں کو اس جذبے کو مشعلِ راہ بنانے کی ترغیب دی ہے۔

زیرِ تشریح شعر میں علامہ اقبالؔ فاطمہ بنت عبداللہ کو ملت اسلامیہ کی حرمت و آبرو اور معصوم قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ فاطمہ ملت مرحوم کی آبرو ہے۔ وہ ملت جو اپنی درخشندہ روایات اور عظمت و رفعت کو بھول چکی ہے، فاطمہ نے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے سے جذبے کا مظاہرہ کر کے اس کی آبرو رکھ لی ہے۔ فاطمہ جیسے افراد سے ہی یہ قوم بام عروج تک پہنچی تھی اور اب بھی اس زوال پذیر امت کی آبرو رکھنے کا کام فاطمہ نے کیا ہے۔ اس نے کم سن ہو کر عظیم جذبے کا مظاہرہ کیا وہ معصوم پیکر اور مجسمہ حریت تھی۔ جس مشت خاک سے اس کی تخلیق ہوئی تھی اس کا ذرہ ذرہ معصوم تھا۔ وہ دس سال کی تھی جب اس نے اپنی جان ملت پر نثار کر دی۔ اس کی قربانی لائق تحسین ہے۔

1911ء میں اٹلی کی فوجوں نے بحیرہ روم عبور کر کے لیبیا پر حملہ کر دیا۔ مقامی قبائل نے اپنی آزادی کے لیے قابض فوجوں کے خلاف جہاد شروع کیا طرابلس میں ان قابض فوجوں کے خلاف ایک عرب سردار عبداللہ بھی مصروف جہاد تھا جسے ترکوں کی حمایت بھی حاصل تھی۔ عبداللہ کی 10 سالہ کم سن بیٹی فاطمہ میدان جہاد میں مصروف عمل مجاہدین کی بندوقیں صاف کرتی تھی۔ فاطمہ نے بھی میدان کارزار میں جانے کی شدید خواہش ظاہر کی۔ فاطمہ کی ماں سارہ نے مخالفت کی۔ فاطمہ نے ضد کی تو اس کے باپ نے سارہ سے کہا کہ بیٹی کو اس نیک کام سے نہ روکے۔ فاطمہ میدان جہاد میں غازیوں کو پانی پلانے کا فرض سرانجام دیتے ہوئے شہید ہو گئی۔

علامہ اقبالؔ نے اسی کمسن فاطمہ کی فقید المثال قربانی کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ درحقیقت اس دور میں امت مسلمہ زوال کا شکار ہو چکی تھی اور مسلمان بالخصوص برصغیر میں غلامی کا شکار تھے۔ وہ اپنے اسلاف کی عظمت و رفعت کو کھو چکے تھے اپنے آباؤ اجداد جیسے مسلمان نہیں رہے تھے۔ ملت اسلامیہ ملت مرحوم ہو چکی تھی۔ لیکن فاطمہ نے کم سن ہو کر قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے سے شوق شہادت اور جذبہ حریت کا مظاہرہ کیا۔ علامہ نے اسی لیے فاطمہ کو ملت مرحوم کی آبرو قرار دیا ہے۔ یہ اس امت پر رحم ہے کہ اس امت میں فاطمہ جیسے افراد بھی باقی ہیں۔ وہ معصومیت کا پیکر تھی، کم سن تھی اس کا جذبہ جہاد مثالی تھا۔ اس کا جذبہ تھا کہ اٹلی کی فوجوں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ ہمارے ملک اور ہماری قوم پر حملہ آور ہو میں

قابض افواج کو یہاں سے نکال کر دم لوں گی۔ چنانچہ اسی کام کے دوران وہ شہید ہو گئی۔ اس نے چھوٹی عمر میں بڑا کام کیا۔ مسلمانوں کے جذبے اس سے مہمیز ہوں گے اور مسلمان اپنی نشاۃ ثانیہ کے لئے میدان عمل میں رہِ نوردِ شوق ہوں گے۔

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

بند نمبر 2:

یہ سعادت حورِ صحرائی تیری قسمت میں تھی
غازیان دین کی سقائی تیری قسمت میں تھی

مفہوم:

صحرا کی حسین بچی یہ تیری خوش قسمتی تھی کہ تم اللہ کی راہ میں لڑنے والوں کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہو جاؤ۔

تشریح:

قومی و ملی شاعری علامہ اقبالؔ نے اپنی شاعری سے برصغیر کے خواب غفلت کا شکار مسلمانوں کو بیدار کرنے کا کام لیا۔ نظم فاطمہ بنت عبداللہ میں انہوں نے کم سن فاطمہ کی عظیم قربانی کو خراج تحسین پیش کیا ہے اور اس قربانی کو دیکھتے ہوئے نئے زمانے، مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کی نوید دی ہے۔

زیرِ تشریح شعر میں علامہ اقبالؔ فاطمہ بنت عبداللہ کی غازیان دین کو پانی پلانے کی عظیم سعادت کو خوش قسمتی قرار دیتے ہیں اور فاطمہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فاطمہ بنت عبداللہ نے کم سنی کے باوجود عظیم ترین جذبے کا مظاہرہ کیا۔ گولہ و بارود کی گھن گرج میں بھی بہادری سے غازیانِ دین کو پانی پلانے کا فریضہ سرانجام دیتی رہی۔ فاطمہ ریگستان کی صالح ترین بچی تھی اس کے حصے میں یہ سعادت آئی کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کی سقائی کرے۔ یہ اس کی خوش بختی بھی تھی اور جذبہ ایمانی کی عظمت بھی۔ وہ حورِ صحرائی تھی۔

شہر میں بسنے والے کیا جانیں شہر تو بنجر ہوتے ہیں
صحراؤں میں رہنے والے لوگ سمندر ہوتے ہیں

فسطائیت کے پیروکار اطالویوں نے بحیرہ روم عبور کر کے 1911ء میں لیبیا کے شہر طرابلس (ٹریپولی) پر حملہ کر دیا اور قابض ہو گئے۔ مقامی مسلمان آبادی نے غیر ملکی تسلط کو قبول نہ کیا اور آزادی کے لیے جہاد شروع کر دیا۔ ان میں عرب سردار عبداللہ بھی لڑ رہا تھا جس کی مدد ترک کر رہے تھے۔ عبداللہ کی بیٹی دس برس کی تھی وہ میدان جنگ سے کچھ دور خیمے میں بندوقیں صاف کرتی تھی۔ فاطمہ نے اپنے والد عبداللہ اور ماں سارہ سے ضد کر کے میدان جہاد میں جانے کی اجازت لی۔ ترک سردار احمد نوری نے اسے پانی کا مشکیزہ لا دیا۔ وہ پانی بھرتی اور دن بھر غازیان دین

اور زخمیان جنگ کو پانی پلانے کا فرض ادا کرتی۔ جنگ کی تمام تر سختیوں میں وہ بہادری سے اپنا کام جاری رکھتی۔ اس نے اس جذبہ ایمانی کا مظاہرہ تب کیا جب ہر جگہ مسلمان بالخصوص برصغیر میں زوال پذیر تھے اس حالت میں ایک مسلمان بچی کا یہ غیر معمولی جذبہ تھا۔

علامہ اقبالؔ نے فاطمہ کے اسی فقید المثال جذبے کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اس کی خوش بختی پر ناز کیا ہے۔ اور ایسی بچی کے ایسے غیر معمولی عمل کو امت کی بیداری سے تعبیر کیا ہے کہ شرق سے غرب تک مسلمان جو اپنا رتبہ اور شان کھو چکے ہیں ابھی ان کی نسل نو میں فاطمہ بنت عبداللہ ایسی شمعیں موجود ہیں جو اس غلامی کی رات کو آزادی کی صبح میں تبدیل کریں گی۔ یہ لوگ اپنی جان دے کر امت کی بقا کا باعث بنیں گے اور خود بھی امر ہو جائیں گے۔

فنا فی اللہ کی تہ میں بقا کا راز مضمر ہے
جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا

بند نمبر 3

یہ جہاد اللہ کے راستے میں بے تیغ و سپر
ہے جسارت آفریں شوق شہادت کس قدر

مفہوم:

بغیر تلوار اور ڈھال کے اللہ کے راستے میں جہاد اور تیرا شوق شہادت کس قدر جسارت آفریں ہے۔

تشریح:

مشہور فلسفی شاعری علامہ اقبالؔ نے اپنی شاعری سے ملت اسلامیہ کے خواب غفلت کے شکار جسم میں نئی روح پھونکی۔ نظم فاطمہ بنت عبداللہ میں انہوں نے طرابلس کی جنگ میں غازیوں کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہونے والی کم سن فاطمہ پر تحسین کے پھول نچھاور کیے ہیں۔

زیر تشریح شعر میں ملی شاعر علامہ اقبالؔ فاطمہ بنت عبداللہ کے شوقِ شہادت کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فاطمہ نے اللہ کی راہ میں بغیر تلوار اور ڈھال کے جہاد کیا۔ وہ اللہ کے راستے میں شہید ہونے کے جذبے کے تحت میدان جہاد میں اتری۔ اس کا شوق شہادت کس قدر جسارت آفریں تھا۔ عظمت رفتہ کو کھو دینے والے کمزور مسلمانوں میں فاطمہ نے کمسنی کے باوجود قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے سے جذبے کا مظاہرہ کیا۔ وہ غیر ملکی جبر و استبداد کے خلاف لیبیائی مسلمانوں کی آزادی کے لئے کٹ مرنے کے لیے میدان کارزار میں اتری تھی۔ چھوٹی عمر میں اس نے بڑے عظیم جذبے کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کا یہ جذبہ بہت لائق تحسین ہے۔

ٹوٹی پھوٹی تلواروں میں کیا بجلی تھی کیا شعلہ تھا
جہاں "فاطمہ بنت عبداللہ" نے اللہ اکبر بولا تھا

مسولینی کے اٹلی نے اپنی عسکری طاقت کے بل بوتے پر بحیرہ روم عبور کر کے لیبیائی طرابلس پر حملہ کر دیا۔ 1911ء کے کمزور مسلمانوں نے اپنی مدد آپ کے تحت غیر ملکی فوجوں کے خلاف جہاد شروع کیا۔ ان مجاہدین میں ایک عرب سردار عبداللہ بھی تھا۔ عبداللہ کی بیٹی فاطمہ جو دس برس کی تھی جنگ کے میدان سے کچھ دور بندوقیں صاف کرتی تھی۔ اس نے ضد کر کے اپنے والد عبداللہ اور ماں سارہ سے میدان جہاد میں جانے کی اجازت لی اور منہ بولے چچا، ترک سردار احمد نوری سے مشکیزہ لیا اور پانی سے بھر بھر کے غازیان اسلام اور زخمیان جنگ کی پیاس

بجھانے لگی۔ جنگ اپنی تمام حشر سامانیوں کے ساتھ جارہی تھی لیکن یہ کم سن بچی گھبرائی نہیں۔ سقائی کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے وہ راہِ حق میں شہید ہو کے امر ہو گئی۔

ملی شاعر علامہ اقبال نے اس کمسن مجاہدہ کے جذبہ شہادت کی توصیف بیان کی ہے۔ فاطمہ کمسن ہو کر ضد کر کے اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے گئی۔ نہ تلوار، نہ ڈھال، بغیر اسلحے کے وہ میدانِ جنگ میں غازیان دین کی مدد کے لیے گئی اور ان کی پیاس بجھانے کا فرض نبھاتی رہی۔ وہ ملی آزادی کے لیے کٹ مرنے کو تیار تھی۔ اس کا شوقِ شہادت لائق تحسین وافتخار تھا۔ اس عمر میں بچے کھیلنے کا شوق رکھتے ہیں۔ فاطمہ جان پر کھیل گئی۔ اس عہد میں مسلمان دنیاپرست بن چکے تھے۔ فاطمہ نے اخروی ثمرات سمیٹے۔

وہ ریگستانوں کی سرزمین کو لہو سے سیراب کر گئی
شہید ہو کے نکھر گئی بشکلِ خوشبو بکھر گئی

بند نمبر 4

یہ کلی بھی اس گلستان خزاں منظر میں تھی
ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی

مفہوم:

امت مسلمہ کے خزاں رسیدہ گلشن میں ایسی کلی ابھی موجود تھی۔ امت مسلمہ جو راکھ کا ڈھیر بن چکی ہے اس میں ایسی چنگاری موجود تھی۔

تشریح:

ملی شاعر علامہ اقبالؔ نے اپنی انقلابی شاعری سے برصغیر کے مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کا کام لیا۔ نظم فاطمہ بنت عبداللہ میں اقبال نے طرابلس کی جنگ میں غازیانِ دین کو پانی پلانے والی کمسن مجاہدہ فاطمہ کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

زیر تشریح شعر میں اقبالؔ نے فاطمہ بنت عبداللہ کو خزاں رسیدہ گلستان میں تازہ کلی اور خاکستر میں چنگاری سے تعبیر کیا ہے۔ جب ملت سے شوق شہادت مفقود ہو چکا تھا۔ جب ملت عظمت رفتہ کھو چکی تھی اور رتبہ وشان سے ہاتھ دھو بیٹھی تھی۔ جب قوم میں نہ روح بلالی (رضی اللہ) تھی اور نہ جذبہ شبیری (رضی اللہ) تھا۔ خاور سے باختر تک مسلمان پستی کا شکار تھے سوائے خلافت ترکیہ کے۔ برصغیر کے مسلمان بالخصوص غلامی کا شکار ہو چکے تھے۔ گویا مسلمانوں کا گلستان خزاں رسیدہ ہو چکا تھا اور فقید المثال جذبہ جہاد خاک ہو چکا تھا۔ ایسے میں فاطمہ بنت عبداللہ نے قرون اولی کے مسلمانوں کے سے جذبہ حریت اور شوق شہادت کا مظاہرہ کیا۔ گویا اس خزاں رسیدہ قومی چمن میں ایک تازہ کلی باقی تھی۔ ایسے وقت میں جب مسلمان راکھ کا ڈھیر بن چکے تھے۔ ایسے میں اس راکھ میں ایک چنگاری موجود تھی جس سے عظمتِ رفتہ حاصل کرنے کے جذبے کی آگ جلے گی اور اس ملت کی نشاۃ ثانیہ کا باعث بنے گی۔

فسطائیت پرست اطالوی فوجوں نے 1911ء میں بحیرہ روم عبور کر کے لیبیائی مسلمانوں کو محکوم بنانے کے لیے طرابلس (ٹریپولی) میں فوج کشی کی۔ مقامی مسلمانوں نے جہاد شروع کیا۔ مجاہدین میں سے ایک عرب سردار عبداللہ کی بیٹی فاطمہ نے ماں باپ سے ضد کر کے میدان جنگ میں جانے کی اجازت لی۔ اس وقت اس کی عمر دس برس تھی وہ طرابلس میں غازیان اسلام کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہو گئی۔ وہ کمسن تھی لیکن عظیم جذبہ جہاد سے سرشار تھی۔

علامہ اقبالؔ نے فاطمہ کی اسی قربانی کی تحسین کی ہے اور نئے زمانے کی نوید قرار دیا ہے۔ ملت کے گلشن میں پت جھڑ عروج پر تھا لیکن فاطمہ نے غنچہ و کلی بن کر نویدِ بہار دی۔ اقبال پُر امید ہیں کہ ابھی نسل نو میں ایسے افراد خواہ کم سن ہی سہی لیکن موجود ہیں جو اس کے تحفظ اور دوبارہ عروج کا باعث بنیں گے۔

فاطمہ تو آبروئے امتِ مرحوم ہے

ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے

بند نمبر 5

اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں

بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں

مفہوم:

امت مسلمہ کے ریگستان میں ابھی بہت سے ہرن چھپے ہوئے ہیں امت کا بادل جو آدھی دنیا پر برس چکا اس میں ایسی بجلیاں سوئی ہوئی ہیں جو اسے دوبارہ برسائیں گی۔

تشریح:

حال و فراد کے نقیب شاعر علامہ اقبالؔ ہماری ملی شاعر ہیں۔ نظم فاطمہ بنت عبداللہ میں انہوں نے طرابلس کی جنگ میں غازیان راہِ خدا کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہونے والی فاطمہ کی فقید المثال قربانی کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

زیر تشریح شعر میں اقبالؔ نے فاطمہ بنتِ عبداللہ کی قربانی کو دیکھتے ہوئے ایسے مزید خوابیدہ اور پوشیدہ مجاہدین کی نوید دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگرچہ قومی چمن بے آب و گیاہ صحرا میں بدل چکا ہے لیکن اس میں بہت سے ہرن بھی چھپے ہوئے ہیں اگرچہ قومی بادل برس برس کر مزید برسنے کی طاقت سے عاری دکھائی دیتا ہے لیکن اس برسے ہوئے بادل میں بہت سی بجلیاں چھپی ہوئی ہیں جو اس بادل کو پھر موسلا دھار بارش برسانے کی طاقت عطا کر سکتی ہیں۔ علامتی انداز میں اقبالؔ نے اشارہ دیا ہے کہ جس طرح فاطمہ نے کم سنی کے باوجود عظیم جذبہ جہاد کا مظاہرہ کیا اس سے صاف عیاں ہے کہ ایسے کئی اور مجاہدین ملت ابھی پس پردہ موجود ہیں جو اس زوال رسیدہ امت کے اقبال کا باعث بنیں گے۔ فسطائی اطالوی فوجوں نے بحیرہ روم عبور کر کے لیبیائی طرابلس پر حملہ کر دیا۔ مقامی قبائل نے جہاد منظّم کیا۔ ان مجاہدین میں عرب سردار عبداللہ بھی تھے جن کی دس سال کی بیٹی فاطمہ نے ماں باپ سے ضد کر کے میدان جہاد میں جانے کی اجازت لے لی۔ وہ چمڑے کے مشکیزے میں پانی بھر بھر کے میدان جہاد میں مصروفِ عمل غازیان دین کی پیاس بجھاتی تھی۔ اسی فرض کی ادائیگی کے دوران وہ شہید ہوئی۔ اس کی کم سنی کے عظیم عمل اور شوق شہادت کو دیکھتے ہوئے اقبالؔ پُر امید ہیں کہ ایسے پُر عزم مجاہدین اس امت میں پس پردہ موجود ہیں جو کہ ابھی سامنے نہیں آئے۔ اگرچہ اس قوم میں قحطِ انسان ہے لیکن ابھی اس ریت میں ریزہ زر موجود ہیں ان سنگریزوں میں کچھ گوہر چھپے ہوئے ہیں۔ پورے قومی افق پر خزاں چھائی ہوئی ہے لیکن چند کلیاں ابھی موجود ہیں جو اس خزاں کو بہار میں بدل سکتی ہیں۔ چند غنچے موجود ہیں جو چٹک کر اس خزاں رسیدہ چمن کو رنگ و بُو سے بھر دیں گے۔ اس قوم میں ایسے مردانِ مجاہد ابھی ہیں جو اسے ماضی کی سی عظمت و رفعت عطا کریں گے۔

چھپے سنگریزوں میں گوہر بھی ہیں کچھ

ملے ریت میں ریزہ زر بھی ہیں کچھ

بند نمبر 6

فاطمہ گو شبنم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے
نغمہ عشرت بھی اپنے نالہ ماتم میں ہے

مفہوم:

اگرچہ میری آنکھیں فاطمہ کی کم سنی کی شہادت پر رو رہی ہیں لیکن میرے نوحوں میں خوشی کے گیت بھی ہیں۔

تشریح:

حکیم حیات علامہ اقبالؔ مشہور فلسفی شاعر اور امروز و فردا کے نقیب تھے۔ ان کی ملی شاعری نے برصغیر کے مسلمانوں کو ولولہ تازہ دیا۔ نظم فاطمہ بنت عبداللہ میں انہوں نے طرابلس کی جنگ میں غازیانِ دین کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہونے والی کمسن مجاہدہ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

زیر تشریح شعر میں علامہ اقبالؔ فاطمہ بنت عبداللہ کے لئے اشک بار بھی ہیں اور اس کی قربانی اور شوق شہادت پر مسرور بھی۔ وہ فاطمہ کے عمل عظیم میں کھوئے ہوئے اس سے غائبانہ طور پر مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ فاطمہ! اگرچہ میں تیری کم سنی کے وصال پر اشک بار ہوں غمزدہ ہوں اور آہ وزاری کر رہا ہوں لیکن میرے دل میں تیری عظیم قربانی، تیرے فقید المثال شوقِ شہادت کے باعث مسرت اور میری زبان پر نغمہ عشرت بھی ہے۔ مقام شکر ہے، باعث صد افتخار ہے کہ میری قوم میں ایسی بچی موجود تھی جس نے آبروئے قوم اور آزادی ملت کی خاطر جان کا نذرانہ پیش کیا۔

پس منظر یوں ہے کہ اٹلی کے فسطائی حکمرانوں نے اپنی فوجوں کو بحیرہ روم عبور کر کے لیبیا پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ اطالوی فوجوں نے طرابلس پر قبضہ کر لیا۔ مقامی مسلمانوں نے جہاد برپا کیا۔ ان مجاہدین میں عرب سردار عبداللہ بھی تھے۔ عبداللہ کی کمسن دس سال کی بیٹی فاطمہ نے ماں باپ سے ضد کر کے میدان جہاد میں جانے کی اجازت لے لی۔ وہ غازیانِ دین کو پانی پلانے کا فرض سرانجام دیتے ہوئے شہید ہوئی۔

علامہ اقبال نے فاطمہ کی اسی قربانی کی تحسین کی ہے۔ علامہ ایک طرف اس کی نوعمر کی موت پر نوحہ کناں ہیں اور دوسری طرف شادماں کہ امت میں ابھی ایسے شوقِ شہادت سے سرشار افراد باقی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ فاطمہ نے 10 سال کی عمر میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا۔ یہ عمر تو کھیلنے کی ہے اس عمر میں تو قوم اپنے بچوں کا سایہ عاطفت ہوتی ہے لیکن فاطمہ جیسی بچی میدان جہاد میں شہید ہو گئی۔ یہ المیہ ہے اور اقبالؔ اس پر اشکبار ہیں لیکن دوسری طرف ایسے وقت میں جب ملت پر کڑا اور برا وقت ہے۔ مسلمان اپنے اسلاف کے خصائص سے محروم ہو چکے ہیں۔ فاطمہ نے اسلاف جیسے شوق شہادت اور جذبہ حریت کا عملی مظاہرہ کر کے قوم کی آزادی کے لیے اپنی جان قربان کر دی۔ اس پر اقبالؔ مسرور شادمان ہیں کہ قوم میں ایسی بچی موجود تھی جس کی قربانی پوری ملت کو غیرت و حمیت کا احساس دلائے گی۔

بند نمبر 7

رقص تیری خاک کا کتنا نشاط انگیز ہے
ذرہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے

مفہوم:

تیری خاک کا رقص خوشی دے رہا ہے اور اس کا ذرہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے۔

تشریح:

شاعرِ مشرق حکیم الامت علامہ اقبالؔ قومی و ملی شاعر تھے۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے برصغیر کے خوابیدہ مسلمانوں کو بیدار کرنے کا کام لیا۔ نظم فاطمہ بنت عبداللہ میں انہوں نے طرابلس کی جنگ میں غازیانِ اسلام کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہونے والی فاطمہ کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

زیرِ تشریح شعر میں علامہ اقبالؔ فاطمہ بنت عبداللہ کی عظیم قربانی، جذبہ ایمانی اور شوقِ شہادت کی تحسین بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فاطمہ نے کم سنی میں ملت کے لئے جان قربان کر کے اسلاف کے سے خصائل کا حامل ہونے کا مظاہرہ کیا۔ صغر سنی میں وہ راہِ خدا میں اپنی زندگی قربان کر کے منّوں مٹی کے نیچے دفن ہو گئی۔ صحرائی ہواؤں سے جب اس کی قبر کی مٹی اڑتی ہے تو قومی درد رکھنے والے لوگوں کی خوشی دوچند ہو جاتی ہے۔ انہیں اس کا عظیم کارنامہ اور فقید المثال جوشِ شہادت یاد آنے لگتا ہے اور اپنی قوم کی اس مایہ ناز سپوت پر فخر محسوس ہوتا ہے۔ اگرچہ قوم زوال رسیدہ ہے لیکن اسی قوم میں اسلاف کی خوبیوں کی حامل فاطمہ بھی تھی جس نے دس برس کی عمر میں اللہ کی راہ میں جاں نثار کی۔ قبر کی اڑتی، رقص کرتی ہوئی خاک خوشی بڑھا دیتی ہے کہ یہ اس کم عمر کی قبر ہے جو ملت کی آزادی و حریت کے لیے راہِ خدا میں جان قربان کر گئی۔ اسی خاک کا ذرہ ذرہ زندگی کے سوز سے بھرا ہوا ہے۔ وہ کھیلنے کی عمر میں جہاد کرتی ہوئی شہید ہو گئی۔ قبر کی خاک کا ہر ذرہ اس کی زندگی کے بارے گداز پیدا کرتا ہے۔ تو دوسری طرف اس کی زندگی قومی سوز سے بھی لبریز تھی کہ اپنی زندگی کی پرواہ کیے بغیر قوم کو زندگی دینے کے لیے شہید ہوئی۔ اسی لئے تو شہید زندہ ہوتے ہیں۔

"اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم ان کا شعور نہیں رکھتے"۔ (القرآن)

بند نمبر 8:

ہے کوئی ہنگامہ تیری تربتِ خاموش میں
پل رہی ہے ایک قومِ تازہ اس آغوش میں

مفہوم:

فاطمہ کی خاموش قبر میں کوئی ہنگامہ برپا ہے۔ ایک قوم تازہ اس آغوش میں پل رہی ہے۔

تشریح:

حکیم الامت علامہ محمد اقبال ملی شاعر تھے۔ وہ امروز و فردا کے نقیب تھے۔ انہوں نے اپنی شاعری سے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کا کام لیا۔ نظم فاطمہ بنت عبداللہ میں انہوں نے طرابلس کی جنگ میں غازیانِ دین کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہونے والی کمسن مجاہدہ کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

زیرِ تشریح شعر میں علامہ اقبال نے فاطمہ بنت عبداللہ کی قربانی کے پس منظر میں قوم کو نئے زمانے کی نوید دی ہے۔ دس سال کی بچی جس طرح شوق شہادت سے سرشار ہو کر میدان کارزار میں کود پڑی اور جان راہِ حق میں نثار کر دی اس سے صاف عیاں ہے کہ اس کی خاموش قبر اور خاموش قربانی کے پس پردہ کوئی ہنگامہ پوشیدہ ہے اور اِک نئی قوم اسلاف کے سے جذبے سے تیار ہو رہی ہے۔ ایسے وقت جب قوم اسلاف کی خوبیوں سے محروم ہو چکی ہے۔ وہی قوم جو نیل سے کاشغر تک چھائی ہوئی تھی، اب زوال رسیدہ ہے۔ یہ امت برصغیر میں بالخصوص غلام ہے۔ اسی

ملت میں اپنے اسلاف کا سا جذبہ ایمانی، روحِ بلالی، ولولہ شبیری رکھنے والی کمسن مجاہدہ ملت کے لئے جان قربان کر دے، ایک غیر معمولی بات ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ قوم میں قحط انسان ضرور ہے لیکن ابھی ایسے افراد موجود ہیں جو آباؤاجداد جیسے خصائل کے حامل ہیں۔ اس دورِ زوال میں قومی بیداری، حرمت و آزادی کے لئے تن من دھن نثار کرنے والے موجود ہیں اگر یہی جذبہ نسل نو میں کارفرما ہے تو یقیناً ایسی قوم پل رہی ہے جو دوبارہ رتبہ اور شان حاصل کرے گی اور اپنے اسلاف کی طرح علم و فن میں یکتا ہو گی۔ شوقِ شہادت سے سرشار ہو گی اور فقید المثال حکمرانی کرنے والی ہو گی۔

اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے

مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

1911ء میں فسطائی اطالویوں نے بحیرہ روم عبور کر کے لیبیائی طرابلس پر قبضہ کر لیا تو مقامی مسلمانوں نے اس غیر ملکی تسلط کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔ ان مجاہدین میں ایک عرب سردار عبداللہ بھی تھے جن کی کمسن بیٹی فاطمہ نے ماں باپ سے ضد کر کے میدانِ جہاد میں جانے کی اجازت لی اور غازیان دین کی سقائی کرنے لگی۔ اسی بے تیغ و سپر جہاد میں وہ شہید ہو گئی۔

اقبالؔ کہتے ہیں کہ اک کم سن دس سالہ مجاہدہ کے شوق شہادت اور جذبہ حریت کا یہ عالم ہے تو اک قوم تازہ کی نوید ہو۔ اک ہنگامہ اس پس منظر میں پوشیدہ ہے۔ یہ قوم خوابیدہ ضرور ہے لیکن جاگنا چاہتی ہے۔ اسلاف کے خصائل سے لبریز قوم منصہ شہود پہ آنے والی ہے۔

بند نمبر 9

تازہ انجم کا فضائے آسماں میں ہے ظہور

دیدہ انساں سے نامحرم ہے جن کی موجِ نور

مفہوم:

امت مسلمہ کے آسمان کی فضا میں نئے ستارے ظہور پذیر ہو رہے ہیں جن کی موجِ نور سے ابھی انسانی آنکھ ناواقف ہے۔

تشریح:

ملی شاعر علامہ محمد اقبال امروز و فردا کے نقیب تھے۔ انہوں نے اپنی شاعری سے خوابیدہ ملت کی بیداری کا کام لیا۔ نظم فاطمہ بنتِ عبداللہ میں انہوں نے طرابلس کی جنگ میں غازیانِ دیں کی سقائی کے دوران میں شہید ہونے والے کم سن مجاہدہ فاطمہ کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

زیرِ تشریح شعر میں اقبالؔ نے فاطمہ بنت عبداللہ کی قربانی کے پس منظر میں افق قوم پر نئے درخشندہ افراد کے ظہور کی نوید دی ہے۔ دس سالہ کمسن مجاہدہ اگر اس شوق شہادت اور جذبہ ایمانی سے لبریز و سرشار ہے تو صاف ظاہر ہے کہ نسل نو سے نئے ستاروں کا ظہور ہو گا، نئے افراد زوال رسیدہ قوم کو ماضی کی سی عظمت دلانے کے لیے میدان عمل میں اتریں گے۔ قوم کے مجموعی منظر سے دلگیری اور نمدیدگی محسوس ہوتی ہے لیکن اس راکھ میں ایسی چنگاریاں پوشیدہ ہیں اور قومی فلک کے منظر نامے پر ایسے ستارے نمودار ہو رہے ہیں جن کی تابندگی کا انسانی آنکھ ادراک نہیں رکھتی۔

شرق و غرب میں مسلمان زوال رسیدہ تھے۔ اسی کمزوری کی بنا پر فسطائی اطالویوں نے بحیرہ روم عبور کر کے لیبیائی طرابلس پر فوج کشی کر دی۔ مقامی غیرت مند مسلمانوں نے غیر ملکی تسلط کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔ ان مجاہدین میں سے ایک عرب سردار عبداللہ تھے جن کی کمسن دس سالہ بیٹی نے ماں باپ سے ضد کر کے اس جہاد میں شرکت کی اجازت لی۔ فاطمہ غازیانِ دین کو پانی پلانے کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے شہید

ہوگئی۔ دس سال کی عمر میں جس عظیم قربانی، فقید المثال شوقِ شہادت اور جذبہ ایمانی کا مظاہرہ فاطمہ نے کیا اس سے یہ بات عیاں ہے کہ اس قوم میں بالخصوص نسل نو میں ایسے پس پردہ افراد موجود ہیں۔ یہ قوم اگرچہ راکھ کا ڈھیر بن چکی لیکن اس میں ایسی چنگاریاں موجود ہیں جو شعلہ جوالہ کا روپ دھار سکتی ہیں۔ ریت کے اس انبار میں ریزہ زر ہیں اور ان سنگریزوں میں وہ گوہر ہیں جو قومی افق پر چھائے غلامی اور پستی کے منظر نامے کو بدل سکتے ہیں۔ نئی نسل میں اسلاف کا سا جذبہ ایمان، روح بلالی (رضی اللہ)، ولولہ شبیری موجود ہے۔ یہ نسل نیل سے تابخاک کاشغر اس قوم کو ماضی کا سا رتبہ اور شان عطا کرے گی۔ ایسے افراد چونکہ ابھی منصۂ شہود پر نہیں آئے اس لئے تمام افراد کو ان کا ادراک نہیں ہے لیکن فضائے آسمان پہ ان ستاروں کا ظہور جلد ہوگا اور قوم تازہ تشکیل پائے گی۔ علامہ اقبال کی پیش بینی درست ثابت ہوئی۔ وہ امت میں جو بیداری کی لہر دیکھ رہے تھے اس کا ہر ایک کو اندازہ نہیں تھا۔ شمالی افریقہ، برصغیر، مشرق بعید، بلقان کی ریاستیں، سب جگہوں پہ بیداری کی لہر پیدا ہوئی اور یہاں کے مسلمان آزادی سے ہمکنار ہوئے۔

بند نمبر 10

جن کی تابانی میں اندازِ کہن بھی، نَو بھی ہے
اور تیرے کوکبِ تقدیر کا پرتَو بھی ہے

مفہوم:

ان ستاروں کی چمک دمک میں پرانا انداز بھی ہے اور نیا بھی۔ ان ستاروں پر تیرے قسمت کے ستارے کا عکس بھی ہے۔

تشریح:

حکیم الامت، حکیمِ حیات ڈاکٹر علامہ محمد اقبال امروز و فردا کے نقیب تھے۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے قوم کے نیم مردہ جسم میں نئی روح پھونکی۔ نظم فاطمہ بنت عبداللہ میں انہوں نے لیبیائی طرابلس کی جنگ میں غازیانِ اسلام کو پانی پلاتے ہوئے شہادت پانے والی فاطمہ بنت عبداللہ کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

زیرِ تشریح شعر میں اقبالؔ نے فاطمہ بنت عبداللہ کی عظیم قربانی، شوق شہادت اور جذبہ ایمانی کے پس منظر میں ملی منظر نامے میں نئے دور کی نوید دی ہے۔ کم سن دس سالہ مجاہدہ نے جو فقید المثال قربانی دی اس سے صاف عیاں ہے کہ قومی افق پر نئے انجم کا ظہور ہو چکا۔ نسلِ نَو میں ایسے صاحبانِ عمل نمو پا رہے ہیں جو اس غلام قوم کو پستی سے نکالیں گے لیکن عام افراد اس کا ادراک نہیں رکھتے۔ یہ نئے انجم پرانا انداز بھی رکھتے ہیں اور نیا بھی۔ یہ افرادِ قوم قرونِ اولی کے مسلمانوں کا سا جذبہ ایمانی اور شوق شہادت بھی رکھتے ہیں اور نئے دور کی تخلیق کی صلاحیت بھی۔ یہ اپنے اسلاف کے خصائص بھی رکھتے ہیں اور عصری تقاضوں سے نبرد آزمائی کی خوبیوں سے بھی مالا مال ہیں۔ ان میں وہی جذبہ شوق ہے جس سے فاطمہ بنت عبداللہ لبریز تھی۔

فسطائیت کے پرستار اطالویوں نے بحیرہ روم عبور کر کے لیبیائی طرابلس پر قبضہ کر لیا۔ مقامی غیرت مند مسلمانوں نے غیر ملکی تسلط کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔ ان مجاہدین میں سے ایک عرب سردار عبداللہ کی دس سالہ کمسن بیٹی فاطمہ نے والدین سے ضد کر کے جہاد میں جانے کی اجازت لی۔ وہ میدان جنگ میں غازیان اسلام کو پانی پلانے کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے شہید ہوگئی۔

اقبالؔ نے فاطمہ کے اسی شوقِ شہادت اور جذبہ ایمانی سے یہ اخذ کیا ہے کہ ایک کمسن دس سالہ بچی میں یہ جذب و شوق ہے تو نسلِ نَو میں بہت سے ایسے افراد پس پردہ ہیں جو اپنے آباؤ اجداد قرونِ اولی کے مسلمانوں جیسے خصائص کے حامل ہیں اور جدت بھی رکھتے ہیں۔ قومی افق کے یہ

نئے ستارے پرانی تابانی بھی رکھتے ہیں اور ان میں نئی درخشندگی بھی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ان میں فاطمہ کی قسمت کے ستارے کا عکس ہے۔ جوں جوں یہ افراد قومی منظر نامے پر ظہور پذیر ہوں گے۔ ملی نشاۃ ثانیہ شرق و غرب میں روبہ عمل ہوتی جائے گی۔ اقبال کی یہ پیش بینی درست ثابت ہوئی۔ کے مسلمانوں نے لاالٰہ کے نام پر ایک آزاد ملک بنایا۔ شمالی افریقہ کے تمام ممالک نے غیر ملکی تسلط سے آزادی حاصل کی حتٰی کہ یہ منظر نامے مشرق بعید سے بوسنیا اور کوسووتک دکھائی دیے۔

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے

مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

17 ۔ کسان

(جوشؔ ملیح آبادی)

بند نمبر 1

جُھٹ پٹے کا نرم رو دریا، شفق کا اضطراب
کھیتیاں، میدان، خاموشی، غروبِ آفتاب

مفہوم:

شام کا جھٹ پٹ ہو گیا افق پر شفق ڈھلنے کو ہے سورج غروب ہو چکا۔ کھیتوں اور میدانوں میں خاموشی چھا چکی ہے۔

تشریح:

شاعرِ انقلاب جوشؔ ملیح آبادی ممتاز نظم گو شاعر تھے۔ رومانوی اور ترقی پسندانہ شاعری ان کی نظموں کا خاص عنصر ہے۔ نظم کسان میں انہوں نے دہقاں کی محنت و مشقت کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

زیرِ تشریح شعر میں جوشؔ کہتے ہیں کہ سورج غروب ہو چکا، شام نے اپنے پر پھیلا دیے۔ مکمل روشنی نہ مکمل اندھیرا۔ شام کے جھٹ پٹے کا نرم رو دریا اپنی نامکمل تیرگی لیے رواں دواں ہے۔ دور مغرب کی سمت افق پر شفق کی سرخی بے تابی دکھا رہی ہے۔ دہقانوں کی محنت و مشقت کی گواہ کھیتیاں، ہرے بھرے گھاس کے میدان ہیں۔ پرندے گھونسلوں کو لوٹ چکے، مزدور گھروں کو لوٹ چکے، دن بھر کی سرگرمیاں ختم ہو چکیں۔ چہل پہل اور رونق تمام ہو چکی۔ ہر طرف خاموشی ہے۔ ایسے میں طلوع صبح سے کھیتوں میں مشقت کر کے سونا گانے والا کسان جو پسینہ بہاتا ہے تو دنیا کو کھانے کو اناج ملتا ہے اور جانوروں کو چارہ اور پرندوں کو دانہ دُنکا، اپنے گھر کی طرف رواں دواں ہے۔ کسان بہادر، فراخ دلی اور محنتی ہے۔ وہ جان جوکھوں کی مشقت اور دھوپ چھاؤں سے بے نیاز، موسموں کی شدت کا مقابلہ کرتے ہوئے زمین کی زرخیزی سے زر کشید کرتا ہے اور ایک عالم پلتا ہے۔

"کسان جگ کا پالن ہار ہوتا ہے"

جوش ملیح آبادی نے کسان کی انتھک محنت کو خراج تحسین پیش کیا ہے کہ وہ کام کرتا ہے اور دنیا کھاتی ہے۔ ہل چلانا، بجائی کرنا، سینچائی کرنا، فصلوں کی رکھوالی کرنا، گرمی سردی میں یہ تمام مراحل کسان کی جانفشانی اور سخت مشقت کی بدولت پایہ تکمیل کو پہنچتے ہیں۔ کسان کی اس محنت کا ثمر دنیا کے مختلف طبقات کے مختلف افراد کھاتے ہیں۔ غروب ہوتا سورج، جھٹ پٹے کا نرم رو دریا، سرخی شفق، کھیت کھلیان اور میدان کسان کی مشقت، ایثار اور عظمت کے گواہ ہیں۔۔

بڑا بہادر ہے محنتی کسان

بند نمبر 2

یہ سماں اور ایک قوی انسان یعنی کاشتکار

ارتقا کا پیشوا تہذیب کا پروردگار

مفہوم:

یہ منظر اور مضبوط انسان کسان جو کہ ارتقاء کا پیشوا ہے اور تہذیب و تمدن کو پروان چڑھانے والا ہے۔

تشریح:

جوش ملیح آبادی کا شمار ممتاز نظم گو شعرا میں ہوتا ہے۔ رومانوی اور ترقی پسندانہ شاعری ان کی نظموں کا خاص عنصر ہے۔ نظم کسان میں انہوں نے کسان کی تہذیب و معاشرت کی نشو نما میں اہمیت، مشقت اور عظمت کو اجاگر کیا ہے۔

زیرِ تشریح شعر میں جوش کسان کی خصوصیت اجاگر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ غروب آفتاب کے بعد کے وقت اک تنومند، محنتی اور مضبوط انسان یعنی زمین کی زرخیزی سے زر کشید کرنے والا انسان، کاشتکار گھر کو رواں دواں ہے۔ انس و چرند پرند کے ارتقا میں اس کا بنیادی کردار ہے۔ اس کے پسینے کی محنت سے وہ فصلیں اور اناج پیدا ہوتا ہے جس پر ایک جہاں پلتا ہے۔ از منہ ءقدیم سے جدید دور تک دہقان کی کھیتوں میں محنت یعنی ہل چلانا، بیجائی کرنا، سینچائی کرنا، فصلوں کی رکھوالی وہ جانکاہ کام ہے جس پر تہذیبوں نے پرورش پائی اور زندگی کے ارتقا کا انحصار رہا ہے۔ خوراک زندگی کے لیے بنیادی ضرورت ہے۔ انسان نے دریاؤں، ندی نالوں، بارانی علاقوں کے قریب اجتماعی زندگی کا آغاز کیا کہ وہاں کاشتکاری ممکن تھی۔ کاشتکار کے گرد وہ لوگ آباد ہوئے جو معاشرتی ضرورتوں کے کام کرتے تھے۔ ان لوگوں کی زندگی کا مدار بھی کاشتکار کا کام ہی تھا۔ پالتو جانور بدلے میں مالک کی ضرورت کو پورا کرتے لیکن ان کو پالنے کا کام کاشتکار کی محنت کے بل بوتے پر تھا۔ چنانچہ معاشرتی زندگی کے ارتقاء اور تہذیب کی تشکیل و تسلسل کا انحصار دہقان کی انتھک محنت پر رہا ہے۔ یوں کسان انسانی ارتقا کا پیشوا اور تہذیب کا پروردگار ہے۔

بند نمبر 3

جلوہ قدرت کا شاہد، حسنِ فطرت کا گواہ

ماہ کا دل۔ مہرِ عالم تاب کا نورِ نگاہ

مفہوم:

کسان اللہ کے جلوؤں اور فطرتی حسن کا گواہ ہے۔ محنت کے سبب وہ چاند کا محبوب ہے اور چمکتے سورج کا سب سے پسندیدہ ہے۔

تشریح:

جوش ملیح آبادی کا شمار ممتاز نظم گو شعرا میں ہوتا ہے۔ رومانوی اور ترقی پسندانہ شاعری ان کی نظموں کا خاص عنصر ہے۔ نظم کسان میں انہوں نے کسان کی تہذیب و معاشرت کی نشو نما میں اہمیت، مشقت اور عظمت کو اجاگر کیا ہے۔

زیرِ تشریح شعر میں جوش کسان کی عظمت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ محنتی کسان طلوع صبح سے شام کے جھٹ پٹے تک کھیتوں میں مصروف کار رہتا ہے۔ وہ ہل چلاتا ہے، بیجائی کرتا ہے، سینچائی کرتا ہے اور زمین سے زر کشید کرتا ہے۔ زمین سے بیج بالیوں کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں جو رنگا رنگ پودوں کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ کچھ اناج کا منبع ہوتے ہیں، اناج کی ایک ایک بالی کئی کئی دانوں سے بھری ہوتی ہے۔ کچھ پودے پھل دار پیدا ہوتے ہیں جن پر مختلف ذائقوں کے پھل لگتے ہیں۔ رنگا رنگ پھولوں والے پودے الگ اسی زمین سے نمودار ہوتے ہیں۔

یہ قدرت کے معجزے اور جلوے ہیں جن کا گواہ کسان ہے۔ دراصل یہ سب اسی کی محنت کا ثمر ہے۔ اس قدرت کی کاریگری کا کسان گواہ ہے۔ فطرت کی رنگینی اور دلفریب حسن، کسان کی محنت کی کوکھ سے جلوہ نما ہوتا ہے۔ وہ جانکاہ مشقت کرتا ہے تو ایک ہی زمین سے مختلف ذائقے کے پھل، مختلف رنگوں اور خوشبوؤں کے پھول اور انواع واقسام کا اناج پیدا ہوتا ہے۔ کسان کی یہ محنت شب و روز جاری رہتی ہے۔ چاند کی چاندنی اس کی انتھک محنت کا بوسہ لیتی ہے تو حدت و نور بانٹتا سورج اسے پیار کرتا ہے۔ دراصل سورج کی روشنی اور حدت سے کسان کی محنت ہی صحیح مستفید ہوتی ہے، یوں کسان منبعِ نور کا نورِ نگاہ ہے۔

بند نمبر 4

لہر کھاتا ہے رگِ خاشاک میں جس کا لہو
جس کے دل کی آنچ بن جاتی ہے سیلِ رنگ و بو

مفہوم:

زمین سے نمودار ہوتی فصلوں کی رگوں میں اس کا لہو دوڑتا ہے اور اس کی محنت و ریاضت زمین سے رنگ و بو کا سیلاب نمودار کرتی ہے۔

تشریح:

جوش ملیح آبادی کا شمار ممتاز نظم گو شعرا میں ہوتا ہے۔ رومانوی اور ترقی پسندانہ شاعری ان کی نظموں کا خاص عنصر ہے۔ نظم کسان میں انہوں نے کسان کی تہذیب و معاشرت کی نشو نما میں اہمیت، مشقت اور عظمت کو اجاگر کیا ہے۔

زیرِ تشریح شعر میں جوشؔ کسان کی محنت و مشقت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کسان ہل چلا کر بیجائی سینچائی کر کے زرخیز زمین سے زر کشید کرتا ہے۔ اس کی شبانہ روز محنت سے ایک ہی زمین سے مختلف ذائقوں کو اور تاثیر کا اناج، مختلف اقسام کے پھل اور مختلف رنگ و بو کے پھول پیدا ہوتے ہیں۔ اگر پودوں، اناج کی بالیوں اور گھاس کی حقیقت پر غور کیا جائے تو دراصل ان کی رگوں میں انسان کا لہو دوڑ رہا ہوتا ہے اور اناج و پھلوں کے پودوں میں کسان کی محنت کا خون لہر کھاتا دکھائی دیتا ہے۔ پودوں کا تناور ہونا، بارور ہونا، اس کی خون پسینے کی محنت کا ثمر ہے۔ اس کا خونِ جگر رنگ و بو کا سیلاب برپا کر دیتا ہے۔ اس کے دل کی آنچ کھلیانوں میں ہزاروں پودوں کو جنم دیتی ہے جو انواع واقسام کے ذائقوں کے اناج اور پھل پر منتج ہوتے ہیں۔ انواع واقسام کا یہ اناج، یہ پھل اور یہ پھول، بہادر اور محنتی کسان کے خونِ جگر کی نمود ہے۔ دھوپ کی شدت ہو یا رات کی تاریکی، آندھی ہو یا طوفان، بہادر کسان اپنی قلبی طاقتوں کے ساتھ مصروف کار رہتا ہے۔ اس کا پسینہ پودوں کو حیات بخشنے کے لیے بہتا ہے۔ اس کی سوچ کا محور، اس کے خیالوں کا مرکز، اس کی چاہت کا دائرہ اس کی بوئی گئی فصلیں ہوتی ہیں۔ یہ اس کے گرمی خون اور خونِ جگر کا معجزہ ہے کہ خاک کے پردے سے رنگا رنگ فصلیں نمودار ہوتی ہیں اور رنگ و بو کا قافلہ اتر پڑتا ہے۔

بند نمبر 5

دوڑتی ہے رات کو جس کی نظر افلاک پر
دن کو جس کی انگلیاں رہتی ہیں نبضِ خاک پر

مفہوم:

رات کو اس کی نظر آسمانوں کی بلندیوں تک جاتی ہے اور دن بھر اس کی انگلیاں نبضِ خاک پر رہتی ہیں۔

تشریح:

جوش ملیح آبادی کا شمار ممتاز نظم گو شعرا میں ہوتا ہے۔ رومانوی اور ترقی پسندانہ شاعری ان کی نظموں کا خاص عنصر ہے۔ نظم کسان میں انہوں نے کسان کی تہذیب و معاشرت کی نشو نما میں اہمیت، مشقت اور عظمت کو اجاگر کیا ہے۔

زیر تشریح شعر میں جوش کسان کی محنت و مشقت کی توصیف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کسان ہل چلا کر بجائی، آبیاری اور رکھوالی میں شب و روز گزارتا ہے۔ نیند اس کے ارادوں میں رکاوٹ نہیں ہو سکتی۔ وہ کھیتی باڑی کے کام کے لئے رتجگے گزارتا ہے۔ وہ بستر پر لیٹے ہوئے کاشت کے نئے آسمانوں پر نگاہ رکھتا ہے اور منصوبے بناتا ہے۔ اس کی رات بھی کاشتکاری کے نام اس کا دن بھی کھیتی باڑی کے نام۔ زمین میں ہل چلاتے، پودوں کی نلائی کرتے، بجائی کرتے، سینچائی کرتے اس کا دن گزرتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ اب زمین ہل چلانے یا بجائی کرنے کے لائق ہے یا نہیں۔ زمین میں نمی دیکھے تو ہل چلانے کا کام شروع کر دیتا ہے۔ مٹی کی نبض دیکھ کر اس میں بجائی کرتا ہے۔ وقت آنے پر پانی دیتا ہے۔ اور فصلوں اور رنگ و بو کے سیلاب کی نمود کے لیے تگ و دو کرتا ہے۔ وہ پہچان رکھتا ہے کہ کس موسم میں زمین کس فصل کو اپنے عناصر سے بہرہ ور کرتی ہے اور پروان چڑھاتی ہے۔ وہ خاک میں محنت سے خاک ہو جاتا ہے اور زندگیوں کو خاک کی خوراک بننے سے بچاتا ہے۔

بند نمبر 6

سرنگوں رہتی ہیں جس سے قوتیں تخریب کی
جس کے بوتے پر لچکتی ہے کمر تہذیب کی

مفہوم:

اس کی محنت سے خوشحالی و روزگار کا وہ ماحول پیدا ہوتا ہے جس سے تخریب کی قوتیں سرنگوں رہتی ہیں اور اس کے بل بوتے پر تہذیب و تمدن میں جان پڑتی ہے۔

تشریح:

شاعر انقلاب جوش ملیح آبادی ممتاز نظم گو رومانوی اور ترقی پسند شاعر تھے۔ نظم کسان میں انہوں نے کسان کی محنت و مشقت کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

زیرِ تشریح شعر میں جوش دہقان کی عظمت کو نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کسان محنتی اور ایثار منش انسان ہے۔ وہ ہل چلانے، بجائی، سینچائی، گوڑائی اور دیکھ بھال سے وہ اناج پیدا کرتا ہے جس پر انسان اور چرند پرند پلتے ہیں۔ اس کی محنت سے خوراک کی کثرت ہوتی ہے۔ ملک میں بھوک کا خاتمہ ہوتا ہے۔ ملکی معیشت مضبوط ہوتی ہے۔ یوں وہ منفی اور تخریبی سرگرمیاں جو بھوک اور بدامنی کے سبب ہوتی ہیں، ان کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ جب معیشت مضبوط ہو، خوشحالی ہو تو امن وامان کے ذمہ دار اداروں کی کارکردگی بہتر ہوتی ہے اور ماحول اچھا ہوتا ہے۔ یوں تخریبی قوتیں، چوری ڈاکے، بدنظمی کی طاقتیں جھکی رہتی ہیں۔ اسی کی بدولت رسم و رواج اور رہن سہن میں ترقی شائستگی، رنگارنگی پیدا ہوتی ہے۔ بیساکھی، ڈھول کی تھاپ پر کٹائی، برسات میں دھان کی فصل کی اجتماعی بجائی باقاعدہ رسم ہے اور شادی بیاہ کی رسمیں اناج اور معاشی حالت بہتر ہونے پر منعقد ہوتی ہے۔ یوں کسان کی خون پسینے کی محنت کے بل بوتے پر تہذیب نمو پاتی ہے۔

بند نمبر 7

جس کے بازو کی صلابت پر نزاکت کا مدار

جس کے کس بل پر اکڑتا ہے غرورِ شہریار

مفہوم:

زمین سے خوبصورت اور نازک پودوں کے ظہور کا انحصار کسان کے بازوؤں کی مضبوطی میں ہے۔ اس کی بدولت وہ خوشحالی آتی ہے جس کی وجہ سے بادشاہ کی ریاست اور تخت میں پائیداری آتی ہے۔

تشریح:

شاعر انقلاب جوش ملیح آبادی ممتاز نظم گو رومانوی اور ترقی پسند شاعر تھے۔ نظم کسان میں انہوں نے کسان کی محنت و مشقت کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

زیرِ تشریح شعر میں جوش کسان کی محنت کی توصیف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کسان کی خون پسینے کی محنت زمین سے رنگ و بو کا سیلاب نمودار کرتی ہے۔ انسان اور چرند پرند اس کی محنت پر نشو نما پاتے ہیں۔ وہ محنتی اور بہادر ہے اس کے بازو ہل چلا کر زمین کو نرم کرتے ہیں تاکہ بیجائی کے قابل ہو۔ یہ مٹی نرم ہوتی ہے تو نرم و نازک کونپلیں اس سے نمودار ہوتی ہیں، بالیوں کی شکل اختیار کرتی ہیں۔ رنگ و بو اور اناج کا منبع پودوں کی نرم و نازک فصلیں اسی کی محنت کا ثمر ہیں۔ زمین کی زرخیزی سے یہ زر کسان ہی کشید کرتا ہے۔ نرم و ملائم پتے، کونپلیں، پھول اس کی بازو کی قوّت سے جنم لیتے ہیں۔ کسان کے دم خم پر بادشاہ کے غرور اور فخر کا انحصار ہے۔ بادشاہ کی ریاست کی خوراک کا مدار کسان کی مشقت پر ہے۔ اگر ریاست میں بھوک اور قحط ہو تو بادشاہ کے تخت و تاج عوامی احتجاج کے زلزلے کا شکار ہوتے ہیں۔ بدامنی، لاقانونیت، چوری ڈاکے اور بے چینی کا دور دورہ ہوتا ہے۔ اگر کسان کھیتوں میں پسینوں میں ڈھل کر اناج کو وافر کر دیں تو اسی ریاست میں خوشحالی اور امن ہوتا ہے۔ معاشرتی خوشحالی سے ثقافتی سرگرمیاں نمو پاتی ہیں۔ خوشحالی سے جرائم اور متشدد رویوں کی بجائے نرم رویے رواج پذیر ہوتے ہیں۔ بادشاہ کا تخت محفوظ ہوتا ہے اور اسے فخر ہوتا ہے کہ اس کی ریاست میں کوئی بھوکا نہیں سوتا اور روٹی کی فراوانی ہے۔ بادشاہ کا اعتماد فخر میں بدل جاتا ہے۔ بادشاہ کو عوام میں مقبولیت حاصل ہوتی ہے اور مشکل وقت میں عوام اس کی پیٹھ پر ہوتے ہیں۔ اس کے لئے لڑتے مرتے ہیں۔ یوں بادشاہ کے غرور کا دار و مدار کسان کی محنت پر ہے۔

میرے دہقاں یونہی ہل چلاتے رہیں
میری مٹی کو سونا بناتے رہیں

بند نمبر 8

دھوپ کے جھلسے ہوئے رخ پر مشقت کے نشاں

کھیت سے پھیرے ہوئے منہ، گھر کی جانب ہے رواں

مفہوم:

کسان دن بھر جانکاہ مشقت میں مصروف رہا۔ اس کا چہرہ دھوپ میں کام کرنے کے سبب جھلسا ہوا ہے۔ اب جب شام ہو گئی اب اس نے کام کاج چھوڑا ہے اور گھر کی طرف روانہ ہوا ہے۔

تشریح:

شاعر انقلاب جوش ملیح آبادی ممتاز نظم گو رومانوی اور ترقی پسند شاعر تھے۔ نظم کسان میں انہوں نے کسان کی محنت و مشقت کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

زیر تشریح شعر میں جوش دہقاں کی محنت اور عظمت کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کسان کی محنت کے بل بوتے پر انسان، چرند پرند کی نشوونما ہوتی ہے۔ انہیں خوراک ملتی ہے وہ دن بھر فصلوں کی پرورش، پرداخت میں مصروف عمل ہوتا ہے۔ وہ ہل چلاتا ہے۔ بیجائی، سینچائی، گوڑائی اور رکھوالی کے عمل کے دوران اپنا پسینہ بہاتا ہے اور زمین کی زرخیزی سے زر کشید کرتا ہے اور رنگ و بو کا سیلاب نمودار کرتا ہے۔ وہ کڑی دھوپ اور شدید موسموں کا مقابلہ کر کے وہ اناج پیدا کرتا ہے جس پر جہان پلتا ہے۔ اسی لئے اسے جگ کا پالن ہار کہتے ہیں۔ شام کے اس جھٹ پٹے میں کسان کے چہرے پر دن بھر کی محنت اور مشقت کے نشان ہیں اور دن بھر کے کام کے بعد اب جا کر شام کے دُھندلکے میں اس نے کھیت سے منہ موڑا ہے اور گھر کی طرف رواں دواں ہے۔ جوش نے کسان کی محنت کو خراج تحسین پیش کیا ہے جس کی بدولت دیہات آباد ہوتے ہیں، لوگوں کو خوراک ملتی ہے اور ملکی معیشت ترقی کرتی ہے۔ امن وامان اور استحکام پیدا ہوتا ہے۔ تخریبی طاقتوں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ کاشتکاری ایک مشکل عمل ہے جس کی چکی میں پسنے والے کسان اپنے ایثار اور انتھک محنت سے اپنے فرض کو پورا کرتا ہے۔ وہ دھوپ میں جل جائے، سرد موسموں میں ٹھٹھر جائے، طوفانوں کو ننگے سر برداشت کرے، تیز بارشوں میں نہانا پڑے کبھی گھبراتا اور ہارتا نہیں۔ اس کا مقام بہت بلند ہے۔ جوش نے نظم کا اختتام تاثرات سے پر اثر بنا دیا ہے کہ دن بھر میں چہرے کو جھلسا کر کڑی دھوپ جھیل کر محنت کرنے والا کسان اب شام کے اندھیرے میں جب کام کرنا ممکن نہیں رہا تب گھر کی طرف رواں ہے کہ دو گھڑی آرام کر کے پھر علی الصبح اسی روزمرہ کی جانکاہ مشقت کو جا سکے۔ جس کے بل بوتے پر انسان چرند پرند پلتے ہیں اور وطن کی معیشت مضبوط ہوتی ہے۔

18 ۔ جیوے جیوے پاکستان

(جمیل الدین عالی)

بند نمبر1

مہکی مہکی روشن روشن پیاری پیاری نیاری
رنگ برنگے پھولوں سے اک سجی ہوئی پھلواری
پاکستان پاکستان-------جیوے پاکستان

مفہوم:

پاکستان رنگ برنگے پھولوں کی سجی ہوئی پھلواری ہے اس پھلواری کے سب پھول نکھرے نکھرے مہکے مہکے پیارے پیارے اور نرالے ہیں۔ ہم سب پاکستانی ہیں۔ خدا کرے یہ ملک ہمیشہ سلامت رہے۔

تشریح:

جیوے جیوے پاکستان، جمیل الدین عالی کا لکھا ہوا ملی نغمہ ہے۔ پاکستان کے مختلف لوگوں کو رنگ برنگے پھولوں سے تشبیہ دی گئی ہے ہر پھول اپنی رنگت اور نکھار سے الگ پہچان رکھتا ہے اور اس پھولوں کی کیاری کا حصہ بھی ہے۔ پاکستان ایک خوبصورت ملک ہے اللہ تعالی اسے قائم دائم رکھے اور اس کی صبحیں روشن ہیں اس کی شامیں رنگین ہیں مجھے اپنے وطن کا ذرہ ذرہ جان سے پیارا ہے۔

پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

اللہ تعالی نے پاکستان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ پاکستان ایک مہکتا اور کھلتا ہوا روشن باغ ہے پھولوں کی یہ مہک اور تازگی ہمارے دل و دماغ کو سکون بخشتی ہے۔ پھولوں کی رنگینی ہمارے ذوق و شوق کو ظاہر کرتی ہے ہم مایوس قوم نہیں بلکہ پُر امید اور مصمم ارادہ رکھنے والے لوگ ہیں۔ خدا کرے پاکستان زندہ رہے سدا آباد رہے۔

سوہنی دھرتی اللہ رکھے
قدم قدم آباد تجھے
قدم قدم آباد تجھے
جب تک ہے یہ دنیا باقی ہم دیکھیں آزاد تجھے
ہم دیکھیں آزاد تجھے

بند نمبر2

من پنچھی جب پنکھ ہلائے کیا کیا سُر بکھرائے

سُننے والے سنیں تو ان میں ایک ہی دُھن لہرائے

پاکستان پاکستان -------جیوے پاکستان

مفہوم:

دل کی آواز ایسے ایسے سریلے نغمے بکھیرتی ہے کہ سننے والوں کے دلوں میں ایک ہی دھن لہرائے لگتی ہے۔ جیوے جیوے پاکستان۔

تشریح:

شاعر جمیل الدین عالی نے اس بند میں پاکستان کے ساتھ پیار کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم اس وطن کی عظمت کے گیت گاتے ہیں۔ وطن کی محبت میں انسان کا دل بلند و بالا خیالات میں پرواز کرنے لگتا ہے۔ فضاؤں میں وطن کی محبت کے نغمے گونجنے لگتے ہیں۔ ہمارا ہر نغمہ اپنے وطن کے لئے ہوتا ہے۔

وطن کی محبت میں گیت گاتے ہوئے صرف شاعر ہی نہیں سننے والے بھی ان سریلے نغموں میں مدہوش ہو جاتے ہیں۔ ہم اپنے وطن کے لیے ہیں اور وطن ہمارے لئے ہے۔ ہمارے ہونٹوں پر جب بھی کسی کا ذکر آئے تو اے وطن! وہ تیرے لئے ہی ہوتا ہے۔ اے وطن! تیری سلامتی کی دعا ہر ایک لب پر ہے۔ سب ایک ہی دھن میں مست ملی نغمے گاتے ہیں۔ اپنے وطن سے محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ اے خدا! میرا پیارا وطن سدا قائم رہے۔ ہم اس کی عظمت اور خوشحالی کے ترانے گاتے رہیں۔

جُگ جُگ جیے میرا پیارا وطن

لب پہ دعا ہے دل میں لگن

اے وطن تو ہمیشہ ہمیشہ رہے

تیری عظمت کا جھنڈا اٹھائیں گے ہم

تیری تقدیس کے گیت گائیں گے ہم

تیری خاطر دل و جاں لٹائیں گے ہم

اے وطن تو ہمیشہ ہمیشہ رہے

بند نمبر 3

بچھڑے ہوؤں کو بکھرے ہوؤں کو اک مرکز پر لایا

کتنے ستاروں کے جُھرمٹ میں سورج بن کر آیا

پاکستان پاکستان --------جیوے پاکستان

مفہوم:

بکھرے اور بچھڑے ہوئے لوگ پاکستان میں اکٹھے ہو گئے اور پاکستان ایک سورج کے طور پر دنیا میں اُبھرا۔ اے خُدا! پاکستان ہمیشہ جیے اور سلامت رہے۔

تشریح:

پاکستان بننے سے پہلے لوگ نظریاتی، فکری اور سیاسی اعتبار سے بکھرے اور بچھڑے ہوئے تھے۔ مسلمان انگریزوں کے غلام تھے۔ انگریزوں کے ساتھ ساتھ ہندو بھی اُن پر قابض تھے۔ مسلمانوں کو من حیث القوم ختم کرنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ مسلمانوں پر ملازمتوں کے دروازے بند کر دیے گئے تھے۔ سکولوں میں اسلام کے خلاف تعلیم دی جاتی تھی۔

مسلمانوں کی جائیدادیں ہتھیالی گئی تھیں۔ مسلمان پریشان حال تھے، ایسے وقت میں انہیں راہنما کی ضرورت تھی۔ جو انہیں ایک مرکز پر اکٹھا کر دے۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح نے تمام مسلمانوں کو ایک مرکز پر اکٹھا کیا اور پاکستان حاصل کیا۔

شاعر کہتا ہے کہ یہ پاکستان ہی تھا جس نے بچھڑے ہوؤں کو ایک جگہ جمع کیا۔ پاکستان ایک سورج کی مانند ہے، اس کی کرنیں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں، پاکستان اپنی روشنی سے سارے عالم کو منور کر رہا ہے۔ تمام مسلمان آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں اے خدا! پاکستان کے تمام لوگ متحد رہیں اور یہ ستاروں کے ساتھ سورج کی طرح چمکتا رہے۔ پاکستان میرا دیس ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قائم دائم رکھے۔

اے وطن تو ہمیشہ ہمیشہ رہے
تو بسے، تو بڑھے، تو پھلے اے وطن

بند نمبر 4

سب محنت کش گلے ملے اور اُبھرا اک پیغام
اس پیغام کو سمجھو یہ ہے قدرت کا انعام
پاکستان پاکستان --------جیوے پاکستان

مفہوم:

پاکستان میں سب محنت کرنے والے ایک دوسرے سے گلے ملے۔ لوگ ایک دوسرے کے قریب آتے گئے اور ایک پیغام واضح ہوتا گیا کہ یہ ملک پاکستان ہم سب کے لئے اللہ تعالیٰ کا ایک انعام ہے۔ پاکستان جیوے پاکستان۔

تشریح:

ہم سب ایک ہیں، ہم سب پاکستانی ہیں، ہم سب کی محنت پاکستان کے لیے ہے۔ ہم سب متحد ہیں پاکستان ہمارا دیس ہے اسے ہزاروں قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لئے ایک انعام ہے۔ یہ محنت کشوں کا دیس ہے حدیث پاک ہے۔

"محنت سے روزی کمانے والا اللہ کا دوست ہے"۔

مسلمان اس حدیث کی روشنی میں اپنی زندگی گزارتے ہیں اور رزق حلال کماتے ہیں۔ ہمارے کسان شب و روز کھیتوں میں مصروف رہتے ہیں اور پورے پاکستان کے لیے اناج تیار کرتے ہیں۔ ہمارے مزدور اس دور کے کوہ کن ہیں۔

ہر طرف ایک ہی پیغام ہے کہ تمام دیس ہمارا ہے ہم ضرورت پڑنے پر پاکستان کے لیے جان بھی قربان کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دیس ہمیں لاکھوں قربانیوں کے بعد عطا کیا ہے۔ اب اس کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے۔ محنت اور خلوصِ نیت سے اقوامِ عالم میں پاکستان کا نام بلند کرنا ہماری اہم ذمہ داری ہے۔ ہمیں مختلف سماجی، فکری اور سیاسی اختلافات بھلا کر ایک ہو جانا چاہیے اسی میں ہماری بقا و سلامتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے یہ

دعا ہے کہ اللہ تعالی پاکستان کو قائم رکھے۔ تمام لوگ بھائی بھائی بن جائیں ملک کے کسی گوشے میں کسی نسل کا بندہ ہو۔ وہ ہمارا بھائی ہے ہم سب آپس میں محبت اور اتفاق سے رہتے ہیں۔

اے وطن تو ہمیشہ ہمیشہ رہے

تیرے فرزند دھرتی کے دمساز ہیں

تیرے مزدور محنت کے ہم راز ہیں

تیرے پیر و جواں باعثِ ناز ہیں

اے وطن تو ہمیشہ ہمیشہ رہے

بند نمبر 5

جھیل گئے دکھ جھیلنے والے، اب ہے کام ہمارا

ایک رہیں گے، ایک رہے گا، ایک ہی نام ہمارا

پاکستان پاکستان---------جیوے پاکستان

مفہوم:

پاکستان بہت قربانیوں کے بعد حاصل ہوا ہے۔ پاکستان بنانے والوں نے بہت سی مصیبتیں جھیلیں۔ اب یہ کام ہمارا ہے کہ ہم اسے بلند مقام پر رکھیں۔

تشریح:

حصولِ پاکستان کے لیے مسلمانوں نے بہت سی قربانیاں دیں۔ پاکستان حاصل کرنا کسی خواب سے کم نہ تھا۔ اس کا خواب علامہ اقبالؔ نے دیکھا تھا اور اس کی تعبیر قائدِ اعظم نے پوری کی۔ وہ تمام مشکلات کے باوجود اپنا کام کر گئے اور ایک خوبصورت اور آزاد وطن ہمارے حوالے کر دیا۔ پاکستان کا قیام ہمارے بزرگوں کی محنت کا نتیجہ ہے۔ ماؤں نے اپنے بیٹوں کو قربان کیا۔ عورتوں نے اپنا سہاگ لٹایا۔ بہنوں نے اپنے بھائیوں کو کھویا۔ ہزاروں لوگ یتیم ہوئے۔ لاکھوں بے گھر ہوئے۔ مسلمانوں کو ہندوستان سے ہجرت کرتے وقت طرح طرح کی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لوگ بیمار ہو گئے۔ بچوں نے بھوک سے نڈھال ہو کر اپنی جان دے دی۔

الغرض دکھ جھیلنے والے اپنے حصے کے دکھ جھیل گئے ہیں۔ اب ہماری باری ہے۔ اب ہم نے اپنے ملک اور قوم کے لیے کچھ کرنا ہے۔ یہ ہمارا فرض بنتا ہے کہ پاکستان کی حفاظت کریں۔ اس پر آنچ نہ آنے دیں۔ اس کو سنواریں۔ اقوامِ عالم میں اس کا نام روشن کرنے کے لیے دن رات محنت کریں۔ اسے خوبصورت اور ترقی یافتہ بنائیں۔ آؤ ہم سب عہد کریں کہ ہم سب متحد رہیں گے۔ پاکستان کے سب لوگ جسمِ واحد بن کر رہیں گے اور ہمارا نام ایک رہے گا۔

19 ۔ اونٹ کی شادی

دلاور فگار

بند نمبر1

نیا یہ آج کے پرچے نے گل کھلایا ہے
کہ سہرا باندھ کے اک اونٹ بلبلایا ہے

مفہوم:

آج کے اخبار نے یہ نیا گل کھلایا ہے کہ ایک اونٹ نے شادی کے لئے سہرا باندھا اور بلبلایا۔

تشریح:

دلاور فگار کا شمار مشہور مزاحیہ شعرا میں ہوتا ہے۔ وہ واقعاتی اور طنزیہ مزاح نگاری سے لطیف نکتہ پیدا کرتے ہیں۔

زیرِ تشریح شعر میں دلاور فگار اونٹ کی شادی کو موضوعِ سخن بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ آج کے اخبار میں انوکھی اور مضحک خبر شائع ہوئی ہے کہ ایک اونٹ کو شادی کا سہرا باندھا گیا وہ شادی کی گئی ہے۔ مزید یہ کہ سہرا باندھ کے اونٹ بلبلایا ہے۔ شادی دو افراد کے درمیان ازدواجی اور شرعی بندھن ہے اور اس اہم بندھن کو باندھنے کی کچھ رسمیں ہیں جن میں سے ایک معروف رسم سہرا باندھنا ہے۔ کچھ لوگ ازراہِ تفنن اپنے پیارے پالتو جانوروں کی شادی کی رسم بھی منعقد کر لیتے ہیں۔ آج کے اخبار کے تازہ شمارے میں بھی ایسی ہی نرالی گل فشانی کی گئی ہے۔ کہ ایک اونٹ سہرا باندھ کے بلبلا اٹھا۔ گویا اسے اس پُر مسرت موقع کی نزاکت و اہمیت کا احساس تھا۔ شاعر نے لفظ بلبلانا سے بعد از شادی کی، بِلبلاہٹ مراد لی ہے۔ عام طور پر مرد شادی کے بعد بلبلاتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ شادی کے بعد کی ذمہ داریوں اور بیوی کی ناز برداریوں سے بلبلا اٹھتے ہیں۔ نان نفقے کی ذمہ داری، بچوں کے مختلف اخراجات کا بندوبست، بیوی کے ناز نخرے اور تابع فرمانی اچھے اچھے مردوں کا پِتا پانی کر دیتی ہے۔ اور وہ بلبلا اٹھتے ہیں۔ آج کے اخبار میں یہ نیا گل کھلایا گیا ہے کہ ایک اونٹ سہرا باندھنے کے بعد بلبلا اٹھا۔ دلاور فگار نے اونٹ کو سہرا باندھے دیکھ کر مردوں کی شادی کے بعد کی کیفیت کو بطور تمثیل مراد لیتے ہوئے مزاح پیدا کیا ہے کہ میاں سہرا باندھ کر ذمہ داری تو اٹھالی اب زندگی بھر پچھتاؤ گے اور یہ کہتے ہوئے پائے جاؤ گے۔

کدی تے پیکے جانی بیگم
آوے سکھ دا ساہ نی بیگم

ایک کہاوت ہے کہ اونٹ بلبلاتا ہی لدتا ہے۔ اب سہرا باندھ کر اونٹ اپنے اوپر ذمہ داریوں کے بوجھ کا سوچ کر بلبلا اٹھا ہے۔ اب ساری زندگی بڑبڑائے گا۔

بند نمبر2

شتر کے گھر میں پیام بہار ہے سہرا
کبھی کبھی تو بڑا بے مہار ہے سہرا

مفہوم:

شادی کا سہرا اونٹ کے گھر میں نئی بہار کا پیغام ہے، لیکن یہ سہرا کبھی کبھی بے مہار ثابت ہوتا ہے۔

تشریح:

دلاور فگار مشہور مزاحیہ نظم گو شاعر تھے۔ان کا مزاحیہ کلام واقعاتی اور طنزیہ مزاح نگاری پر مبنی ہے۔

زیرِ تشریح شعر میں دلاور فگار اونٹ کی شادی کو موضوعِ سخن بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ اونٹ کی سہرا بندی اگرچہ ایک مضحک بات ہے جس کی اخبار میں تصویر شائع ہوئی ہے۔ لیکن سہرا بندی تو خوشی کا موقع ہے۔ یہ شادی کی اہم رسم ہے۔اب جب اونٹ کو سہرا باندھا گیا ہے تو یہ اس کے گھر میں موسم بہار کا پیغام ہے۔ دل کی غمی کو خزاں اور دل کی خوشی کو بہار کے موسم سے تشبیہ دی جاتی ہے۔اونٹ کا دل تو خوش ہے ہی کہ اس کے گھر میں بھی رونق اور چہل پہل ہو گی۔ شادی کے بندھن کی محبت کی خوشی بھی ہو گی اور بیوی بچوں سے رونق بھی۔اونٹ کی نسل آگے بڑھے گی۔ کبھی کبھی یہ سہرا شترِ بے مہار کا کام کرتا ہے۔اب ایسا ہے کہ شتر کے لیے اگر سہرا بے مہار ثابت ہوا تو "شترِ بے مہار" کی مثل صادق آئے گی۔ شترِ بے مہار کے کنایہ سے بے لگام اور بے قابو زندگی اور مزاج مراد لیا جاتا ہے۔ سہرا بھی کبھی کبھی بے مہار ہو جاتا ہے۔اب دیکھیں تو یہ انسانوں کے سر سے بے لگام ہو کر اونٹ کے سر پر جا پہنچا۔اسے مردوں کی شادی کے دن کی علامت سمجھا جاتا تھا اب اونٹ جیسے جانور کی شادی کے دن کی رسمی علامت بھی بن گیا۔شتر کے معاملے میں سہرا شترِ بے مہار ہو گیا۔

بند نمبر 3

میرے بنّے کو مبارک یہ خوشگوار گھڑی
کہ سر کا درد بڑھا ناک میں نکیل پڑی

مفہوم:

میرے دولہے کو یہ خوشگوار لمحات مبارک ہوں۔اب شادی کے بعد سر کا درد بڑھ جائے گا اور آزادی ختم ہو جائے گی۔

تشریح:

دلاور فگار کا شمار مشہور مزاح نگار شعرا میں ہوتا ہے۔ وہ واقعاتی اور طنزیہ مزاح نگاری سے لطیف نکتہ پیدا کرتے ہیں۔

زیرِ تشریح شعر میں دلاور فگار اونٹ کی شادی کو موضوعِ سخن بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ آج کے اخبار میں اونٹ کی سہرا بندی کی تصویر چھپی ہے۔اونٹ سہرا باندھ کے بلبلایا ہے۔ میرے بنّے کو یہ خوشگوار لمحات مبارک ہوں۔ شادی خانہ آبادی ہوتی ہے۔اونٹ کی خوشی حقیقی ہے کہ گھر میں رونق اور چہل پہل ہو گی۔ شادی کے بندھن کی خوشی اس کے چہرے پر عیاں ہے لیکن اس خوشی میں اس کے لیے فکر مندی کا سامان بھی موجود ہے۔ابھی تو خوشی ہے لیکن بعد میں جب ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانا پڑے گا تو وقت بے وقت کا دردِ سر ہو گا۔ بے مہار زندگی ختم ہو جائے گی۔ اور ذمہ داریوں کی نکیل پڑ جائے گی۔ شاعر نے انسانی شادی کے بعد کے اثرات کو مراد لیا ہے۔ شادی کی تقریبات کا تو بہت جوش و خروش سے اہتمام کیا جاتا ہے۔ لیکن بعد میں گھریلو ذمہ داریاں، بیوی کی ناز برداری ناک میں نکیل ڈال کر ناک میں دم کر دیتی ہے۔ جینا محال ہو جاتا ہے۔اب اونٹ

سہرا بندی پر تو خوش ہے لیکن بعد کی سر دردی سے ناواقف ہے۔اب سر کا درد بڑھے گا اور طرح طرح کی ذمہ داریوں کی نکیل پڑ جائے گی۔آزادی کا دور اب ختم ہوا اور قید دوام کا آغاز ہو گیا۔

بند نمبر 4

سمجھ لیا تھا جسے جانور سواری کا

وہ اونٹ بوجھ اٹھائے گا ذمہ داری کا

مفہوم:

ہم اونٹ کو محض سواری کا جانور سمجھتے تھے۔اب پتہ چلا یہ جانور ذمہ داریوں کا بوجھ بھی اٹھائے گا۔

تشریح:

دلاور فگار کا شمار مشہور مزاح نگار شعرا میں ہوتا ہے۔وہ واقعاتی اور طنزیہ مزاح نگاری سے لطیف نکتہ پیدا کرتے ہیں۔

زیرِ تشریح شعر میں دلاور فگار اونٹ کی شادی کے منفرد واقعہ کو موضوعِ سخن بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ آج کے اخبار میں اونٹ کی شادی کی خبر شائع ہوئی ہے۔انسانوں کی سہرا بندی تو معمول کی رسم ہے لیکن اونٹ کی سہرا بندی انوکھا واقعہ ہے۔ہم تو سمجھتے تھے کہ اونٹ سواری کا جانور ہے۔اونٹ صحرائی جہاز کہلاتا ہے۔اس پر صدیوں سے انسان سفر کرتا آیا ہے۔اسے اونٹ گاڑی میں بھی جوتا جاتا ہے۔انسانی بوجھ اور ساز و سامان کا بوجھ اٹھانا تو اونٹ کے لیے روایتی اور قدرتی عمل ہے لیکن آج جس اونٹ کی شادی کی تصویر چھپی ہے یہ اونٹ انسانی اور ساز و سامان کا بوجھ اٹھانے کے بجائے ذمہ داری کا بوجھ اٹھائے گا۔شادی خانہ آبادی بھی ہے اور نکیل بندی بھی۔گھر کی مختلف ذمہ داریاں اٹھانا پڑتی ہیں۔نان نفقے کے علاوہ بیوی بچوں کے ناز نخرے بھی برداشت کرنا ہوتے ہیں۔انسانی معاشرتی زندگی میں شادی سے پہلے اور بعد کی زندگی کو شاعر نے مراد لیتے ہوئے اونٹ پر محمول کیا ہے کہ اب اس کا مستقبل طرح طرح کی ذمہ داریوں کے بوجھ تلے دبا ہو گا۔شاعر نے لطیف نکتہ پیدا کیا ہے کہ ہم تو سمجھتے تھے اونٹ محض سامان کا بوجھ اٹھاتا ہے، یہ اونٹ شادی کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھائے گا۔یہ واقعی ایک اچھوتی بات ہے کہ اونٹ اب ازدواجی ذمہ داریاں اٹھائے گا۔

مشہور کہاوت ہے کہ "اونٹ کی پکڑ اور عورت کے مکر سے خدا بچائے" لیکن اب اونٹ جب خود ذمہ داریوں کی پکڑ میں آئے گا تو شادی کی پکڑ کا پتہ چلے گا۔!

بند نمبر 5

میاں شتر کو مبارک یہ رشتہ شادی

اسی کو کہتے ہیں اردو میں قیدِ آزادی

مفہوم:

اونٹ جواب میاں بن چکے، ان کو شادی کا رشتہ مبارک ہو لیکن میاں اونٹ! اردو میں شادی کو قیدِ آزادی کہتے ہیں۔

تشریح:

دلاور فگار کا شمار مشہور مزاح نگار شعرا میں ہوتا ہے۔ وہ واقعاتی اور طنزیہ مزاح نگاری سے لطیف نکتہ پیدا کرتے ہیں۔

زیرِ تشریح شعر میں دلاور فگار اونٹ کی شادی کی انوکھے واقعے کو موضوعِ سخن بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ اخبار میں ایک اونٹ کی سہرا باندھ کر بلبلانے کی تصویر شائع ہوئی ہے۔ شاعر نے اونٹ کی شادی کو مرد کی شادی کے بعد کے اثرات پر محمول کیا ہے کہ میاں اونٹ ابھی تو شادی کی خوشی سے باغ باغ ہیں۔ ان کو شادی خانہ آبادی کا یہ رشتہ بہت مبارک ہو۔ خدا کرے ان کو بعد از شادی خوشیاں ملیں اور اس تعلق کے قائم ہونے سے ان کے لئے مبارک لمحات آئیں لیکن اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ شادی ان کے لیے قیدِ آزادی ثابت ہو گی۔ اب ذمہ داریوں کا بوجھ ہو گا۔ آزادی محدود ہو جائے گی۔ اگرچہ تنگی قفس تو نہیں لیکن قیدِ آزادی ضرور ہو گی۔ عام طور پر مرد شادی کے بعد بہت سی آزادیاں سلب کروالیتا ہے۔ خانہ آبادی کے نام پہ بہت سی کڑی ذمہ داریاں اور پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں۔ ادیب حضرات اسے قیدِ آزادی سے موسوم کرتے ہیں۔ دلاور فگار نے اسی کیفیت کو بیان کیا ہے کہ سہرا باندھ کے اب اونٹ قیدِ آزادی میں چلا گیا ہے۔

بند نمبر 6

میاں شتر نئی گاڑی لیے سفر کو چلے
مجھے خوشی ہے کہ تم آ گئے پہاڑ تلے

مفہوم:

میاں اونٹ اب زندگی کی نئی گاڑی لے کر سفر پر روانہ ہوئے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ اب اونٹ پہاڑ کے نیچے آیا ہے۔

تشریح:

دلاور فگار مشہور مزاح نگار شاعر تھے۔ ان کا شگفتہ کلام واقعاتی اور طنزیہ مزاح نگاری پر مبنی ہے۔

زیرِ تشریح شعر میں دلاور فگار اونٹ کی شادی کے انوکھے واقعے کو موضوعِ سخن بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ آج کے اخبار میں اونٹ کی شادی کی نرالی تصویر شائع ہوئی ہے۔ میاں اونٹ کی زندگی کی نئی گاڑی کے سفر کا آغاز ہوا ہے۔ مشہور کہاوت ہے کہ اونٹ جب تک پہاڑ کے نیچے نہ آئے اپنے سے اونچا کسی کو نہیں جانتا، اب شادی کے بعد کی ذمہ داریوں کے پہاڑ کے نیچے آ کر اسے اپنی نئی حقیقت پتا چلے گی۔ بعد از شادی کی ذمہ داریاں، ہمسفر کی ناز برداریاں اسے چھٹی کا دودھ یاد دلا دیں گی۔ اونٹ گاڑی تو مشہور ہے بار برداری کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ نئی چیز ملے تو خوش ہوتی ہے۔ اب تو میاں اونٹ کو ازدواجی زندگی کی نئی گاڑی ملی ہے۔ اب خوشی دوچند ہو گی۔ اس سفر پر میاں اونٹ عازمِ سفر تو ہوئے ہیں لیکن اب اونٹ کو اپنا قد کاٹھ معلوم ہو گا۔ یوں سمجھیں میاں اونٹ کہ اب آپ پہاڑ تلے آ گئے کیونکہ اپنے سے زبردست ہونے کا مقابلہ ہونے پر ہی اپنی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ اب شادی کی ذمہ داریوں کا پہاڑ اٹھاؤ گے تو اپنی حقیقت کا پتہ چلے گا۔ شاعر نے ازدواجی کڑی ذمہ داریوں کو پہاڑ سے تشبیہ دے کر اونٹ کا پہاڑ کے نیچے آنا کی کہاوت کے ساتھ منسلک کر کے شگفتہ معانی پیدا کیے ہیں۔ شادی کے بعد مرد جن کڑی ذمہ داریوں اور پابندیوں کے بندھن میں بندھ جاتا ہے اس پر محمول کرتے ہوئے اونٹ کو خبردار کیا گیا ہے کہ آپ بہت بڑے قد و قامت کے ضرور ہیں لیکن اب آپ اس پہاڑ کے نیچے آ گئے تو اپنی نئی اصلیت کا مزا چکھو گے۔

بند نمبر 7:

مجھے بیاہ کی تصویر بھیج دیں جھٹ پٹ

یہ دیکھنا ہے کہ بیٹھے ہیں آپ کس کروٹ

مفہوم:

میاں اونٹ مجھے شادی کی تصویر فوراً بھیج دیں۔ مجھے دیکھنا ہے کہ آپ کس کروٹ بیٹھے اور شادی کے معاملے کا انجام کیا ہوا۔

تشریح:

دلاور فگار کا شمار مشہور مزاح نگار شعرا میں ہوتا ہے۔ وہ واقعاتی اور طنزیہ مزاح نگاری سے لطیف نکتہ پیدا کرتے ہیں۔

زیرِ تشریح شعر میں دلاور فگار نے اونٹ کی شادی کو موضوعِ سخن بنایا ہے کہ اخبار میں اونٹ کی سہرا بندی کی تصویر شائع ہوئی ہے جو شادی کا بندھن اٹھاتے ہوئے بلبلایا ہے۔ شادی خوبصورت بندھن ہے لیکن بعد از شادی کی کڑی ذمہ داریاں بہت سے پہرے لگا دیتی ہیں اور آزادی سلب ہو جاتی ہے۔ میاں اونٹ بھی بعد از شادی کی اس صورت حال کے کڑوے گھونٹ پیئں گے۔ شاعر کہتا ہے کہ میاں اونٹ آپ مجھے اپنی شادی کی تصویر جلد از جلد بھیج دیں تاکہ پتہ چلے کہ آپ کس کروٹ بیٹھے ہیں۔ مشہور کہاوت ہے کہ اونٹ دیکھئے کس کروٹ بیٹھتا ہے یعنی دیکھیں معاملے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ شاعر کہتا ہے مجھے بھی دیکھنا ہے آپ کی شادی کا کیا نتیجہ نکلا۔ انسانی زندگی میں تو مرد حضرات آہ و فغاں کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ شادی کا پھل کھا کے پچھتا رہے ہیں اور ذمہ داریوں نے کمر ٹیڑھی کر دی ہے۔ اپنی خوشی سے آنے، جانے، کھانے اور رہنے کی آزادیاں ختم ہو گئی ہیں۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ آپ پہاڑ کے نیچے آ کر کیسا محسوس کر رہے ہیں۔ کہیں آپ کو زبردستی تو اس بندھن میں نہیں باندھ دیا گیا اور آپ کے ساتھ "اونٹ لدے بے گاری" کا معاملہ تو نہیں ہو گیا کہ آپ کے بارے میں تو مشہور تھا کہ "اونٹ فرشتے کی ذات ہے"۔

بہر حال آپ کی سہرا بندی کی خبر سے یہ بات تو صادق ہو گی "اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی"۔

20 ۔ مال گودام روڈ

مرزا محمود سرحدی

بند نمبر 1

یوں تو میرے شہر میں سڑکیں کئی ہیں لازوال
لیکن ایک ایسی سڑک بھی ہے نہیں جس کی مثال

مفہوم:

یوں تو پشاور میں کئی لازوال سڑکیں ہیں لیکن مال گودام روڈ ایسی سڑک ہے جو بے مثال ہے۔

تشریح:

مرزا محمود سرحدی اردو طنز و مزاح میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ ان کے طنز و مزاح پر مقامی ماحول کا بہت اثر ہے۔ وہ اپنے ارد گرد کی مزاحیہ تصویریں شاعرانہ فنکاری سے اجاگر کرتے ہیں۔

تشریح طلب شعر میں مرزا محمود سرحدی مال گودام روڈ پشاور کی حالت زار بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یوں تو میرے شہر پشاور کی متعدد سڑکوں کی حالت نہایت خراب ہے لیکن ایک ایسی سڑک بھی ہے جس کی خرابی کی کوئی اور مثال نہیں دی جا سکتی۔ سڑکیں رابطے، نقل و حرکت، ترسیلِ سامان اور منزلِ مقصود کی طرف جانے کا راستہ اور ذریعہ ہوتی ہیں۔ ان کی حالت درست ہو تو سفر اور ترسیل سہل اور آسان ہوتی ہے۔ اور اگر حالت خراب ہو تو بشر و سامان دونوں متاثر ہوتے ہیں۔ سڑکیں روابط کا ذریعہ ہیں ان کی خرابی روابط میں رکاوٹ بنتی ہے۔ چنانچہ شاعر شہر کی بنیادی، مشہور اور مصروف سڑک کی خرابی پر دل گرفتہ ہے۔ مال گودام روڈ پشاور کی مشہور شاہراہ ہے لیکن اس پر جابجا گڑھے پڑ چکے ہیں۔ خشکی میں یہاں موٹر گاڑیاں ڈگمگاتی ہیں اور بارش میں یہاں کشتیاں چل سکتی ہیں۔ کھڈے، کھائیاں اور گڑھے جابجا موجود ہیں اور سواری کا سواری سمیت کسی وقت بھی تختہ الٹ سکتا ہے۔ حکومت انہی سواریوں سے بہت سے محصول وصول کرتی ہے لیکن نہ جانے اس محصول کا استعمال کہاں ہوتا ہے۔ سڑک پہ تو نظر نہیں آتا۔ شاعر سنجیدہ ہو یا مزاحیہ، معاشرے کا ذہن ہوتا ہے، نقائص اجاگر کر کے اصلاح کا طالب ہوتا ہے۔ مرزا محمود سرحدی بھی متعلقہ محکموں اور حکومت سے سڑک کی تعمیر نو کے طلبگار ہیں۔

میرے دیس کی راہیں، آئیں جب چاہیں
یہاں ٹوٹتی ہیں ٹانگیں پھر ٹوٹتی ہیں باہیں

غور طلب پہلو یہ ہے کہ اس سڑک کی خستہ حالی سے اس کے نگران کار محکموں کی انتظامی خستہ حالی صاف عیاں ہے۔ محکمہ ہائی وے اور سی ڈبلیو ڈی نے اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے میں کوتاہی برتی ہے۔ اگر وہ بیدار اور نیک نیّت ہوتے تو یہ سڑک شاندار ہوتی۔

بند نمبر 2

اس کی چھاتی پر کئی ٹانگے الٹ کر رہ گئے

سیکڑوں گھوڑوں کا اس پر ہو چکا ہے انتقال

مفہوم:

مال گودام روڈ کی چھاتی پر کئی ٹانگے الٹ چکے اور سیکڑوں گھوڑے انتقال کر چکے۔

تشریح:

مرزا محمود سرحدی اردو طنز و مزاح میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ ان کے طنز و مزاح پر مقامی ماحول کا بہت اثر ہے۔ وہ اپنے ارد گرد کی مزاحیہ تصویریں شاعرانہ فنکاری سے اجاگر کرتے ہیں۔

زیرِ تشریح شعر میں مرزا محمود سرحدی مال گودام روڈ پشاور کی بدحالی کی منظر کشی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگرچہ مال گودام روڈ شہر کی مرکزی شاہراہ ہے جو شہر میں تجارتی ترسیل سامان اور عوامی نقل و حرکت کا بنیادی ذریعہ ہے لیکن اس کی حالت یہ ہے کہ اس پر جابجا گڑھے اور کھڈے ہیں۔ کتنے ہی ٹانگے اس پر الٹ چکے ہیں اور گھوڑے جیسا جانور جو غیر ہموار سطح پر بھی دوڑ سکتا ہے، گڑھے پھلانگ سکتا ہے، اس سڑک پر مصیبت میں ہوتا ہے اور سیکڑوں گھوڑوں کا اس سڑک پر انتقال ہو چکا ہے۔

سڑک تو آسانی سے سفر کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے۔ شاہراہ تو عام عوام کے سفر کو آسان بناتی ہے اور اس پر چلنے والی ٹریفک ملکی معاشی جسم کی رگ ہوتی ہے۔ مال گودام روڈ جیسی سڑک شہر کی شہ رگ ہوتی ہے۔ اگر شہ رگ کا یہ حال ہے تو شہر میں سفر اور ترسیلِ سامان کی کیا حالت ہو گی، بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

شاعر نے مزاحیہ انداز میں اس سڑک پر سیکڑوں گھوڑوں کے مرنے کا تذکرہ کیا ہے۔ اگر سیکڑوں گھوڑے انتقال فرما چکے ہیں تو ان سیکڑوں لوگوں کا کیا حال ہو گا جو ان گھوڑوں کے ساتھ منسلک ٹانگوں پر سوار تھے۔ غور طلب پہلو یہ بھی ہے کہ ہائی وے اور سی ڈبلیو ڈی محکموں کی کام چوری بھی عیاں ہو رہی ہے۔

بند نمبر 3

آس پاس اس کے جو بستے ہیں نہ ان کی پوچھیے

جس قدر ویراں ہے یہ، ہیں اس قدر وہ خستہ حال

مفہوم:

اس سڑک کے ارد گرد بسنے والوں کی نہ پوچھیں۔ سڑک کی حالت جتنی خراب ہے اس سے زیادہ یہ لوگ خستہ حال ہیں۔

تشریح:

مرزا محمود سرحدی اردو طنز و مزاح میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ ان کے طنز و مزاح پر مقامی ماحول کا بہت اثر ہے۔ وہ اپنے ارد گرد کی مزاحیہ تصویریں شاعرانہ فنکاری سے اجاگر کرتے ہیں۔

زیرِ تشریح شعر میں وہ مال گودام روڈ پشاور کی خستہ حالی اور اس کے عوام پر پڑنے والے اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سڑک کھڈوں، کھائیوں اور گڑھوں کا مرکز ہے اس پر سفر اور ترسیلِ سامان مشکل ہے۔ کئی ٹانگے الٹ چکے ہیں اور سیکڑوں گھوڑوں کا انتقال ہو چکا ہے۔

چنانچہ اب یہ سڑک ویران ہو چکی ہے اور جتنی یہ ویران ہے اس کے ارد گرد کے لوگ بھی اسی خستہ حالی اور ویرانی کا شکار ہیں گرد و غبار کے بادل اڑتے ہیں۔ ارد گرد کے بسنے والے جب نقل و حرکت ہی نہ کر سکیں اور ان کے لئے سفر کرنا محال ہو تو ان کی معاشرتی اور معاشی زندگی کی خستہ حالی صاف ظاہر ہے۔ سڑک معاشی سرگرمی کا ذریعہ اور سفر کا وسیلہ ہوتی ہے۔ معاشی سرگرمیاں سامان اور افراد کی نقل و حرکت سے عبارت ہیں اور شاہراہیں اس میں معاون ہوتی ہیں۔ اگر سڑک کا یہ حال ہو کہ اس پر نقل و حرکت محال ہو تو معاشی حالت نہایت خراب ہو گی۔ یہی کیفیت مال گودام روڈ پشاور کی ہے۔ چنانچہ اس کے ارد گرد بسنے والے اس کی خرابی سے شدید متاثر ہیں اور شاعر کے بقول خستہ حال ہو چکے ہیں۔

غور طلب پہلو یہ ہے کہ شاعر نے اس پر سفر کرنے والے افراد اور جانوروں کی بدحالی کا ہی تذکرہ نہیں کیا بلکہ اس سے معیشت پر پڑنے والے اثرات کے نقطے کو بھی موضوعِ شعر بنایا ہے اور کہا ہے کہ جیسی حالت سڑک کی ہے ویسی ہی حالت اس کے ارد گرد بسنے والوں کی ہو چکی ہے۔

ایک اور زاویے سے دیکھا جائے تو اس سڑک کی خستہ حالی محکمہ ہائی وے اور سی ڈبلیو ڈی کی ذہنی اور انتظامی پسماندگی کو بھی اجاگر کر رہی ہے۔ اس سڑک کی حالتِ زار ان محکموں، جو اس کی دیکھ بھال کے ذمہ دار ہیں، کے کارکنان کی کام چوری اور بے ایمانی کا بھی مظہر ہے۔

بند نمبر 4

رونقیں ہی رونقیں ہیں جس طرف بھی دیکھیے
چیخنے لگتے ہیں اس پر شام ہوتے ہی شغال

مفہوم:

یہ سڑک اتنی ویران ہے کہ شام ہوتے ہی اس پر گیدڑ چیخنے لگتے ہیں۔

تشریح:

مرزا محمود سرحدی اردو طنز و مزاح میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ ان کے طنز و مزاح پر مقامی ماحول کا بہت اثر ہے۔ وہ اپنے ارد گرد کی مزاحیہ تصویریں شاعرانہ فنکاری سے اجاگر کرتے ہیں۔

زیرِ تشریح شعر میں وہ مال گودام روڈ پشاور کی خستہ حالی اور ویرانی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شہر کی یہ مشہور سڑک جو کبھی معاشی اور سفری سرگرمیوں کا پُر رونق مظہر تھی اب ویران ہو چکی ہے۔ وہ مزاحیہ رنگ میں کہتے ہیں کہ اس سڑک کی رونقیں دیکھنے اور سننے سے تعلق رکھتی ہیں۔ کیا ہی پر رونق سڑک ہے، جو نہی شام ہو اس کی رونق جوبن پر ہوتی ہے اور گیدڑ چیختے دوڑتے دکھائی و سنائی دیتے ہیں۔

مشرقی ادب میں گیدڑ کی موجودگی ہمیشہ ویرانوں اور جنگلوں میں پائی گئی ہے۔ اگر مال گودام روڈ پیشاور پہ گیدڑ اٹکھیلیاں کرتے پھر رہے ہیں تو صاف ظاہر ہے وہاں انسانوں کا گزر اب نہیں رہا۔ بنیادی شاہراہیں تو آٹھوں پہر مصروف ہوتی ہیں لیکن شہر کی بنیادی شاہراہ پر سرِ شام ہی گیدڑوں کی رونقیں نمودار ہوتی ہیں تو اس کا مطلب ہے بنی نوع انسان کا اس شاہراہ سے تعلق عرصہ دراز سے قطع ہو چکا ہے۔ شاہراہ کی رونق آمد و رفت ہے انسانوں، گاڑیوں اور سامان کی آمد و رفت۔ لیکن کمال بات ہے کہ مال گودام روڈ کی رونق گیدڑوں کی چوکڑیاں بھرنا اور ان کا چیخنا چلانا ہے۔

شاعر نے مزاحیہ انداز میں جہاں سڑک کی خستہ حالی کو اجاگر کیا ہے وہاں اس کی تعمیر و نگرانی کے ذمہ دار محکموں کی کارکردگی کی خستہ حالی کو بھی اجاگر کیا ہے کہ ماشاءاللہ ان کی شاندار کارکردگی کی وجہ سے یہ سڑک اب ویران ہو چکی ہے اور گیدڑوں کے لئے کھیل کود کا میدان بن چکی ہے۔

بند نمبر 5

لاریاں پٹرول کی دیکھو گے اس پر صبح و شام
ورنہ انسان تو نظر آتا ہے اس پر خال خال

مفہوم:

صبح و شام اس پر خراب گاڑیاں نظر آتی ہیں لیکن انسان نظر نہیں آتا۔

تشریح:

مرزا محمود سرحدی ممتاز مزاح نگار تھے۔ مشاہداتی مزاح نگاری کے ذریعے مسائل اجاگر کرنے میں انہیں ملکہ حاصل ہے۔

زیر تشریح شعر میں وہ مال گودام روڈ پشاور کی خستہ حالی اجاگر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ صوبائی مرکز پشاور شہر کی مرکزی شاہراہ مال گودام روڈ شدید شکست و ریخت کا شکار ہے اور کھڈوں، کھائیوں اور گڑھوں کا مرکز ہے۔ اس پر پٹرول گاڑیاں تو جابجا دکھائی دیتی ہیں لیکن یہ وہ گاڑیاں ہیں جو اس سڑک کی کھائیوں کو عبور کرنے میں اور یہاں حرکت کرنے میں ناکام رہیں۔ کسی کا ایکسل ٹوٹ چکا ہے تو کسی کا گئیر، کسی کے پہیے کام کرنے کے قابل نہ رہے تو کسی کے ٹائر پہیوں کا ساتھ نہ دے سکے۔ بعض گاڑیوں کے انجن جو کئی گھوڑوں کی طاقت رکھتے تھے، جواب دے چکے۔ ظاہر ہے جس سڑک پر سیکڑوں اصلی گھوڑوں کا انتقال ہو چکا ہو وہاں گھوڑوں کی طاقت رکھنے والے انجن کیا چیز ہیں۔ پٹرول گاڑیاں عموماً طاقتور سمجھی جاتی ہیں لیکن مال گودام روڈ کی رکاوٹوں اور کھائیوں نے ان کی طاقت کا نشہ ہرن کر دیا ہے۔ اب یہ پٹرول گاڑیاں ڈھانچوں اور ٹکڑوں کی شکل میں اس سڑک پہ صبح و شام دکھائی دیتی ہیں لیکن انسان خال خال ہی دکھائی دیتا ہے، یہ سوار نہیں بلکہ پیدل آدمی ہوتا ہے۔ اور شاید ان گاڑیوں کی باقیات سے مستفید ہونے آتا ہے۔ سڑک ناکام عاشق کے دل کی مانند ہے۔ داغ ہیں، ٹکڑے ہیں، ویرانی ہے اور اداسی ہے۔ رونق مفقود ہو چکی کہ رونق کا باعث آمد و رفت جو غائب ہو چکی اور آمد و رفت کے غائب ہونے کی وجہ ہے اس سڑک کی خستہ حالی بلکہ خوفناک حالی۔

شاہراہوں کی تعمیر و ترقی کے ذمہ دار محکموں کی کارکردگی کی خستہ حالی صوبائی مرکز پشاور کی مرکزی شاہراہ کی خستہ حالی سے عیاں ہے۔

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

بند نمبر 6

اس میں ایسی کھائیاں ایسے ایسے غار ہیں
دفن ہو سکتا ہے جن میں آدمی بعد از وصال

مفہوم:

اس سڑک میں ایسی کھائیاں اور ایسے قبر نما غار ہیں کہ جن میں مرنے کے بعد انسان دفن ہو سکتا ہے۔

تشریح:

مرزا محمود سرحدی ممتاز مزاح نگار تھے۔ان کے طنز و مزاح پر مقامی اور مشاہداتی رنگ غالب ہے۔ وہ اپنے ارد گرد کی صورتحال کی مضحک تصویریں شاعرانہ فنکاری سے اجاگر کرتے ہیں۔

تشریح طلب شعر میں مرزا محمود سرحدی مال گودام روڈ پشاور کی خستہ حالی اور پریشان حالی کی منظر کشی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شہر کی مرکزی شاہراہ جو سفر اور ترسیلِ سامان کا بنیادی راستہ اور ذریعہ ہے اس کی حالت نہایت ابتر ہے۔ یہ سڑک اب کھائیوں، کھڈوں، غاروں اور گڑھوں میں تبدیل ہو چکی ہے۔اس میں ایسی کھائیاں ایسے ایسے غار بن چکے ہیں کہ اس پر سفر کرنا تو کسی طور ممکن نہیں البتہ اس سڑک کو قدرتی قبرستان کہنا چاہیے۔ان گہری کھائیوں اور غاروں کی مشابہت قبروں سے ہے۔ان میں انسانوں کو مرنے کے بعد دفن کیا جا سکتا ہے۔ مرزا محمود سرحدی کی مزاحیہ رنگ میں سڑک میں موجودہ کھائیوں اور گڑھوں کو نمایاں کیا ہے اور یہ کہہ کر ان میں انسان کو مرنے کے بعد دفن کیا جا سکتا ہے،ان گڑھوں اور کھائیوں کی گہرائی کو اجاگر کیا ہے۔

سڑکیں اور شاہراہیں معیشت و روابط کی زندگی کی علامت ہوتی ہیں۔انسان اور سامان کی بڑی نقل و حرکت سڑکوں سے ہو کر وقوع پذیر ہوتی ہے۔ رستے ملک کے لیے اتنی ہی اہم ہیں جتنی دل کے لئے شریانیں اور وریدیں۔جب شہ رگ ہی ترسیل خون کا کام نہ کر سکے تو دل کا کام ختم سمجھیں۔مال گودام روڈ شہر کی بڑی شاہراہ اور شہ رگ ہے۔اب جناب اس پر تو غار نما گہری کھائیاں ہیں۔ شہر کی بالخصوص اور سڑک کے ارد گرد رہنے والے لوگوں کی زندگی بالعموم پریشان حالی کا نمونہ بن چکی ہے۔دوسرے لفظوں میں شاعر کے بقول سڑک قبرستان کی قبروں کا نعم البدل ہے۔

شاعر نے مشاہداتی مزاح کے ذریعے سڑکوں کی تعمیر و ترقی کے ذمہ دار اداروں کی ذہنی خستہ حالی اور اخلاقی خستہ حالی اجاگر کی ہے کہ سی ڈبلیو ڈی اور ہائی وے ڈیپارٹمنٹ نے کام چوری اور غیر ذمہ داری کی انتہا کر دی ہے،جو ان کے کارندوں کے اخلاقی دیوالیہ پن کا مظہر ہے۔

بند نمبر 7

ڈگمگا جاتے ہیں ریڑھے لڑکھڑا جاتی ہے جیپ
واپس آجائے سلامت سائیکل کی کیا مجال

مفہوم:

اس سڑک پر ریڑھے ڈگمگا جاتے ہیں اور جیپ لڑکھڑا جاتی ہے۔ سائیکل اس سڑک پہ جا کر سلامت واپس نہیں آسکتی۔

تشریح:

مرزا محمود سرحدی اردو طنز و مزاح میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ان کے طنز و مزاح پر مقامی ماحول کا بہت اثر ہے۔ وہ اپنے ارد گرد کی مزاحیہ تصویریں شاعرانہ فنکاری سے اجاگر کرتے ہیں۔

تشریح طلب شعر میں وہ مال گودام روڈ پشاور کی خستہ حالی کی منظر کشی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شاہراہیں ترسیلِ سامان اور سفر کا ذریعہ اور راستہ ہوتی ہیں۔ لیکن شہر کی یہ بنیادی شاہراہ کھڈوں، کھائیوں اور گڑھوں کا مرکز بن چکی ہے۔اس پر آمد و رفت ناممکن ہو چکی ہے۔ اگر کوئی ریڑھا اس سڑک پر سفر کے لیے آ ہی جائے تو ان کھڈوں، کھائیوں کو عبور کرنا اس کے لیے ناممکن ہے۔ اکثر ریڑھے ڈگمگا جاتے ہیں اور کسی کھائی میں گرے ہوتے ہیں۔ جیپ جو کچے پکے راستے اور ڈھلوانی پتھریلے راستے بھی عبور کر لیتی ہے اس سڑک پر لڑکھڑاتی دکھائی دیتی ہے۔ لڑکھڑا کر

گرنا تو پھر اس کے لیے لازم ہے۔ اگر اس سڑک پر سائیکل چلائی جائے تو خواہ کتنی ہی احتیاط کی جائے، اس کا جوڑ جوڑ ہل جاتا ہے اور واپس سلامتی سے نہیں آسکتی۔

سڑکیں آمدورفت کا بنیادی وسیلہ ہیں۔ انسانوں کی سفری اور کاروباری نقل و حرکت انہی پر ہوتی ہے۔ یہ ملکی اور معاشرتی جسم کے دل کی وریدیں ہیں۔ اگر وریدیں آمدورفت کے قابل نہ رہیں تو دل کا کام بند سمجھیں۔ اگر سڑک خراب ہے تو صاف عیاں ہے کہ معاشرتی اور تجارتی آمدورفت کا نظام خراب ہے اور اگر مال گودام روڈ جیسی بڑی شاہراہ کی اتنی بری حالت ہے تو سفری و تجارتی نقل و حرکت کی حالت بھی اتنی ہی بری ہو گی۔

شاعر نے مزاحیہ انداز میں سڑک کی خرابی کو اجاگر کیا ہے کہ اس پر ریڑھے اور جیپیں لڑکھڑاتی ہیں اور سائیکل تک سلامت واپس نہیں آتی۔ ایک تیسرے زاویے سے دیکھا جائے تو شاعر نے طنز و مزاح کے ذریعے سڑکوں کی تعمیر و ترقی کی محکموں کی کارکردگی کی خرابی کو بھی اجاگر کیا ہے۔ اگر بنیادی شاہراہ کا یہ حال ہے تو ان محکموں کی مجموعی کارکردگی پر بڑا سوالیہ نشان ہے۔

بند نمبر 8

مینہ برس جائے تو چل سکتی ہیں اس پر کشتیاں
ڈوب جانے کا بھی ہو جاتا ہے اکثر احتمال

مفہوم:

اگر بارش ہو جائے تو اس سڑک پر موجود گڑھوں کے پانی میں کشتیاں چل سکتی ہیں اور انسان کے ڈوبنے کا بھی احتمال ہے۔

تشریح:

مرزا محمود سرحدی اردو طنز و مزاح میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ ان کے طنز و مزاح پر مقامی ماحول کا بہت اثر ہے۔ وہ اپنے ارد گرد کی مزاحیہ تصویریں شاعرانہ فنکاری سے اجاگر کرتے ہیں۔

زیرِ تشریح شعر میں وہ مال گودام روڈ پشاور کی خستہ حالی کو مزاحیہ انداز میں اجاگر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سڑکیں ترسیل سامان اور سفر کا بنیادی ذریعہ ہوتی ہیں۔ شہر پشاور کی مرکزی شاہراہ جو پورے شہر کے تجارتی و معاشرتی روابط کا ذریعہ ہے، کی حالت نہایت خراب ہے۔ اس پر جگہ جگہ گڑھے، کھڈے اور کھائیاں بن چکی ہیں۔ یہاں جیپیں، ٹانگے الٹ چکے ہیں اور گھوڑوں کا انتقال ہو چکا ہے۔ یہاں بارش ہو جائے تو یہ سڑک ندی نالے کا روپ دھار لیتی ہے اور اس میں آسانی سے کشتیاں چل سکتی ہیں اور کھڈوں اور گڑھوں میں پانی اتنا گہرا ہوتا ہے کہ ڈوب جانے کا خدشہ ہوتا ہے۔ مرزا محمود سرحدی نے مزاحیہ انداز میں مال گودام روڈ کی بدحالی کو نمایاں کیا ہے کہ گڑھے اور کھڈے اتنے گہرے ہیں کہ اگر بارش کا پانی ان میں کھڑا ہو جائے تو کشتیاں چلانے اور ڈوبنے کا موقع بن جاتا ہے۔ یہ کیسی سڑک ہے جہاں سے انسان کا سفر آسان ہونے کی بجائے تکلیف دہ بن جائے۔

عام راستے ہوں یا بڑی اور مرکزی شاہراہیں، روابط اور نقل و حرکت کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ انہیں باسہولت ہونا چاہیے۔ تکلیف دینے کے بجائے آسانی دینے والا ہونا چاہیے۔ یہ کاروباری زندگی کے لیے اتنی ہی اہم ہیں جتنی دل کے لیے شریانیں۔ اگر شہ رگ ہی خون کے لوتھڑوں سے بند ہو تو دل کا کام بند ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مال گودام روڈ جو شہر کی مرکزی شاہراہ ہے، اس کی حیثیت کاروباری یا تجارتی امور کے لیے شہ رگ کی ہے

کیونکہ سامان کی بڑی ترسیل کا کام اسی کے ذریعے ہوتا ہے۔ اب اس کی حالت تو ناگفتہ بہ ہے۔ جب اس پر گڑھے اور غاریں ہیں تو تجارتی نقل و حرکت کا کام مفقود سمجھیں۔

ایک اور زاویے سے دیکھا جائے تو اس مرکزی شاہراہ کی بدحالی سڑکوں کی تعمیر و مرمت کے ذمہ دار اداروں کی کام چوری اور خراب کارکردگی کا مظہر ہے۔ سی ڈبلیو ڈی اور ہائی وے نے اپنی ذمہ داریاں نہیں نبھائیں۔ شاعر معاشرے کا ذہن ہوتا ہے۔ مرزا محمود سرحدی نے اس اہم مسئلہ کو مزاح نگاری سے اجاگر کر کے سامان مزاح ہی مہیا نہیں کیا بلکہ اس تکلیف دہ شہری مسئلے کو اجاگر کر کے قومی خدمت کی ہے۔

بند نمبر 9

اس کی ڈھلوانوں پر موٹر کا دھڑک جاتا ہے دل
اس کے موڑوں پر لرز جاتے ہیں اکثر باکمال

مفہوم:

اس کی ڈھلوانوں پر گاڑیوں کے دل لرزتے ہیں اور اس کے موڑوں پر باکمال ڈرائیور بھی کانپ جاتے ہیں۔

تشریح:

مرزا محمود سرحدی اردو طنز و مزاح میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ ان کے طنز و مزاح پر مقامی ماحول کا بہت اثر ہے۔ وہ اپنے ارد گرد کی مزاحیہ تصویریں شاعرانہ فنکاری سے اجاگر کرتے ہیں۔

تشریح طلب شعر میں وہ مال گودام روڈ پشاور کی خستہ حالی کو اجاگر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مال گودام روڈ شہر کی بڑی اور مرکزی شاہراہ ہے۔ سامان کی ترسیل اور عوامی سفر کا بنیادی راستہ ہے۔ اپنی اہمیت کے باعث اس کی حالت بہت اچھی ہونی چاہیے لیکن اس کی حالت نہایت خراب ہے۔ اس پہ جابجا کھڈے، کھائیاں اور گڑھے بن چکے ہیں۔ نشیب و فراز اور ڈھلوانیں بن چکی ہیں۔ اس کی ڈھلوانوں پر موٹر گاڑی زور لگا کے چیخنے لگ جاتی ہے۔ ہر گاڑی گھبراتی ہے اور اس کا دل خوف ناک ڈھلوانوں کو دیکھتے ہی دھک دھک کرنے لگتا ہے۔ اس باکمال سڑک پر ایسے ایسے موڑ بن چکے ہیں کہ بڑے بڑے ماہر ڈرائیور گاڑی چلاتے وقت لرزنے لگتے ہیں۔

سڑکیں اور شاہراہیں ترسیلِ سامان اور سفر کا بنیادی ذریعہ ہیں۔ اس کے بغیر انسان و سامان کی نقل و حرکت مشقت طلب کام ہے۔ رستے ملک کے لیے اتنے ہی اہم ہیں جتنی دل کو فراہمی خون کے لیے شریانیں اور وریدیں۔ جیسے شریانوں میں بندش امراضِ قلب اور دل کے دورے کا باعث ہے اسی طرح سڑکوں کی خرابی نقل و حرکت کیلئے خرابی کا باعث ہوتی ہے۔ مال گودام روڈ پشاور شہر کی مرکزی شاہراہ ہے اور یہ شہر صوبائی مرکز بھی ہے۔ اس کی حالت یہ ہے کہ اس پر خطرناک موڑ اور پُرخطر نشیب و فراز وجود میں آچکے ہیں۔ ان پر گاڑی چلاتے ہوئے ماہر ڈرائیور کا دل لرزتا ہے اور گاڑی کا انجن چیخنے اور گریہ و فریاد کرنے لگ جاتا ہے۔

دوسرے زاویے سے دیکھا جائے تو بذریعہ مزاح مرزا محمود سرحدی نے سڑک کی تعمیر و مرمت کے محکموں کی خراب کارکردگی کو بھی اجاگر کیا ہے کہ کس جانفشانی اور توجہ سے وہ کام چوری اور غیر ذمہ داری کے مرتکب ہوئے ہیں۔ سی ڈبلیو ڈی اور ہائی وے کی مجرمانہ غفلت کے باعث سڑک غاروں، کھائیوں اور گڑھوں میں تبدیل ہو چکی ہے۔

بند نمبر 10

اس پہ جانے کا کبھی ہوتا ہے جس کو اتفاق
اس کے لوٹ آنے کا پیدا ہی نہیں ہوتا سوال

مفہوم:

اس سڑک پر جو چلا جائے اس کے لوٹ آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تشریح:

مرزا محمود سرحدی کا شمار اردو کے ممتاز مزاح نگار شعرا میں ہوتا ہے۔ وہ اپنے ارد گرد کے ماحول کی مضحک تصویریں شاعرانہ مہارت سے اجاگر کرتے ہیں۔

زیرِ تشریح شعر میں مرزا محمود سرحدی مال گودام روڈ پشاور کی خستہ حالی کو مزاحیہ انداز میں نمایاں کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مال گودام روڈ پشاور شہر کی مرکزی شاہراہ ہے جو نقل و حرکت کا مرکزی ذریعہ ہے، اس پہ گڑھے، کھائیاں، اور کھڈے بن چکے ہیں۔ اس پہ گاڑیاں چلنا تو محال گھوڑوں کا گزر مشکل ہے اور کئی گھوڑوں کا انتقال ہو چکا ہے۔ گاڑیاں اور سائیکل اگر اس سڑک پہ چلے جائیں تو واپس آنا ناممکن ہے۔ اس سڑک کی حالت اتنی خراب ہے کہ اگر کوئی شخص اس پر سفر کا ارادہ کر لے یا اتفاقاً آجائے تو اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ سلامتی سے لوٹ آئے۔ جس سڑک پہ اتنے گہرے غار ہوں کہ وہاں انسان بعد از مرگ دفنایا جا سکے وہاں سفر کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔

چھوٹی سڑکیں ہوں یا بڑی شاہراہیں نقل و حرکت کا بنیادی وسیلہ ہوتی ہیں۔ سامان کی ترسیل اور انسانی سفر انہی کے ذریعے ہوتا ہے۔ جیسے نظامِ دورانِ خون کا عمل شریانوں اور وریدوں کے ذریعے ہوتا ہے اور اگر شریانوں میں بندش پیدا ہو جائے تو ترسیلِ خون اور عملِ قلب خراب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شاہراہوں کی خرابی کاروباری اور تجارتی سامان کی نقل و حمل اور انسانی نقل و حرکت میں بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ جب سڑک ایسی ہو کہ اس پر اگر اتفاقاً سفر کیا جائے تو زندہ سلامت واپس آنے کا امکان نہ ہو تو وہاں معیشت اور انسانی روابط کی کیا حالت ہو گی؟

تیسرے زاویے سے دیکھا جائے تو شاعر نے مزاحیہ انداز میں سڑکوں کی تعمیر و مرمت کی ذمہ دار اداروں کی ذہنی پسماندگی، غیر ذمہ داری اور کام چوری کو بھی اجاگر کیا ہے کہ مال گودام روڈ پشاور کی ناگفتہ بہ حالت، جس پر غار گڑھے، کھڈے اور کھائیاں ہیں، سے ان اداروں یعنی سی ڈبلیو ڈی اور ہائی وے کی کارکردگی کی حالت زار صاف عیاں ہے۔

بند نمبر 11

سوچتا رہتا ہوں کب میرے وظیفے کی طرح
اس کی بدحالی کا آتا ہے حکومت کو خیال

مفہوم:

میں سوچتا رہتا ہوں کہ میرے وظیفے کی طرح اس سڑک کی بدحالی کا حکومت کو کب خیال آتا ہے۔

تشریح:

مرزا محمود سرحدی اردو طنز و مزاح میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ ان کے طنز و مزاح پر مقامی ماحول کا بہت اثر ہے۔ وہ اپنے ارد گرد کی مزاحیہ تصویریں شاعرانہ فنکاری سے اجاگر کرتے ہیں۔

زیرِ تشریح شعر میں مرزا محمود سرحدی مال گودام روڈ پشاور کی خستہ حالی اور حکومت کی بے توجہی کو نمایاں کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مال گودام روڈ پشاور شہر کی مرکزی شاہراہ ہے جس کے ذریعے بنیادی تجارتی اور انسانی نقل و حرکت ہوتی ہے۔ اس کی موجودہ حالت یہ ہے کہ اس پر گڑھے، کھائیاں، کھڈے اور غاریں وجود میں آچکی ہیں اور گاڑیوں کا گزرنا محال ہے۔ کئی گھوڑے ان رکاوٹوں کو عبور کرتے ہوئے انتقال کر چکے ہیں۔ اگر اتفاقاً اس پر سفر کیا جائے تو واپس زندہ سلامت آنا ناممکن ہے۔ یہاں برسات میں کشتیاں چل سکتی ہیں۔ اس پر موجود غاروں میں بعد از مرگ انسان دفن ہو سکتا ہے۔ مجموعی طور پر یہ سڑک جو مرکزی سڑک ہے ناقابل سفر ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میں مسلسل سوچتا رہتا ہوں کے حکومت کو کب اس کی بدحالی کا خیال آئے گا۔ حکومت ہر معاملے میں ہی سست ہے۔ میرا وظیفہ جو حکومت سے وصول ہوتا ہے اس کی حالت بھی مال گودام روڈ پشاور کی طرح خراب ہے۔ ایک تو مالیت کم بلکہ معمولی اور اوپر سے بہت سی رکاوٹوں کو عبور کر کے، حالات کی سختی سہہ کر وصول ہوتا ہے۔

شاعر نے مزاحیہ انداز میں سڑک کی خستہ حالی کے ذکر میں اپنے وظیفے کا ذکر کر کے تفنن میں اضافہ کر دیا ہے۔ سڑک کی خستہ حالی کو اپنے وظیفے سے تشبیہ دی ہے اور سڑک کی تمام حالتِ زار سے اپنے وظیفے کی حالتِ زار اجاگر کی ہے۔ نیز حکومت سڑک کی تعمیر و مرمت میں سست روی اپنے وظیفے کے معاملے میں حکومتی سست روی سے تشبیہ دی ہے کہ جیسے حکومت میرے وظیفہ کی حالت اور فراہمی میں سست اور بے عملی کا شکار ہے ایسے ہی سڑک کی تعمیر و مرمت میں سستی کام چوری اور غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ شاعر ممتنی ہے کہ حکومت کے سڑک کی تعمیر و ترقی کے ذمہ دار ادارے اور شاعر کے وظیفے کی بہتری و فراہمی کے ادارے جلد متحرک ہوں اور مال گودام روڈ پشاور کی خستگی و بدحالی کو دور کریں نیز شاعر کے معمولی قیمت پر مشتمل وظیفے کی حالتِ زار کو بھی درست کریں۔

21 ۔ مصیبت بھی راحت فضا ہو گئی ہے

حسرت موہانی

شعر 1

مصیبت بھی راحت فضا ہو گئی ہے
تری آرزو رہنما ہو گئی ہے

مفہوم:

تجھے پانے کی خواہش میں ہر مصیبت راحت فزا ہے۔

تشریح:

حسرت موہانی اردو ادب کے مشہور غزل گو شاعر ہیں۔ عشق حقیقی، غم دوراں اور غم جاناں پر مبنی ان کے اشعار زندگی کی محبتوں کے ترجمان بھی ہیں اور تلخیوں کے عکاس بھی۔

تشریح طلب شعر میں وہ راہِ وفا اور عشقِ حقیقی کی راہ میں آنے والی مصیبتوں کے راحت بڑھانے کا باعث بننے کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ راہِ شوق میں اور راہِ سلوک میں جب سے میں اللہ کے قرب اور خوشنودی کا آرزو مند بنا ہوں اور اس کی رضا کے لئے محنت کی ہے تو اس کام میں طرح طرح کے مصائب، رکاوٹوں، مصیبتوں اور بلاؤں نے مجھے شکستہ دل کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یہ پریشانیاں میری راحت میں اضافے کا باعث بنیں کیونکہ راہِ خدا میں آنے والی ہر مصیبت سے مجھے مزید سکون ملا۔ ان پریشانیوں رکاوٹوں کے باوجود میں عازم سفر ہوں۔ اپنے مقصد سے ہٹا نہیں اور اللہ کے نزدیک مزید پسندیدہ بن گیا ہوں کہ سب تکلیفیں سہہ کر بھی اس کی خوشنودی کا متمنی ہوں۔

بس تیری رضا تیری خوشنودی ہمیں ملے
وہ غم سرمایا ہے جو تیری راہ میں ملے

حقیقت یہ ہے کہ پیغمبروں کی میراث اور ان کی سنت ہے کہ انسان تکلیفیں سہے اور خدا کی رضا پہ عمل جاری رکھے۔ ایسے حالات میں اللہ کی مدد شاملِ حال ہو جاتی ہے اور ہجومِ بلا انسان کو مایوس نہیں کرتا، ایک شاندار منزل یعنی اللہ کا قرب سامنے ہوتی ہے۔

ہر حال میں رہا جو ترا آسرا مجھے
مایوس کر سکا نہ ہجومِ بلا مجھے

مجازی معنوں میں دیکھا جائے تو شاعر کا مطمع نظر محبوب کی محبت و الفت ہے اب اس راہ میں آنے والی مصیبتیں پریشانیاں سکون آور اور راحت فضا ہیں۔ جب محبوب کا پیار من میں جاگا ہو۔ اس کی یاد دل میں رچی بسی ہو تو کڑا وقت کوئی معنی نہیں رکھتا۔

یوں کس طرح کٹے گا کڑی دھوپ کا سفر
سر پر خیالِ یار کی چادر ہی لے چلیں (ناصر)

بشیر بدر نے تو محبوب کی یاد اور محبت کو حیات کے تمام غموں کا سائبان کہا ہے۔

اُجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے

شعر 2

یہ وہ راستا ہے دیارِ وفا کا
جہاں بادِ صرصر، صبا ہو گئی ہے

مفہوم:

راہ وفا میں گرم ہوا بادِ نسیم محسوس ہوتی ہے اور مصیبت خوشی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

تشریح:

مولانا حسرت موہانی کا شمار اردو کے نمائندہ غزل گو شعرا میں ہوتا ہے۔ عشقِ حقیقی، حُبِ وطن اور معاملاتِ محبت پر مبنی ان کے اشعار زندگی کی امنگوں، جذبوں اور حقیقتوں کے ترجمان ہیں۔ تشریح طلب شعر میں وہ راہِ وفا کی مصیبتوں کے راحتوں میں بدلنے کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وفا کی گلی میں، محبت کی راہ میں گرم لو بادِ نسیم اور بادِ شمیم کا سا احساس دلاتی ہے۔ اگرچہ راہِ وفا پُر خار اور مصائب سے بھری ہوئی ہے۔ لیکن یہ تکالیف اس راہ میں خوشگوار لگتی ہیں اور انسان ہنستا کھیلتا ان کو جھیلتا جاتا ہے اور اس راہ کے غم میں بھی مزا محسوس کرتا ہے۔

یہ نادر رواج ہے رہِ شہرِ وفا کا
یہاں کی لو میں کیف ہے بادِ صبا کا

حسرت موہانی نے حُبِ وطن میں طویل قید و بند کی سختیاں برداشت کیں۔ جیل میں چکی کی مشقت جھیلی۔ جب مقصد اعلیٰ وارفع ہو اور دھرتی سے وفا کا معاملہ ہو تو انسان جان بھی نثار کر دیتا ہے۔ اس راہ کی سختیاں تکلیف انگیز نہیں ہوتیں۔ حسرت موہانی بھی بین السطور یہی بات اجاگر کر رہے ہیں کہ مٹی سے پیار ہے۔ وطن کا کانٹا سنبل و ریحان سے بھی پیارا ہے۔ اب کال کوٹھڑی کی اذیت، افرنگی استعمار کا نفسیاتی و جسمانی تشدد اور جیل کی سختیاں اس وطن سے وفا کی راہ میں تکلیف نہیں بلکہ تسکین دیتی ہیں۔

وفا کی راہ میں اپنی ثابت قدمی اور ایثار سے اہل وفا نے قدم قدم یادگار بنا دیا ہے۔ وفا شعار آتش نمرود میں بے خطر کود ے، سرِ وادی طائف رہ گزر کو اپنے مقدس وفا شعار خون کے رنگ و بو سے منور کیا۔ قربانی کے لئے چھری گلے پہ چلوائی۔ چناب میں کچے گھڑے پہ کود ے۔ مطلوب کی خواہش میں فرہاد نے کوہ کنی کی لیکن یہ سب تکلیفیں ذریعہ سکون بن گئیں کہ منزل کے حصول میں سب خار گل محسوس ہوتے ہیں اور مصیبت خوشی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

شعر 3

میں درماندہ اس بارگاہِ عطا کا
گُنہ گار ہوں اک خطا ہو گئی ہے

مفہوم:

میں اس بارگاہ عطا کا خستہ حال گنہگار اور خطاکار ہوں اور معافی کا طلب گار ہوں۔

تشریح:

مولانا حسرت موہانی کا شمار اردو کے نمائندہ غزل گو شعرا میں ہوتا ہے۔ عشقِ حقیقی، حُبِ وطن اور معاملاتِ محبت پر مبنی ان کے اشعار زندگی کی امنگوں، جذبوں اور حقیقتوں کے ترجمان ہیں۔ زیر تشریح شعر میں وہ احساس ندامت سے دوچار گنہگاری پر عاجز اور معافی کے خواستگار ہیں کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ سب نعمتیں اسی کے حضور سے عطا ہوئی ہیں۔ میں مقصد تخلیق بھول گیا ہوں۔ مجھے نیابت کے لیے نعمت دے کر بھیجا گیا اور اخروی زندگی کی بنیاد بھی یہی کارکردگی ٹھہرائی گئی لیکن میں بھٹک گیا اور راہِ راست سے ہٹ گیا۔ چنانچہ خستہ حال اور پریشان حال ہو چکا ہوں۔ مجھے احساس ہے کہ میں گناہ کا مرتکب ہوا ہوں۔ انسان خطا کا پتلا ہے، اس سے لغزش ہو جاتی ہے۔ بشری تقاضوں میں احتیاط اور پرہیزگاری کا دامن چھوٹ جاتا ہے۔ مجھ سے بھی یہی غلطی سرزد ہوئی۔ لیکن باری تعالیٰ تو رحیم و غفور ہے، بخش دیتا ہے، توبہ قبول کرتا ہے، سو بار بھی توبہ توڑیں پھر معاف کر دیتا ہے اگر انسان باز آجائے۔ میں بھی معافی کا طالب ہوں اور غلطیوں پر نادم ہوں اور صراط مستقیم تھامنا چاہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے، تو مجھے بخش کر مزید نعمتوں سے نوازے گا۔

"بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے"۔ (القرآن)

چلے ہم نقدِ عصیاں لے کر آمرزش کے سودے کو
کہ نرخ اس جنس کا کچھ بھی نہیں رکھا گراں تو نے

شعر 4

ترے رتبہ دانِ محبت کی حالت
ترے شوق میں کیا سے کیا ہو گئی ہے

مفہوم:

تیری محبت میں مرتبہ پانے والوں کی حالت تجھے پانے کی جستجو میں کیا سے کیا ہو گئی ہے۔

تشریح:

مولانا حسرت موہانی کا شمار اردو کے نمائندہ غزل گو شعرا میں ہوتا ہے۔ عشقِ حقیقی، حُبِ وطن اور معاملاتِ محبت پر مبنی ان کے اشعار زندگی کی امنگوں، جذبوں اور حقیقتوں کے ترجمان ہیں۔

بحث طلب شعر میں وہ اپنے لامحدود عشق کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے رب دوجہاں تیری رضا و خوشنودی کے حصول کے لیے تیرے احکامات بجالایا اور صراط مستقیم پر چلتے ہوئے طرح طرح کے مصائب و آلام کا سامنا کیا۔ تجھے پانے کی جستجو میں حالت خراب ہو گئی۔ زندگی کے سارے عوامل درہم برہم ہو گئے لیکن ہم تیری محبت و جستجو میں ثابت قدم رہے۔

اذیت، مصیبت، ملامت، بلائیں
ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا (درد)

ہم اس حقیقت سے آشنا تھے کہ راہِ عشق پہ چلنا آسان نہیں۔ رنگ و روپ بکھر جاتا ہے۔ اہل خانہ سے دُکھ ملتے ہیں۔ عقل کے سوگ اور دل کے روگ لاحق ہو جاتے ہیں اور زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجئے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

حسرت کہتے ہیں کہ اس حقیقت سے آشنائی کے باوجود ہم رہِ نوردِ شوق رہے۔ رہِ سلوک پہ گامزن رہے۔ آزمائش وابتلاء کو خاطر میں نہ لائے۔ تیری رضااور خوشنودی کے حصول کے لئے ہر مشکل کاثابت قدمی سے مقابلہ کیا۔ کاش تمہاری اک ذراسی توجہ ادھر ہو جاتی تو ہماری بگڑی بھی بن جاتی، ہماری مشکلیں بھی آسان ہو جاتیں۔ تم تو مالک و مختار ہو تمہارا فضل ہوتا تو ہماری زندگی سنور جاتی۔ دیکھئے تو آپ کے عشق میں مراتب و مدارج حاصل کرنے کے باوجود ہماری حالت کتنی خراب ہو چکی ہے۔

تغافل نے تیرے یہ کچھ دن دکھائے
ادھر تو نے لیکن دیکھا نہ دیکھا (دردؔ)

مجازی معنوں میں شاعر محبوب سے شکوہ کناں ہے کہ اس کی تمام تر چاہت اور محبوب کو پانے کی حسرت کے باوجود اسے وصلِ محبوب اور نظرِ التفات حاصل نہیں ہوئی۔ محبوب کی محبت میں زمانے میں عاشقِ زار مشہور ہوئے تور سواہوئے۔ پھر عاشقِ صادق کالقب ملا۔ محبت میں تو یہ بڑا رتبہ ہے کہ زمانہ جو کبھی کسی کا نہیں ہوتا میری محبت کا قائل و شاہد ہے۔ لیکن تیری بے رخی قائم ودائم ہے، جس کے باعث حالتِ جنوں میں ہم اپنی شخصیت کو مسخ کر بیٹھے، اپنی حالت بگاڑ بیٹھے مگر تمہارے دل میں کبھی نرمی اور محبت پیدا نہیں ہوئی۔

تیری بے وفائیوں پر تیری کج ادائیوں پر
کبھی سر جھکا کے روئے کبھی منہ چھپا کے روئے (سیف الدین سیفؔ)

شعر 5

پہنچ جائیں گے انتہا کو بھی حسرتؔ
جب اس راہ کی ابتدا ہو گئی ہے

مفہوم:

جب منزلِ مقصود کے لیے نکل پڑا ہوں تو اے حسرتؔ منزل تک بھی پہنچ ہی جاؤں گا۔

تشریح:

مولانا حسرتؔ موہانی کا شمار اردو کے نمائندہ غزل گو شعرا میں ہوتا ہے۔ عشقِ حقیقی، حُبِ وطن اور معاملاتِ محبت پر مبنی ان کے اشعار زندگی کی امنگوں، جذبوں اور حقیقتوں کے ترجمان ہیں۔

زیرِ بحث شعر میں وہ کہتے ہیں کہ جب کسی منزل کے لئے انسان نکل پڑے تو منزل تک بھی پہنچ ہی جاتا ہے۔ انسان ہمت کر کے کام کی شروعات کر دے تو تکمیل ہو ہی جاتی ہے۔ انسان منزل کی راہ میں موجود خطرات کے بارے میں سوچ کر بے حوصلہ ہو جاتا ہے اور عازمِ سفر ہونے سے ہچکچاتا ہے۔ یوں کام کا آغاز ہی نہیں ہو پاتا لیکن اگر ہمت کر کے انسان نکل پڑے تو راستے میں بہت سے مددگار مل جاتے ہیں اور فطرت کے عناصر درخت بھی سایہ مہیا کرتے ہیں۔

سفر ہے شرط، مسافر نواز بہتیرے
ہزارہا شجر سایہ دار راہ میں ہے

رستے میں مشکلات ہوتی ہیں تو ہم خیال مددگار بھی مل جاتے ہیں اور سفر آسان ہو جاتا ہے۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

حسرت موہانی کا مطمع نظر قربِ خدا اور پھر غیر ملکی استعمار سے دھرتی کی آزادی ہے۔ حُبِّ وطن میں حسرت نے قید و بند کی سختیاں جھیلیں اور آزادی کی جدوجہد کی۔ اس شعر میں وہ اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ اگرچہ یہ ابتدا ہے لیکن جب ابتدا ہو گئی ہے، جدوجہد کا آغاز ہو گیا ہے تو منزل دور نہیں۔ جہد مسلسل سے منزل کو حاصل کر ہی لیں گے۔ اگرچہ غلامی کی رات طویل ہے لیکن قافلہ صبح، شب کی منزلوں کو طے کرتا رہا تو سحر ضرور ہو گی۔ غلامی کے مصائب کا خاتمہ ضرور ہو گا۔

طول غمِ حیات سے نہ گھبرا اے جگر
ایسی بھی کوئی رات ہے جس کی سحر نہ ہو

حسرت امید پرست ہیں۔ مصائب انسان کو تھکا دیتے ہیں، مایوس کر دیتے ہیں لیکن حسرت ناامید نہیں ہوئے۔ جب عزم پکا ہو اور خدا پر بھروسہ ہو تو انسان کڑی دھوپ کا سفر طے کر کے منزل تک پہنچنے کی کوشش نہیں چھوڑتا اور مایوس نہیں ہوتا۔

ہر حال میں رہا جو تیرا آسرا مجھے
مایوس کر سکا نہ ہجومِ بلا مجھے (حسرت موہانی)

جب منزل مقصود کے لیے جدوجہد کا آغاز کر دیا ہے تو کوشش بار آور ہو گی اور منزل تک ضرور پہنچیں گے۔

22 ۔ آدمی آدمی سے ملتا ہے

جگر مرادآبادی

شعر 1

آدمی آدمی سے ملتا ہے
دل مگر کم کسی سے ملتا ہے

مفہوم:

انسان انسان سے ملتا ہے لیکن قلبی لگاؤ کم کسی سے ہوتا ہے۔

تشریح:

جگر مرادآبادی کا شمار سرکردہ غزل گو شعرا میں ہوتا ہے غمِ دوراں اور غمِ جاناں پر مبنی جگر کے اشعار زندگی کی تلخیوں کے ترجمان بھی ہیں اور قلبی کیفیات کے عکاس بھی۔ تشریح طلب شعر میں انہوں نے انفرادی اور اجتماعی اعتبار سے دل کے کسی کسی سے لگنے کے فلسفے کو بیان کیا ہے۔ انسان کی معاشرتی زندگی بہت سے لوگوں سے تعلقات پر مبنی ہوتی ہے۔ مختلف مزاجوں، عمروں اور طبقوں کے افراد سے شخصی تعلق داری قائم ہوتی ہے لیکن قلبی لگاؤ کم ہی کسی سے استوار ہوتا ہے۔ دل کی پسند کے معیار پہ پورا اترنے والے افراد کم ہوتے ہیں۔ ہم خیال اور پسندیدہ افراد کی کمی کے باعث کم لوگوں سے دل لگی ہوتی ہے۔ امنگوں، جذبوں، خواہشوں کے اعتبار سے ہر کسی کا قلبی معیار پر پورا اترنا ممکن نہیں جہاں ہم آہنگی ہو گی وہیں دل وابستگی ہو سکتی ہے۔ شاعر گہری چوٹ کھائے ہوئے ہے۔ زخم خوردہ ہے۔ محبوب کی بے اعتنائی اور بے وفائی کے سبب دلی مطلع پر اداسی اور محرومی کے گہرے بادل چھائے ہیں۔ بے چینی اور مایوسی ہے۔ جب اندر کا موسم درست نہ ہو تو باہر کے معاملات پر اثرات پڑتے ہیں اسی لیے شاعر کا دل باہر نہیں لگ رہا۔

بھری دنیا میں جی نہیں لگتا
جانے کس چیز کی کمی ہے ابھی (ناصر کاظمی)

جگر کے اس شعر میں ایک اجتماعی مفہوم بھی پنہاں ہے۔ انسانوں کے درمیان ہم خیالی یکسوئی، الفت و محبت کا فقدان ہے۔ انسانی زندگی مزاجوں کے تضاد اور طبقوں کی تفریق کا دوسرا نام ہے۔ انسان انسانوں سے ملاقات کرتے ہیں، ایک جیسے جسم اور نقوش بھی رکھتے ہیں لیکن ان کی قلبی وابستگی نہیں ہوتی۔ دلوں کے درمیان بُعدِ شرق و غرب ہے رنگ و نسل، غربت و امارت مذہب و ملت کی وہ تفریق ہے کہ دل آپس میں جڑتے ہی نہیں۔

شعر 2

بھول جاتا ہوں میں ستم اس کے
وہ کچھ اس سادگی سے ملتا ہے

مفہوم:

وہ اتنی معصومیت سے ملتا ہے کہ میں اس کے ستم بھول جاتا ہوں۔

تشریح:

جگر مراد آبادی کا شمار سرکردہ غزل گو شعرا میں ہوتا ہے غمِ دوراں اور غمِ جاناں پر مبنی جگر کے اشعار زندگی کی تلخیوں کے ترجمان بھی ہیں اور قلبی کیفیات کے عکاس بھی۔ تشریح طلب شعر میں شاعر نے محبوب کی معصومانہ ادا اور سادہ روی کے سبب، اس کے ظلم و ستم کی فراموشی کا تذکرہ کیا ہے۔

محبوب کے ظلم و ستم کے باعث شاعر اندر ہی اندر دکھی ہے اور محبوب کے ستم کی یاد اس کے ذہن پر مسلسل ضرب لگاتی رہتی ہے لیکن جوں ہی محبوب سے ملاقات ہوتی ہے۔ محبوب اس معصومیت و سادہ روی سے ملتا ہے، گویا اس نے جان بوجھ کر اپنے محبؑ پر کوئی ظلم نہ کیا ہو۔ اور جو ظلم بھی شاعر پر ہوا، انجانے میں ہوا۔ حتّٰی کہ محبوب کا برتاؤ یوں ہوتا ہے گویا اس نے کچھ کیا ہی نہ ہو۔ شاعر جب محبوب کی یہ سادہ روی دیکھتا ہے تو اس کی سب زیادتیاں فراموش کر دیتا ہے۔

محبوب خواہ کتنا ہی ستمگر کیوں نہ ہو اس کی بے رخی اور بے اعتنائی پر محبؑ کتنا ہی برگشتہ کیوں نہ ہو۔ جب وہ سامنے آتا ہے تو اس کی ادائیں سب کچھ بھلا دیتی ہیں اس کی صورت، اس کی باتیں، اس کی ذات کسی اور طرف دھیان ہی جانے نہیں دیتی۔ شاعر کے ساتھ بھی یہی ہوتا ہے۔

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

شعر 3

آج کیا بات ہے کہ پھولوں کا
رنگ، تیری ہنسی سے ملتا ہے

مفہوم:

آج کھلے پھولوں میں محبوب کی ہنسی کا رنگ موجود ہے۔

تشریح:

جگر مراد آبادی کا شمار سرکردہ غزل گو شعرا میں ہوتا ہے غمِ دوراں اور غمِ جاناں پر مبنی جگر کے اشعار زندگی کی تلخیوں کے ترجمان بھی ہیں اور قلبی کیفیات کے عکاس بھی۔ تشریح طلب شعر میں جگر محبوب کے حسن و جمال بالخصوص اس کے کھلے ہوئے پھولوں جیسی لافانی ہنسی کی توصیف بیان کر رہے ہیں کہ نہ جانے آج کیا بات ہے میرے محبوب کی ہنسی میں گل و گلزار سے مشابہت موجود ہے۔ یوں تو میرا محبوب حسن و جمال کا مرقع، پری وش اور پری پیکر ہے اس کی ہنسی بھی خوبصورتی کا شاہکار ہے اور اس کے ہنسنے سے کھلے پھولوں کی یاد آتی ہے۔

انگلی دبا کے دانت میں وہ مسکرا دیئے
بس اتنی سی بات نے طوفاں اٹھا دیے

محبوب محبت کا مرکز ہے اور محبؔ کے خواب و خیال کا محور ہے، محبوب کی ایک تیکھی نگاہ بے چین کر دیتی ہے تو اس کی ایک مسکراہٹ دل میں بہار کا سماں پیدا کر دیتی ہے۔ اس کی ایک ایک ادا توجہ کا مرکز ہوتی ہے۔ اس کی خوبصورتی قلب و نظر میں چھائی ہوتی ہے۔

دل اک مندر ہے، آپ مورت ہیں
آپ کتنے خوب صورت ہیں

اسی خوبصورتی کا ایک پہلو مسکراہٹ اور ہنسی بھی ہے۔ محبوب کی ہنسی لاثانی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ آج گلہائے رنگا رنگ کھلے دیکھے، پھولوں کی رعنائی اور دلفریبی دیکھی تو وہ اپنے پورے جوبن پہ تھے۔ اتنی اعلیٰ دلکشی میں اب تیری ہنسی جیسا رنگ ابھر آیا تھا۔ گویا محبوب کی ہنسی پھولوں سے بھی دلفریب ہے۔ آج کے کھلے پھول اپنی خوبصورتی میں بے مثال ہیں تب ہی ان میں تیری ہنسی کا سا عکس ہے۔ علامتی طور پر شاعر کا کہنا ہے کہ محبوب ہنسے تو دل میں بھی بہار آ جاتی ہے اور ارد گرد بھی پھول کھل اٹھتے ہیں، قلب و نظر سرشار ہو جاتے ہیں۔

کھلتی ہنسی نے سکھائی پھولوں کو دلکشی
غنائی قہقہوں نے سکھایا چٹکنا کیا چیز ہے

شعر 4

سلسلہ، فتنہ قیامت کا
تیری خوش قامتی سے ملتا ہے

مفہوم:

میرے محبوب کی قامت میں قیامت کی خوبصورتی ہے۔

تشریح:

جگر مراد آبادی کا شمار سرکردہ غزل گو شعرا میں ہوتا ہے غمِ دوراں اور غمِ جاناں پر مبنی جگر کے اشعار زندگی کی تلخیوں کے ترجمان بھی ہیں اور قلبی کیفیات کے عکاس بھی۔ تشریح طلب شعر میں شاعر محبوب کے خوبصورت اور متناسب قد کی توصیف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ قیامت کے ہنگامے کے سارے سلسلے تیری حسین قامت سے جا ملتے ہیں، تیرا قد و قامت قیامت کی خوبصورتی کا حامل ہے۔ محبوب کے حسن و جمال کی دلفریبی شعرا کا پسندیدہ موضوع ہے۔ خوبی اور خوبصورتی اپنی تحسین خود کرواتی ہے۔ چنانچہ جگر بھی اپنے محبوب کے حسین سراپے کی رعنائی سے بے حد متاثر ہیں۔ اگرچہ قیامت کا دن بہت ہنگامہ خیز ہو گا۔ نفسا نفسی کا عالم ہو گا۔ خلق خدا بے حال ہو گی۔ کچھ سجھائی نہ دے گا۔ شاعر کے خیال میں محبوب کا دلفریب سراپا دیکھ کر قیامت کا سا تاثر ذہن میں پیدا ہوتا ہے۔ انسان بے خود اور حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ قلب و نظر اس جلوے کی تاب نہیں لا سکتے۔ دل و دماغ میں قیامت کا ہنگامہ پیدا ہوتا ہے۔ آنکھیں حیرت سے جمی رہ جاتی ہیں۔ ذہن اسی کی رعنائی پر ٹکا رہ جاتا ہے۔ وہ بے خودی طاری ہوتی ہے کہ ارد گرد کا ہوش نہیں رہتا یوں لگتا ہے کہ قیامت کا ہنگامہ یہی ہے۔

تیرے سرو قامت سے اک قدِ آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں (غالبؔ)

قد و قامت کو شخصی وجاہت میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ قامت خواہ جسمانی ہو یا عقلی، عزت کی ہو یا عمارت کی، ہمیشہ وقعت رکھتی ہے، اور تحسین کی حقدار ہوتی ہے۔ شخصی خوبصورتی میں پورا سراپا مل کر قد و قامت کو تشکیل دیتا ہے اور جاذب نظر بناتا ہے۔ چنانچہ قامتی وجاہت مرکزِ نگاہ بنا جاتی ہے وہ محبوب کے محبّ شاعر تحسین کے کلمات کہتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔

ادھر دیکھو قیامت چلی آ رہی ہے

شعر 5

مل کے بھی جو کبھی نہیں ملتا
ٹوٹ کر دل اسی سے ملتا ہے

مفہوم:

محبوب کی بے رخی کے باوجود میرا دل اسی سے چاہت سے ملتا اور پیار کرتا ہے۔

تشریح:

جگر مراد آبادی کا شمار سرکردہ غزل گو شعرا میں ہوتا ہے غمِ دوراں اور غمِ جاناں پر مبنی جگر کے اشعار زندگی کی تلخیوں کے ترجمان بھی ہیں اور قلبی کیفیات کے عکاس بھی۔

تشریح طلب شعر میں جگر محبوب کی بے رخی اور بے اعتنائی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ محبوب سے ملاقات تو ہوتی ہے لیکن اس کا ملنا اور نہ ملنا برابر ہے۔ محبوب چاہت سے نہیں ملتا بلکہ قلبی فاصلوں سے اور عام واقف کے سے انداز سے ملتا ہے۔

کون کہتا ہے ملاقات نہیں ہوتی
روز ملتے ہیں مگر بات نہیں ہوتی

محبوب دل کی رونق، آنکھوں کی ٹھنڈک اور خیالوں کا محور ہوتا ہے۔ محبّ کی خواہش ہوتی ہے کہ جواب میں بھی اسی طرح کی محبت حاصل ہو جیسی وہ محبت رکھتا ہے۔ لیکن یہ خواہش بعض اوقات نہ پورے ہونے والے ارمان بن کر رہ جاتی ہے چنانچہ جب فریق مخالف یعنی محبوب سے وہ التفات حاصل نہیں ہوتی تو اک بے قراری اور بے چینی محبّ کا مقدر بن کر رہ جاتی ہے۔ محبوب سے ملاقات ہو بھی تو اس میں محبت کی گرم جوشی نہ ہونے کے باعث تشنہ کام ملاقات ثابت ہوتی ہے۔

جب دل ہی نہ مل پائیں تو ملنے سے کیا حاصل
یوں تو صحرا بھی سمندر سے ملا کرتے ہیں

جگر احساس محرومی سے دوچار ہیں۔ وہ محبوب کو ٹوٹ کر چاہتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی محبوب کے نام کر چکے ہیں۔ لیکن ان کی چاہت کی قدر نہیں اور اس کا محبوب پر کوئی اثر نہیں۔ وہ شکوہ کناں ہیں کہ ان کا محبوب ان سے دوری اور بے پروائی برتتا ہے، ملاقات ہو تو بھی نہ گرمی جذبات اور نہ ہی نظر التفات۔ وہ مل کر بھی نہ ملنے جیسا ہی ملتا ہے۔

ملنا تیرا نہیں آساں تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

دوسرے زاویے سے دیکھا جائے تو شاعر نے اپنے دل کی بے بسی کا ذکر کیا ہے کہ یہ تو معلوم ہے محبوب سے محبت کا حصول ممکن نہیں لیکن پھر بھی دل اسے چاہنے سے باز نہیں آ رہا۔ میں دل کے ہاتھوں بے بس ہوں۔ دوسری طرف اس میں اخلاص کا پہلو بھی ہے کہ محبوب کی بے رخی کے باوجود ہم اس سے ٹوٹ کر پیار کرتے ہیں۔

شعر 6

کاروبارِ جہاں سنورتے ہیں

ہوش جب بے خودی سے ملتا ہے

مفہوم:

عقل کے ساتھ جب جنون شامل ہو جائے تو زندگی کے معاملات سنورتے ہیں۔

تشریح:

جگر مرادآبادی کا شمار سرکردہ غزل گو شعرا میں ہوتا ہے غمِ دوراں اور غمِ جاناں پر مبنی جگر کے اشعار زندگی کی تلخیوں کے ترجمان بھی ہیں اور قلبی کیفیات کے عکاس بھی۔

تشریح طلب شعر میں وہ کامرانی کے حصول کے باریک نکتے اور آفاقی سچائی پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ زندگی کا کوئی شعبہ ہی کیوں نہ ہو، عشق ہو یا معاملاتِ زمانہ، ہوش کے ساتھ بے خودی ملے تو کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

ہوش والوں کو خبر کیا بے خودی کیا چیز ہے
عشق کیجیے پھر سمجھیے زندگی کیا چیز ہے

ہوش و خرد سے منصوبہ بندی کی جاتی ہے اور منزل کا تعین کیا جاتا ہے جبکہ جذبہ، ولولہ اور منزل کے حصول کی بے خودی حرکت و جدوجہد کی لیے مائل کرتی ہے۔ جذبہ محرکہ محنت و مشقت کا باعث بنتا ہے۔ جب ہوش اور بے خودی مل جائیں تو منزل مقصود تک رسائی یقینی ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ خدا کی خوشنودی بھی بے انتہا لگن یا عشق لامحدود کی بے خودی کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ یہ نہ ہو تو عبادت میں حسن پیدا نہیں ہوتا۔

تیرا شوق اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

عشق لامحدود کی بے خودی ہو تو پتھر کو موتی کی چمک عطا ہوتی ہے۔ تاج محل منصہ شہود پہ آتا ہے۔ آتش نمرود میں انسان کود پڑتا ہے اور زمانے سے ٹکرا کر اپنا مطلوب حاصل کر لیتا ہے۔ غم روزگار ہو تو ہوش و جذبہ مل کر اس معاملے کو سنوار دیتے ہیں اور غم محبت ہو تو یہ آگ کا دریا پار کروا دیتے ہیں۔ خون جگر کے بغیر سب نقش ناتمام ہیں اور سب نغمے بے کیف ہیں۔ یوں زندگی کے سارے کاروبار اور سارے معاملات ہوش کے ساتھ بے خود کر دینے والے جذبے کے مرہونِ منت ہیں۔

شعر 7

روح کو بھی مزا محبت کا
دل کی ہمسائیگی سے ملتا ہے

مفہوم:

روح بھی محبت کا کیف تبھی حاصل کر پاتی ہے جب اسے محبوب اور محبت سے مزین دل کا قرب حاصل ہو۔

تشریح:

جگر مراد آبادی کا شمار سر کردہ غزل گو شعرا میں ہوتا ہے غمِ دوراں اور غمِ جاناں پر مبنی جگر کے اشعار زندگی کی تلخیوں کے ترجمان بھی ہیں اور قلبی کیفیات کے عکاس بھی۔

تشریح طلب شعر میں جگر کہتے ہیں کہ روح کو بھی الفت و محبت کا سرور و کیف تبھی حاصل ہوتا ہے جب اسے محبوب کے حسن و عشق سے لبریز دل کا قرب اور ہمسائیگی حاصل ہو۔ شرط یہ ہے کہ دل کا موسم ٹھیک ہو غم کے بادل نہ چھائے ہوئے ہوں کوئی تلخ یاد یا چبھتی بات دل میں نہ ہو۔ دل مطمئن و مسرور ہو تو روح بھی قرار پائے گی۔ حدیث پاکؐ ہے۔

"جسم میں ایک خون کا لوتھڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست ہوتا ہے جب وہ درست نہ ہو تو سارا جسم خراب ہوتا ہے"۔

انسانی جسم خاکی وجود اور ابدی روح سے عبارت ہے۔ روح کے تمام کیف اور آزار جسمانی عمل کا نتیجہ ہیں۔ جسم وہی کرتا ہے جو اس کا مختار دل چاہتا ہے۔ مسرور ہونے کے لیے ضروری ہے کہ امنگیں اور خواہشیں تشنہ نہ ہوں۔ محبوب کی محبت نصیب ہو۔ دل باغ باغ ہو۔ دل میں گلہائے رنگا رنگ کھلے ہوں، بہار اپنے جوبن پر ہو تو روح مسرور و شادمان ہو گی۔ اگر دل میں ویرانی ہو تو روح تو روح ہے باہر بھی عین بہار میں خزاں محسوس ہوتی ہے۔

دل تو میرا اداس ہے ناصرؔ
شہر کیوں سائیں سائیں کرتا ہے

دل مرکز محبت بھی ہے اور روگ و سوگ کا مقام بھی۔ دل جذب و شوق کی آماجگاہ بھی ہے اور آہ و بکا کی جگہ بھی۔ یہ حاکم بھی ہے اور مجبور بھی۔ روح و جسم تو اس سے ہم آہنگ رہتے ہیں اس کے سب موسموں کا ساتھی رہتے ہیں۔ دل روئے تو ساتھ روتے ہیں دل ہنسے تو ساتھ شادمان ہوتے ہیں۔ دل کی شادمانی ہے محبت، کامیاب محبت نہ کہ عشق لاحاصل۔ محبت کی کامیابی محبوب کی مرہونِ منت ہے اور دل کی رونق محبوب کے دم قدم سے ہے جب اس کو دیکھنا ہو دل میں جھانکو روح کو مسرور و شادماں کر لو۔

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

23 ۔ سر میں سودا بھی نہیں، دل میں تمنا بھی نہیں

فراقؔ گورکھپوری

شعر 1

سر میں سودا بھی نہیں، دل میں تمنا بھی نہیں
لیکن اس ترکِ محبت کا بھروسا بھی نہیں

مفہوم:

سر میں عشق کا زور نہیں دل میں خواہش نہیں لیکن معلوم نہیں ہم کب تک اس ترکِ محبت پر قائم رہیں گے۔

تشریح:

فراقؔ گورکھپوری مشہور غزل گو شاعر تھے۔ غمِ دوراں، غمِ جاناں اور آفاقی موضوعات پر مبنی ان کے اشعار زندگی کی الجھنوں کے ترجمان بھی ہیں اور معاملات محبت کے عکاس بھی۔

زیرِ تشریح شعر میں فراقؔ دلی الجھن کو اجاگر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ذہن میں عشق کا خبط اور محبت کی دھن کی لگن نہیں ہے اور دل میں پیار کی امنگ اور محبوب کی محبت کی خواہش موجود نہیں ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم تارکِ محبت ہو کر اس پر قائم بھی رہیں گے۔ دل کبھی ترک محبت کے بہانے مانگتا ہے اور پھر یہی دل کسی اور وقت پر ترک محبت کے ارادے کو ترک کر دیتا ہے اور جھٹلائے ہوئے سے ملنے کے بہانے مانگتا ہے۔ دل کا موسم پل بھر میں کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ جس کے بغیر جی نہ سکتا ہو اس کے بارے میں ہی نیتِ شوق بھر جاتی ہے۔ پھر کبھی اتنی گھٹن بڑھ جاتی ہے کہ دل تعلق دوبارہ استوار کرنا چاہتا ہے۔ شاعر فراقؔ اسی کیفیت سے دوچار ہیں کہ محبوب کی بے اعتنائی اور بے رخی نے دل کو بیزار کر دیا۔ رسوائی اور بے چینی کے سوا کچھ نہ ملا۔ ہزاروں تمنائیں اپنی موت آپ مر گئیں اور ہزاروں خواب ریزہ ریزہ ہو گئے لیکن محبوب کے من میں ہم محبت کی جوت نہ جگا سکے۔

تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے
ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا (مومنؔ)

شاعر کہتا ہے کہ ہم ناکام و نامراد ٹھہرے، اپنی بد قسمتی پر آبدیدہ رہے اور بالآخر طے کر لیا کہ اب اس سے محبت نہیں کرنی۔ اب شاعر دل کی نازک کیفیت کو بیان کر رہا ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اپنے اس قول پر قائم بھی رہیں۔ ہماری کیفیت یوں بھی ہو سکتی ہے۔

اے دوست ہم نے ترکِ محبت کے باوجود
محسوس کی ہے تیری ضرورت کبھی کبھی (ناصرؔ کاظمی)

الطاف حسین حالیؔ نے اسی مفہوم کو اپنے خاص اسلوب میں کچھ یوں بیان کیا ہے۔

ہوتی نہیں قبول دعا ترکِ عشق کی
دل چاہتا نہ ہو تو زباں میں اثر کہاں (حالیؔ)

شعر2

اک مدت سے تیری یاد بھی آئی نہ ہمیں
اور ہم بھول گئے ہوں تجھے، ایسا بھی نہیں

مفہوم:

ایک مدت سے تیری یاد نہیں آئی لیکن ایسا نہیں کہ ہم نے تجھے بھلا دیا ہے۔

تشریح:

فراق گورکھپوری مشہور غزل گو شاعر تھے۔ غمِ دوراں، غمِ جاناں اور آفاقی موضوعات پر مبنی ان کے اشعار زندگی کی الجھنوں کے ترجمان بھی ہیں اور معاملات محبت کے عکاس بھی۔

زیر تشریح شعر میں فراق نکتہ آفرینی سے اپنی دلی کیفیت عیاں کر رہے ہیں کہ امنگوں کا مرکز و محور محبوب جب دل میں بس جائے تو اس گھر کا ایسا مکیں بن جاتا ہے کہ یہاں سے جاتا نہیں۔ اگر بالفرض چلا جائے تو ہر کونے سے اس کی خوشبو اس کی یاد دلاتی ہے۔ فراق کہتے ہیں کہ اک عرصہ ہو گیا ہم نے تمہیں یاد نہیں کیا۔ جب کوئی محبت کی قدر نہ کرے تو اسے بھول جانا اچھا ہوتا ہے۔ ہم نے بھلانے کی کوشش کی اور تمہاری یاد اور خیال کی پناہ نہیں لی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم محبوب کو بھول گئے ہوں۔ محبوب کی یاد کا سہارا تو نہیں لیا لیکن محبوب کا نقش ضرور دل میں موجود رہا۔ یوں اسے یاد تو نہیں کرتے لیکن ہم اسے بھولے نہیں۔

نہیں آتی تو یاد اُن کی مہینوں تک نہیں آتی
مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

محبوب کی یاد سکون اور گل فشانی کا سبب ہے۔ خیال یار کی تو چادر اوڑھ کر لوگ کڑی دھوپ کا سفر کاٹتے ہیں۔ یہ تو ویرانوں میں بہار کی مانند ہے۔

لیکن اگر شاعر اسے یاد نہیں کرتا تو اس کا باعث وہ تلخ حالات ہیں جو محبوب کے پیدا کردہ ہیں، وہ محبت کا قدر دان نہیں اور بے رخی و بے اعتنائی برتتا ہے۔ چنانچہ شاعر نے اسی لیے اس کی یادوں سے کبھی دل کو بے چین کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ لیکن یہ دل خانہ خراب چیز ہی ایسی ہے جسے اپنے اندر جگہ دے اسے بھولتا نہیں۔ اسی لیے شاعر کہتے ہیں کہ محبوب کے رویے کے سبب ہم اسے یاد نہیں کرتے لیکن اسے بھول گئے اور اس کی یاد نہ آتی ہو، کوئی کسک اس نے نہ پیدا کی ہو ایسی بھی بات نہیں۔ اسے یاد تو نہیں کیا لیکن وہ کمبخت بھولتا نہیں۔

باغوں میں پڑے جھولے
تم ہمیں بھول گئے، ہم تم کو نہیں بھولے

شعر کے حقیقی معنوں میں فراق نے کہا کہ ہم اپنے معبود کو بھولے نہیں۔ یہ روزمرہ کی مصروفیات ہیں اور انسانی لغزشیں ہیں جو ہم معبود کی طرف رجوع نہ کر سکے۔ اس کی عبادت و ریاضت میں مصروف نہ ہو سکے اور اسے یاد نہ کر سکے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم معبود کو بھول گئے ہوں اور اس پر اعتقاد کمزور پڑ گیا ہو اس کو نظر انداز کیا ہو۔ اس طوفانی دور میں گردش زمانہ کے سبب ہم دنیوی زندگی کے معاملات میں کھو ضرور گئے تھے لیکن خدا اب بھی ہمیں یاد ہے۔

گو حکم تیرے لاکھوں یاں ٹالتے رہے ہیں

لیکن ٹلا نہ ہر گز دل سے خیال تیرا

شعر 3

یوں تو ہنگامے اٹھاتے نہیں دیوانہ عشق
مگر اے دوست، کچھ ایسوں کا ٹھکانا بھی نہیں

مفہوم:

یوں تو اہلِ عشق حدِ ادب میں رہتے ہیں اور ہنگامہ برپا نہیں کرتے لیکن جب ان کی راہ بند کی جائے تو کچھ بھی کر سکتے ہیں۔

تشریح:

فراقؔ گورکھپوری مشہور غزل گو شاعر تھے۔ غمِ دوراں، غمِ جاناں اور آفاقی موضوعات پر مبنی ان کے اشعار زندگی کی الجھنوں کے ترجمان بھی ہیں اور معاملات محبت کے عکاس بھی۔

زیرِ تشریح شعر میں فراقؔ اہل عشق کی حالتِ جنوں کی نفسیات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عشق کے دیوانے ہنگامے برپا نہیں کرتے۔ جن کے دلوں میں سچا پیار موجود ہو وہ نہ تو رسوائی اور بدنامی کا باعث بنتے ہیں اور نہ ہی حدود و قیود کو توڑتے ہیں لیکن میرے دوستو ایسے لوگوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ ان کی آشفتہ سری نہ جانے کیا کچھ کر کے رکھ دے۔ انہیں قید کریں یا پہرے بٹھائیں ان کے دل کا ہنگامہ اور ذہن کی طوفانی کیفیت کبھی درست نہیں ہوتی۔

زنداں میں بھی شورش نہ گئی اپنے جنوں کی
اب سنگ مداوا ہے اس آشفتہ سری کا (میرؔ)

عشق بے انتہا لگن کا نام ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ دنیا میں سارے کارنامے ہی عشق کے مرہونِ منت ہیں۔ عشق کبھی آگ میں ابراہیم کی مانند بے خطر کود پڑتا ہے تو کبھی کوہکنی پر اتر آتا ہے۔ اہل عشق ہنگامہ پرور نہیں ہوتے۔ لیکن حالات انہیں اس رخ پہ لے آتے ہیں کہ وہ کوئی انوکھا قدم اٹھائیں یا کچھ منفرد کام کر جائیں جس سے معاشرے کے جامد پانی میں ہلچل پیدا ہو جائے۔ تلخیٔ حالات اور ظلمِ محبوب عشق کے دیوانوں کا شب و روز کا چین چھین لیتا ہے اور وہ دن رات آہ و فغاں کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

شامِ الم ڈھلی اور چلی درد کی ہوا
رات کا پچھلا پہر ہے اور ہم ہیں دوستو (منیرؔ نیازی)

انسانی رویے خارجی حالات سے پیدا کردہ داخلی کیفیات سے عبارت ہوتے ہیں۔ ہر چند کہ اہلِ عشق صابر و شاکر ہوتے ہیں۔ وہ غمِ عشق اور غمِ زمانہ کو برداشت کرتے ہوئے غم کے سہنے میں بھی کیف محسوس کرتے ہیں۔ لیکن جب حالات برداشت سے باہر ہو جائیں، طوفان پیدا ہو جائیں جس سے دلِ عاشقاں میں تلاطم پیدا ہو جائے تو پھر یہ اہلِ عشق کچھ انوکھا کر سکتے ہیں۔

شعر 4

آج غفلت بھی ہے ان آنکھوں میں پہلے سے سوا
آج ہی خاطرِ بیمار شکیبا بھی نہیں

مفہوم:

آج ان کی آنکھوں میں پہلے سے زیادہ بے اعتنائی ہے۔ افسوس آج ہی اسے میرے صبر و قرار کا باعث نہیں بننا تھا۔

تشریح:

فراق گورکھپوری مشہور غزل گو شاعر تھے۔ غمِ دوراں، غمِ جاناں اور آفاقی موضوعات پر مبنی ان کے اشعار زندگی کی الجھنوں کے ترجمان بھی ہیں اور معاملات محبت کے عکاس بھی۔

زیر تشریح شعر میں فراق کہتے ہیں کہ آج میرے محبوب کی آنکھوں میں غفلت، لاپرواہی اور بے رخی پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ یوں تو میرے محبوب نے کبھی توجہ بھری نظر سے میری طرف نہیں دیکھا۔ اس کے دل میں میرے لئے کوئی پیار کی لہر پیدا نہیں ہو سکی۔ وہ پہلے بھی بے رخی سے ہی پیش آتا تھا لیکن آج اس نے کمال کر دیا ہے، حد کر دی ہے۔ غفلت اور بے رخی اوجِ ثریا پر ہے۔ دوسری طرف میرا دل بھی آج زیادہ مضطرب ہے۔ پہلے یہ محبوب کے ناروا سلوک کو برداشت کر لیتا تھا آج اسے صبر نہیں آ رہا۔ پہلے رو دو کے چپ ہو جاتا تھا۔ اچھے وقت کی امید میں صابر ہو جاتا تھا۔ دل یہ یقین رکھتا تھا کہ ایسی کوئی رات نہیں جس کی سحر نہ ہو اور پتھر پر بھی اگر پانی کے قطرے لگاتار پڑتے رہیں تو اس میں چھید کر دیتے ہیں۔ محبوب چاہے بلا کا غافل ہو کسی دن اس کے من میں میرا پیار ضرور کروٹ لے گا۔ لیکن آج ایک طرف تو دل پہلے ہی بے چین و بے قرار تھا دوسری طرف محبوب کا رویہ بھی زیادہ ہی غیر مناسب ہو گیا ہے اسی لیے اس بیمار اور پریشان دل کو قرار نہیں آ رہا۔

شعر 5

رنگ وہ فصلِ خزاں میں ہے کہ جس سے بڑھ کر
شانِ رنگینیِ حسنِ چمن آرا بھی نہیں

مفہوم:

پت جھڑ کے موسم میں وہ رنگ و آہنگ ہے کہ موسم بہار کے گل و گلزار میں یہ شان پیدا نہیں ہو سکتی۔

تشریح:

فراق گورکھپوری مشہور غزل گو شاعر تھے۔ غمِ دوراں، غمِ جاناں اور آفاقی موضوعات پر مبنی ان کے اشعار زندگی کی الجھنوں کے ترجمان بھی ہیں اور معاملات محبت کے عکاس بھی۔

زیرِ تشریح شعر میں فراق گورکھپوری تمثیلی انداز میں اپنی پر درد زندگی پر قانع ہو کر کہتے ہیں کہ پت جھڑ کا موسم رنگ و بو اور ہریالی کا خاتم ہے۔ بہار کی رنگینیوں کے لیے موت ہے۔ لیکن فراق کہتے ہیں کہ موسم خزاں کے مظاہر میں وہ حسن اور سکون ہے جو رنگ و بو سے پُر نور چمنستان کی خوبصورتی میں بھی نہیں۔ جب حالات سنورنے اور دل کا باغ کھلنے کی آس ختم ہو جائے تو خوابِ بہار سے دل کو فریب نہیں دینا چاہیے کہ حقیقت پر ستی کے خلاف ہے۔ اس طرح جب خوابوں سے نکل کر حقیقت پر نظر پڑتی ہے تو تکلیف سے دل و دماغ میں سوگ کا سماں ہوتا ہے۔ اس لیے تلخیٔ

حالات اور مشکل زندگی کی حقیقت کو قبول کر لینا چاہیے۔ اس خرابے میں مطمئن ہو کر جو کیف ملتا ہے وہ خیالوں کی رنگین زندگی میں نہیں ملتا۔ بقول ساحرؔ

ہم کو ان سستی خوشیوں کا لوبھ نہ دو
ہم نے سوچ سمجھ کر غم اپنایا ہے (ساحرؔ لدھیانوی)

بہار آتی ہے تو رنگ و بو کا قافلہ اتر پڑتا ہے اور دل کے جذبات اس رومان انگیز موسم میں دو آتشہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب محبوب کی غفلت اور بے رخی اور غم زمانہ سے واسطہ پڑتا ہے تو یہی جذبات رقت انگیزی میں بدل جاتے ہیں۔ یوں بہار کا موسم جو رومان انگیزی کا باعث بنا تھا اب الم انگیز ہو جاتا ہے بلکہ جب جب بہار کا موسم آتا ہے زخم پھر سے ہرے ہو جاتے ہیں۔

مجھے شادابیٔ صحن چمن سے خوف آتا ہے
یہی وہ انداز تھے جن سے لٹی تھی زندگی میری

فراقؔ کہتے ہیں کہ اس لیے بہتر ہے انسان موسم خزاں اور اپنی درد بھری اجڑی زندگی پر قناعت کر لے۔ ناکامیوں اور دکھوں کا کرب پھر بے چین نہیں کرے گا۔

تیسرے زاویے سے دیکھا جائے تو اداس لوگوں کو شام کا وقت، غروبِ آفتاب کا منظر، پت جھڑ کا موسم، پیلے پتے، ٹنڈ منڈ شاخیں، ویران راستے، تاریک راہیں، کمرے کی تنہائی، پُر درد شاعری اور کھنڈرات اور بے آباد پہاڑی علاقے بہت پسند آتے ہیں۔ فراقؔ بھی غم عشق اور غم زمانہ کے ستائے ہوئے ہیں انہیں بھی اسی لیے پت جھڑ کے موسم کے مظاہر فصل بہار کی رنگینی سے زیادہ بھلے لگ رہے ہیں کہ وہ در حقیقت اندر سے اداس ہیں۔

چوتھا زاویہ یہ ہے کہ حق پرست لوگوں کو راہ راست میں مصائب کے پہاڑوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ لیکن اگر عزم راسخ ہو تو وہ گھبراتے نہیں۔ بلکہ اپنے تلخ حالات کو زندگی کا حصہ سمجھتے ہیں اور مشکلات سے لڑتے رہتے ہیں۔ اپنے غموں سے سمجھوتہ کر لیتے ہیں۔ فراقؔ نے بھی یہی کیا کہ دکھ اور غم کی حقیقت بھری زندگی کو قبول کر لیا ہے۔

شعر 6

بات یہ ہے کہ سکونِ دل وحشی کا مقام
کنجِ زنداں بھی نہیں وسعت صحرا بھی نہیں

مفہوم:

بے چین دل کا مقام نہ گوشہ تنہائی میں ہے اور نہ ہی وسعت صحرا میں ہے۔

تشریح:

فراقؔ گورکھپوری مشہور غزل گو شاعر تھے۔ غمِ دوراں، غمِ جاناں اور آفاقی موضوعات پر مبنی ان کے اشعار زندگی کی الجھنوں کے ترجمان بھی ہیں اور معاملات محبت کے عکاس بھی۔

زیرِ تشریح شعر میں فراقؔ دل کی بے چینی کو کسی طور قرار نہ آنے کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بے چین دل کو سکون پذیر کرنے کے لئے عشّاق کو مقید کر دیا جاتا ہے تو کبھی یہی عشاق صحراؤں کی خاک چھانتے ہیں اور قرار تلاش کرتے نظر آتے ہیں۔ لیکن در اصل بات یہ ہے کہ بے قرار دل کی وحشت کو نہ تو قید خانے کی تنہائی، پابندی اور سختی سکون پذیر کر سکتی ہے اور نہ ریگستانوں کی تنہائی اور ویرانی اس وحشت کو ختم کر سکتی ہے۔ حقیقت یہ

ہے کہ اندر کا موسم شدید خراب ہو تو دل میں وحشت و مجنونیت جنم لیتی ہے اور اسے قرار اس کی وجوہات ختم کرنے سے ہی آسکتا ہے۔ اگر غم عشق ہو تو محبوب کا قرب، وصل اور اگر غم زمانہ ہو تو مسائل کا حل ہی تسکین دے سکتا ہے اور وحشت کو قرار میں بدل سکتا ہے۔

زنداں میں بھی شورش نہ گئی اپنے جنوں کی

شعر میں حقیقی مفہوم پیش کیا گیا ہے کہ سکون و قرار کی تلاش تو ہر شخص کو ہے لیکن اسے غیر موزوں جگہوں پر تلاش کیا جاتا ہے۔ دنیا کی کوئی شے دائمی سکون سے بہرہ ور نہیں کر سکتی۔ اپنے معبود کا قرب، اس سے محبت، اسی کی خوشنودی کا حصول اور عبادت سے ہی حقیقی سکون حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہ حقیقی سکون نہ تو رہبانیت میں ہے کہ فقرِ خانقاہی اختیار کیا جائے اور نہ ہی جنگلوں، ریگزاروں کی تنہائی میں عبادت کرنے سے ملتا ہے۔ صرف ایک ہی طریقے سے ابدی سکون ممکن ہے کہ اصلی روح کے مطابق معبود کی تابع فرمانی کی جائے جس سے موجودہ زندگی بن سکے اور آنے والی زندگی سنور سکے۔ مذہبی پیشواؤں کی تعلیمات کا خلاصہ یہی ہے۔

شعر 7

ہم اسے منھ سے برا تو نہیں کہتے کہ فراقؔ
دوست تیرا ہے، مگر آدمی اچھا بھی نہیں

مفہوم:

فراقؔ! ہم اسے منہ سے برا نہیں کہتے کہ وہ تیرا دوست ہے لیکن وہ آدمی اچھا نہیں۔

تشریح:

فراقؔ گورکھپوری مشہور غزل گو شاعر تھے۔ غمِ دوراں، غمِ جاناں اور آفاقی موضوعات پر مبنی ان کے اشعار زندگی کی الجھنوں کے ترجمان بھی ہیں اور معاملات محبت کے عکاس بھی۔

ہم فراقؔ کو دل سے اچھا نہیں سمجھتے لیکن اسے منہ سے برا نہیں کہہ سکتے کیوں کہ اے محبوب وہ تیرا دوست ہے اور تجھ سے وابستہ ہر چیز تحسین آمیز ہے۔ فراقؔ نے اس شعر میں محبوب کی قدر و قیمت اور اہمیت کو اجاگر کیا ہے کہ وہ عام اشیاء جو محبوب سے متعلقہ ہوں خاص ہو جاتی ہیں۔ پری وش سے محبت کر کے گمنام فرد مشہور عاشق زار بن جاتا ہے۔ جب محبت خالص ہو تو محبوب اور اُس سے وابستہ فرد و اشیا محترم ہو جاتی ہیں۔ ان کے نقائص محسوس نہیں ہوتے۔ شاعر فراقؔ یہی نکتہ بیان کر رہے ہیں کہ فراقؔ بندہ بشر ہے، خطا کا پُتلا، عاشق زار ہے اور خامیوں کا منبع ہے لیکن ہم اسے منہ سے برا نہیں کہہ سکتے کیونکہ تمہارا دوست ہے تمہارا چاہنے والا ہے اور تم اس کی پہچان ہو۔

اس شعر میں حقیقی مفہوم بھی پیش کیا گیا ہے کہ فراقؔ بندہ ہو کر بندگی سے غافل ہے اس لیے اچھا بندہ نہیں۔ لیکن ہم اسے منہ سے برا نہیں کہتے کیونکہ آخر وہ اے معبود تیرا بندہ ہے تیرا چاہنے والا ہے۔ تجھ سے دوستی کے سبب ہماری زبانیں بند ہیں کہ جب تجھ سے نسبت ہے تو ہمیں کچھ کہنے کا حق نہیں۔ اس لیے ہم اسے منہ سے برا نہیں کہتے۔

24 ۔ یہ فخر تو حاصل ہے، بُرے ہیں کہ بھلے ہیں

ادا جعفری

شعر 1

یہ فخر تو حاصل ہے، بُرے ہیں کہ بھلے ہیں
دو چار قدم ہم بھی، تیرے ساتھ چلے ہیں

مفہوم:

ہم بُرے ہیں یا بھلے۔ ہمیں یہ فخر حاصل ہے کہ کچھ عرصہ محبوب کی رفاقت نصیب رہی۔

تشریح:

ادا جعفری معروف غزل گو شاعرہ ہیں۔ وہ جدید لہجے میں غمِ جاناں اور غمِ دوراں کو منظوم کرتی ہیں۔ شاعرہ کو اپنے محبوب کے ساتھ چند قدم چلنے پر فخر ہے۔

اُردو شاعری کی ایک عجیب سی روایت ہے جس میں محبوب کو انتہائی اونچا مقام حاصل ہے۔ یہ ایسی ہستی ہے جو خود کو ہر عیب سے بری قرار دیتی ہے۔ لیکن اس کے مقابلے پر اس کے چاہنے والوں کا نہ کوئی مقام ہے، نہ شناخت ہے، نہ کوئی عزت و آبرو ہے۔ شاعرہ نے محبوب کے مقابلے پر خود کو بہت ہی کم تر حیثیت میں پیش کیا ہے۔ اور اُس کی تمام تر کوتاہیوں کو اپنی ذات سے وابستہ کر کے اُسے ہر قسم کی خطا اور جرم سے مبرّا قرار دے دیا ہے اگر محبوب بے وفائی کرے تو روا، ظلم کرے تو جائز، بے اعتنائی برتے تو درست بس کبھی کبھار چاہنے والوں کی طرف نظرِ کرم کرے تو، تو یہ اُن کے لیے بہت بڑا اعزاز، انعام اور عزت افزائی ہے۔

شاعرہ کو اپنی کم مائیگی اور اپنے محبوب کے بلند مقام کا احساس ہے۔ وہ کھلے لفظوں میں تسلیم کرتی ہے کہ اس زمانے میں اس کی اہمیت نہیں ہے، چاہے اسے کوئی جانتا ہے یا نہیں اسے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ اسے صرف فخر اس بات پر ہے کہ اس نے محبوب کے ساتھ چند گھڑیاں گزاری ہیں۔ اس کی ساری زندگی کا حاصل اور قیمتی سرمایہ وہی لمحات ہیں جو اس نے محبوب کے ساتھ گزارے ہیں۔

حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ کسی نے مٹی سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ تجھ سے خوشبو آ رہی ہے؟ وہ بولی میں ناچیز مٹی ہوں، لیکن کچھ عرصہ مجھے پھول سے ہم نشینی یعنی محبت کا موقع ملا۔ اس محبت کا رنگ چڑھ گیا ہے ورنہ میں تو مٹی ہوں۔

شاعرہ کہتی ہے کہ اگرچہ میری ذات پہ نکتہ چینی کی گئی ہے، مجھے بہت بُرا بھلا کہا گیا کہ میں اس کے معیار کی نہیں ہوں۔ میرا سماجی مقام اس کا سا نہیں۔ میرا طبعی مزاج اس سے مطابقت نہیں رکھتا۔ میں جاذبیت کے خواص نہیں رکھتی وغیرہ۔ ان باتوں سے قطع نظر کہ میں کیا ہوں۔ بری ہوں یا بھلی ہوں۔ مجھے تو اس بات پہ فخر ہے کہ مجھے اس کا ساتھ نصیب رہا۔ محبت ہے ہی لاحاصل۔ لوگ تو محبوب کی نظرِ کرم کو ترستے ہیں۔ محبت حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ محبوب ان سے ہم کلام نہیں ہوتا۔ میں تو خوش نصیب ہوں جسے محبوب کا ساتھ کچھ مدّت حاصل رہا ہے۔ یہ عرصہ میرا سرمایہ حیات ہے۔ وہ ہمیشہ نہ سہی کچھ عرصہ تو میرے ساتھ رہا ہے۔ بقول شاعر

ہماری تو ایک زندگی تھی تمہارے نام کر دی

تمہاری یہ ضد ہے کہ تمہارے معیار کا کوئی نہیں

شعر 2

جلنا تو چراغوں کا مقدر ہے ازل سے
یہ دل کے کنول ہیں کہ بجھے ہیں نہ جلے ہیں

مفہوم:

چراغوں کے مقدر میں تو ازل سے جلنا لکھا ہے لیکن میرے دل کے کنول نہ بجھتے ہیں نہ جلتے ہیں۔

تشریح:

ادا جعفری معروف غزل گو شاعرہ ہیں۔ وہ جدید لہجے میں غمِ جاناں اور غمِ دوراں کو منظوم کرتی ہیں۔
زیرِ تشریح شعر میں وہ کہتی ہیں کہ روزِ اول سے چراغوں کے مقدر میں جلنا لکھ دیا گیا ہے مگر دل کے کنول نہ جلتے ہیں اور نہ بجھتے ہیں۔
جلنا تو چراغوں کا مقدر ہے، اس سے دو مفہوم ملتے ہیں ایک یہ کہ میرے دل کو کسی پل چین اور سکون نہیں ملتا۔ دوسرا میرا دل نہ تو آرزوؤں سے بیگانہ ہو کر بجھتا ہے یعنی بے جان ہوتا ہے اور نہ ہی آرزوؤں کے مکمل ہونے کی وجہ سے جل کر راکھ ہوتا ہے یعنی ہر وقت سلگتا رہتا ہے یعنی خواہشات پوری بھی نہیں ہوتیں اور ختم بھی نہیں ہوتیں۔

رہنے دو کہ اب تم بھی مجھے پڑھ نہ سکو گے
برسات میں کاغذ کی طرح بھیگ گیا ہوں

اس شعر کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ دل ایک چراغ کی مانند ہے اور روزِ اوّل سے اس کی تخلیق کا مقصد صرف یہ تھا کہ اس چراغ میں عشقِ حقیقی کا شعلہ جلتا رہے لیکن میرے دل کا چراغ نہ جلتا ہے نہ بجھتا ہے یعنی عشقِ حقیقی کا شعلہ غمِ روزگار کی وجہ سے نہ روشن ہوتا ہے اور نہ فطری رغبت اسے بجھنے دیتی ہے۔
بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ان دونوں صورتوں میں سے کسی بھی صورتِ حال سے دوچار نہیں ہوتے۔ ایسی ہی صورت میں اس شعر کے مطابق ہماری شاعرہ بھی نظر آ رہی ہے۔ اُس کے خیال میں چراغوں کی قسمت میں تو ابتداء ہی سے جلنا لکھا ہے اور وہ جلتے ہیں خواہ کسی بے بس کی شمع مزار بن کر جلیں یا کسی رئیس کے گھر میں خوبصورت فانوسوں کی شکل میں نور افشانی کریں دل کے چراغ تو اس قسم کی کسی صورتِ حال سے عہدہ برآ نہیں ہوتے، ان پر جلنے بجھنے کی منزل نہیں آ سکی۔

شعر 3

نازک تھے کہیں رنگِ گل و بوئے سمن سے
جذبات کہ آداب کے سانچے میں ڈھلے ہیں

مفہوم:

میرے جذبات پھولوں سے زیادہ نازک و حسین ہیں لیکن یہ حدِ ادب کے سانچے میں ڈھلے ہیں۔

تشریح:

ادا جعفری معروف غزل گو شاعرہ ہیں۔ وہ جدید لہجے میں غمِ جاناں اور غمِ دوراں کو منظوم کرتی ہیں۔

زیرِ تشریح شعر میں ادا جعفری عشق میں ادب و احترام کو روحِ جذبات قرار دیتے ہوئے کہتی ہیں کہ میرے جذبات میں پھولوں کی خوشبو، خوبصورتی اور نزاکت تھی۔ جیسے گلاب کے سُرخ پھول، خوش رنگ اور نازک محسوس ہوتے ہیں اور چنبیلی کی خوشبو بھینی بھینی اور معطر کر دینے والی ہوتی ہے اسی طرح میرے جذبات بھی نزاکت اور رعنائی رکھتے تھے۔ لیکن جب سے یہ آداب کے سانچے میں ڈھلے، انہیں اپنی حدود و قیود کا پتا چلا۔ اب یہ محدود ہو گئے ہیں۔ میرے جذبات بہت ہی نرم نازک ہیں لیکن ان کی حد ہے، ادب کی حد۔ اسی حد کے پابند ہو کر ان میں توازن پیدا ہو گیا ہے اور دراصل ان کی نزاکت اور بڑھ گئی ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ:

خموش اے دل! بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

شاعرہ کہتی ہے کہ ہم بھی محبت کے جذبات سے لبریز ہیں۔ ہمارے جذبات گُلوں کی خوبصورتی و رعنائی اور چنبیلی کی خوشبو کی مانند پذیرائی کے خواص رکھتے ہیں۔ جوشِ محبت، سوزِ دروں اگر آشکار ہو جائے تو زمانے بھر میں پذیرائی حاصل کرے لیکن ہمیں پتا ہے کہ ہر کام کے آداب کیا ہیں۔ انسان جس سے محبت کرتا ہے اس کی رسوائی نہیں چاہتا۔ اس کو سرِ محفل ہدفِ تنقید بنانے کا موقع نہیں دیتا۔ اسی لیے ہم نے اپنے جذبات کو حدِ ادب سے باہر نہیں نکلنے دیا بلکہ انہیں شائستگی اور آداب کے دائرے میں رکھا ہے۔

دیکھنا بھی تو انہیں دور سے دیکھا کرنا

شیوہ عشق نہیں حسن کو رُسوا کرنا

شعر 4

تھے کتنے ستارے کہ سرِ شام ہی ڈوبے

ہنگامِ سحر کتنے ہی خورشید ڈھلے ہیں

مفہوم:

ستاروں جیسے بہت سے لوگ آغازِ زندگی میں ہی فوت ہو گئے، بہت سے سورج جیسے لوگ دمِ صبح ہی عدم کو چلے گئے۔

تشریح:

ادا جعفری معروف غزل گو شاعرہ ہیں۔ وہ جدید لہجے میں غمِ جاناں اور غمِ دوراں کو منظوم کرتی ہیں۔

زیرِ تشریح شعر میں وہ کہتی ہیں کہ آسمان کے دامن میں بے شمار ستارے ایسے ہوتے ہیں جنہیں چمکنا نصیب نہیں ہوتا اور وہ شام ہوتے ہی ڈوب جاتے ہیں اور اسی طرح کئی سورج صبح ہوتے ہی ڈھل جاتے ہیں۔ یہ دنیا فانی اور موت برحق ہے۔ موت نہایت ظالم اور بے رحم ہے۔ وقت کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ کتنے ستارے ایسے ہیں جنہوں نے اپنی پوری آب و تاب سے چمکنا تھا۔ اس دنیا کی خوبصورتی سے لطف اٹھانا تھا۔ مگر وہ محروم رہ گئے موت کسی کی پرواہ نہیں کرتی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ

ترجمہ: "ہر ذی نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے"۔

اسی طرح سورج جس نے تمام دنیا کو منوّر کرنا تھا صبح کے وقت ہی ڈھل گیا۔

زندگی کا بھروسا ہی کیا اک چھلکتا ہوا جام ہے

زندگی! زندگی! زندگی! موت کا دوسرا نام ہے

اس شعر کا لُبِّ لباب یہ ہے کہ وقت نے کسی کا ساتھ نہیں دیا۔ بہت سے ایسے بچے جنہوں نے دنیا کی خوبصورتی اور رونق سے لطف اٹھانا تھا کم عمری میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور بہت سے جوان جنہوں نے ملک کی بھاگ دوڑ سنبھالنی تھی انہیں بھی موت نے مہلت نہ دی۔

حیات عجب مرحلہ بے ثبات ہے

ہر اک ذی روح کو آخر ممات ہے

شاعرہ کہہ رہی ہے کہ ایسے کتنے ہی ستارے تھے جو اپنی روشنی پھیلانے سے قبل ہی ڈوب گئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تاریکی بڑھ گئی اور اس گہری تاریکی سے سحر کے وقت کتنے سورج اپنی پوری آب و تاب سے طلوع ہوئے۔ قاعدہ ہے کہ رات جتنی زیادہ گہری اور تاریک ہو گی، سورج کی روشنی اس قدر چمکدار اور تابناک ہو گی۔ لہذا وہ ستارے جو شام کے وقت ہی ڈوب گئے ان کے غروب ہونے سے کئی سورج نکلے اور ہر سو روشنی پھیل گئی۔

شعر 5

جو جھیل گئے ہنس کے کڑی دھوپ کے تیور

تاروں کی خنک چھاؤں میں وہ لوگ جلے ہیں

مفہوم:

جنہوں نے کڑا وقت ہنس کر جھیل لیا تھا اور اسے اچھے وقت میں بدل دیا تھا۔ جب اچھا وقت آیا تو ان کی قسمت میں جلنا کڑھنا لکھا تھا۔

تشریح:

ادا جعفری معروف غزل گو شاعرہ ہیں۔ وہ جدید لہجے میں غمِ جاناں اور غمِ دوراں کو منظوم کرتی ہیں۔ زیرِ تشریح شعر میں وہ کہتی ہیں کہ انسانی فطرت ہے کہ وہ غیروں کے ظلم و ستم کو تو برداشت کر لیتا ہے لیکن اپنوں کی بے رُخی اسے مار دیتی ہے۔

اس شعر میں انسانی فطرت کی عکاسی کی گئی ہے کہ غیروں کا ظلم و ستم انسان ہنس کر برداشت کر لیتا ہے لیکن اپنوں کی تھوڑی سی بے مروتی بھی اس کی جان لے لیتی ہے۔ یوں انسان کڑی دھوپ میں تو سفر کر سکتا ہے مگر ٹھنڈی چھاؤں میں سفر کرنا اس کی برداشت سے باہر ہے۔ اسی طرح غیروں کے تیر اور تلوار بھی اتنا زخمی نہیں کر سکتے جو اپنوں کی زبان کر سکتی ہے۔

دنیا ہزار ظلم کرے اس کا غم نہیں

مارا جو تو نے پھول وہ پتھر سے کم نہیں

ادا جعفری محبوب کی بے مروتی اور بے وفائی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ اہلِ وفا نے آزمائش کے ہر کڑے وقت میں وفا کی، ساتھ نبھایا اور مشکلات سے نکلنے میں پورا ساتھ دیا۔ مگر جب محبوب کو کامیابی و آسودگی نصیب ہوئی تو اُس نے سب احسانات کو بھلا دیا۔ اُسے وفائیں یاد نہ رہیں۔ وہ نئے دور کا راہرو ہو گیا اور اُسے نئے دور کی ہوا لگ گئی۔ چنانچہ وہ اہلِ وفا جو ساتھ نبھانے میں ثابت قدم رہے اُن کی قسمت میں جلنا اور کُڑھنا رہ گیا۔ انہوں نے کڑی دھوپ کے تیور تو محبوب کی خاطر ہنس کر برداشت کیے تھے لیکن اب اس وفا کا صلہ رونے کے سوا کچھ نہیں۔

شاعرہ کہہ رہی ہے کہ وہ دلیر اور بہادر حوصلہ مند لوگ جنہوں نے زمانے کی تیز دھوپ کا مقابلہ بڑے حوصلے، عزم و استقلال سے کیا ٹھنڈی چھاؤں میں انہیں جلنے اور سُلگنے کا احساس ہوتا ہے۔

شعر 6

اک شمع بجھائی تو کئی اور جلالیں
ہم گردش دوراں سے بڑی چال چلے ہیں

مفہوم:

اگر زمانہ ایک شمع بجھائے گا تو کئی اور جلالیں گے۔ زمانہ بڑا چال باز ہے لیکن ہم اس سے زیادہ باہمت اور چالاک ہیں۔

تشریح:

ادا جعفری معروف غزل گو شاعرہ ہیں۔ وہ جدید لمحے میں غمِ جاناں اور غمِ دوراں کو منظوم کرتی ہیں۔ زیر تشریح شعر میں وہ کہتی ہیں کہ زمانے نے تو بہت کوشش کی کہ وہ ہمیں اندھیرے میں رکھے مگر ہم نے بھی چال چلی کہ اس نے ایک شمع چھین لی تو ہم نے دوسری جلالی۔

شاعروں کی نظر میں آسمان اور زمانے کی گردش ان کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ زمانہ ظالم اور مکار ہے وہ ہمارے حوصلے پست کرنا چاہتا ہے۔ گردش دوراں ہمیں شکست دینا چاہتی ہے مگر ہم بھی بڑے چالاک ہیں ہم زمانے کی ہر چال کو سمجھتے ہیں۔ زمانے نے اگر ہماری امید کی ایک شمع بجھائی تو ہم نے امید کی نئی شمع سینے میں روشن کی۔ زمانے میں ہمارا ایک راستہ بند کیا تو ہم نے دوسرا راستہ تلاش کر لیا۔ زمانہ ہمیں پریشانیوں اور مصائب میں مبتلا کرنا چاہتا ہے لیکن ہم ہمت ہارنے والے نہیں۔ ہم خوشی کی ہلکی سی رمق پا کر ہر غم بھول جاتے ہیں اور پھر سے نئے غم سہنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ غم سہنے میں بھی قدرت نے ایک مزہ رکھا ہے۔

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پُر خار دیکھ کر

زندگی میں دوست بھی ہوتے ہیں اور دشمن بھی۔ کامیابی اور ترقی کی طرف بڑھتے دیکھ کر دشمن تو جلتے ہی ہیں، اپنے بھی جلتے ہیں۔ محبت ہو یا کوئی اور منزل، حاسد کامیابی ہضم نہیں کر پاتے۔ چنانچہ طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں۔ شاعرہ کہتی ہے کہ حاسدین لاکھ برا چاہیں ہم ان کے روکنے سے رکنے والے نہیں وہ اگر ایک راہ مسدود کریں گے ہم اور راستے تلاش کر لیں گے اور منزل تک پہنچ کر دم لیں گے۔ پانی کی گزرگاہ تنگ کی جائے تو اس میں طغیانی آتی ہے۔ زمانہ رکاوٹیں کھڑی کر کے ہماری جدوجہد کو مہمیز کرتا ہے۔ وہ عیار ہے تو ہم اس سے زیادہ عیار ہیں۔ وہ ایک طرف سے رکاوٹ ڈالے گا ہم کسی اور طرف سے مقصود حاصل کر لیں گے۔ وہ ایک راہ کی شمع بجھا کر راستہ تاریک کرے گا ہم اور راہوں پر شمعیں جلا کر سفر جاری رکھیں گے۔ حوصلوں اور جذبوں کو سازشوں سے شکست نہیں دی جا سکتی۔ اے گردشِ دوراں! ہم ناقابلِ شکست ہیں!!

"ایک آدمی تباہ تو ہو سکتا ہے
لیکن اسے شکست نہیں دی جا سکتی" (ہیمنگوئے)

پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے
رکتی ہے میری طبع تو ہوتی ہے رواں اور (غالبؔ)

24 ۔ یہ فخر تو حاصل ہے، بُرے ہیں کہ بھلے ہیں

ادا جعفری

شعر 1

یہ فخر تو حاصل ہے، بُرے ہیں کہ بھلے ہیں
دو چار قدم ہم بھی، تیرے ساتھ چلے ہیں

مفہوم:

ہم بُرے ہیں یا بھلے۔ ہمیں یہ فخر حاصل ہے کہ کچھ عرصہ محبوب کی رفاقت نصیب رہی۔

تشریح:

ادا جعفری معروف غزل گو شاعرہ ہیں۔ وہ جدید لہجے میں غمِ جاناں اور غمِ دوراں کو منظوم کرتی ہیں۔ شاعرہ کو اپنے محبوب کے ساتھ چند قدم چلنے پر فخر ہے۔

اُردو شاعری کی ایک عجیب سی روایت ہے جس میں محبوب کو انتہائی اونچا مقام حاصل ہے۔ یہ ایسی ہستی ہے جو خود کو ہر عیب سے بری قرار دیتی ہے۔ لیکن اس کے مقابلے پر اس کے چاہنے والوں کا نہ کوئی مقام ہے، نہ شناخت ہے، نہ کوئی عزت و آبرو ہے۔ شاعرہ نے محبوب کے مقابلے پر خود کو بہت ہی کم تر حیثیت میں پیش کیا ہے۔ اور اُس کی تمام تر کوتاہیوں کو اپنی ذات سے وابستہ کر کے اُسے ہر قسم کی خطا اور جرم سے مبرّا قرار دے دیا ہے اگر محبوب بے وفائی کرے تو روا، ظلم کرے تو جائز، بے اعتنائی برتے تو درست بس کبھی کبھار چاہنے والوں کی طرف نظرِ کرم کرے تو، تو یہ اُن کے لیے بہت بڑا اعزاز، انعام اور عزت افزائی ہے۔

شاعرہ کو اپنی کم مائیگی اور اپنے محبوب کے بلند مقام کا احساس ہے۔ وہ کھلے لفظوں میں تسلیم کرتی ہے کہ اس زمانے میں اس کی اہمیت نہیں ہے، چاہے اسے کوئی جانتا ہے یا نہیں اسے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ اسے صرف فخر اس بات پر ہے کہ اس نے محبوب کے ساتھ چند گھڑیاں گزاری ہیں۔ اس کی ساری زندگی کا حاصل اور قیمتی سرمایہ وہی لمحات ہیں جو اس نے محبوب کے ساتھ گزارے ہیں۔

حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ کسی نے مٹی سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ تجھ سے خوشبو آ رہی ہے؟ وہ بولی میں ناچیز مٹی ہوں، لیکن کچھ عرصہ مجھے پھول سے ہم نشینی یعنی محبت کا موقع ملا۔ اس محبت کا رنگ چڑھ گیا ہے ورنہ میں تو مٹی ہوں۔

شاعرہ کہتی ہے کہ اگرچہ میری ذات پہ نکتہ چینی کی گئی ہے، مجھے بہت بُرا بھلا کہا گیا کہ میں اس کے معیار کی نہیں ہوں۔ میرا سماجی مقام اس کا سا نہیں۔ میرا طبعی مزاج اس سے مطابقت نہیں رکھتا۔ میں جاذبیت کے خواص نہیں رکھتی وغیرہ۔ ان باتوں سے قطع نظر کہ میں کیا ہوں۔ بری ہوں یا بھلی ہوں۔ مجھے تو اس بات پہ فخر ہے کہ مجھے اس کا ساتھ نصیب رہا۔ محبت ہے ہی لاحاصل۔ لوگ تو محبوب کی نظرِ کرم کو ترستے ہیں۔ محبت حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ محبوب ان سے ہم کلام نہیں ہوتا۔ میں تو خوش نصیب ہوں جسے محبوب کا ساتھ کچھ مدّت حاصل رہا ہے۔ یہ عرصہ میرا سرمایہ حیات ہے۔ وہ ہمیشہ نہ سہی کچھ عرصہ تو میرے ساتھ رہا ہے۔ بقول شاعر

ہماری تو ایک زندگی تھی تمہارے نام کر دی

تمہاری یہ ضد ہے کہ تمہارے معیار کا کوئی نہیں

شعر 2

جلنا تو چراغوں کا مقدر ہے ازل سے
یہ دل کے کنول ہیں کہ بجھے ہیں نہ جلے ہیں

مفہوم:

چراغوں کے مقدر میں تو ازل سے جلنا لکھا ہے لیکن میرے دل کے کنول نہ بجھتے ہیں نہ جلتے ہیں۔

تشریح:

ادا جعفری معروف غزل گو شاعرہ ہیں۔ وہ جدید لہجے میں غمِ جاناں اور غمِ دوراں کو منظوم کرتی ہیں۔
زیرِ تشریح شعر میں وہ کہتی ہیں کہ روزِ اول سے چراغوں کے مقدر میں جلنا لکھ دیا گیا ہے مگر دل کے کنول نہ جلتے ہیں اور نہ بجھتے ہیں۔
جلنا تو چراغوں کا مقدر ہے، اس سے دو مفہوم ملتے ہیں ایک یہ کہ میرے دل کو کسی پل چین اور سکون نہیں ملتا۔ دوسرا میرا دل نہ تو آرزوؤں سے بیگانہ ہو کر بجھتا ہے یعنی بے جان ہوتا ہے اور نہ ہی آرزوؤں کے مکمل ہونے کی وجہ سے جل کر راکھ ہوتا ہے یعنی ہر وقت سلگتا رہتا ہے یعنی خواہشات پوری بھی نہیں ہوتیں اور ختم بھی نہیں ہوتیں۔

رہنے دو کہ اب تم بھی مجھے پڑھ نہ سکو گے
برسات میں کاغذ کی طرح بھیگ گیا ہوں

اس شعر کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ دل ایک چراغ کی مانند ہے اور روزِ اوّل سے اس کی تخلیق کا مقصد صرف یہ تھا کہ اس چراغ میں عشقِ حقیقی کا شعلہ جلتا رہے لیکن میرے دل کا چراغ نہ جلتا ہے نہ بجھتا ہے یعنی عشقِ حقیقی کا شعلہ غمِ روزگار کی وجہ سے نہ روشن ہوتا ہے اور نہ فطری رغبت اسے بجھنے دیتی ہے۔
بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ان دونوں صورتوں میں سے کسی بھی صورتِ حال سے دوچار نہیں ہوتے۔ ایسی ہی صورت میں اس شعر کے مطابق ہماری شاعرہ بھی نظر آ رہی ہے۔ اُس کے خیال میں چراغوں کی قسمت میں تو ابتداء ہی سے جلنا لکھا ہے اور وہ جلتے ہیں خواہ کسی بے بس کی شمع مزار بن کر جلیں یا کسی رئیس کے گھر میں خوبصورت فانوسوں کی شکل میں نور افشانی کریں دل کے چراغ تو اس قسم کی کسی صورتِ حال سے عہدہ برآ نہیں ہوتے، ان پر جلنے بجھنے کی منزل نہیں آ سکی۔

شعر 3

نازک تھے کہیں رنگِ گل و بوئے سمن سے
جذبات کہ آداب کے سانچے میں ڈھلے ہیں

مفہوم:

میرے جذبات پھولوں سے زیادہ نازک و حسین ہیں لیکن یہ حدِ ادب کے سانچے میں ڈھلے ہیں۔

تشریح:

ادا جعفری معروف غزل گو شاعرہ ہیں۔ وہ جدید لہجے میں غمِ جاناں اور غمِ دوراں کو منظوم کرتی ہیں۔

زیرِ تشریح شعر میں ادا جعفری عشق میں ادب و احترام کو روحِ جذبات قرار دیتے ہوئے کہتی ہیں کہ میرے جذبات میں پھولوں کی خوشبو، خوبصورتی اور نزاکت تھی۔ جیسے گلاب کے سُرخ پھول، خوش رنگ اور نازک محسوس ہوتے ہیں اور چنبیلی کی خوشبو بھینی بھینی اور معطر کر دینے والی ہوتی ہے اسی طرح میرے جذبات بھی نزاکت اور رعنائی رکھتے تھے۔ لیکن جب سے یہ آداب کے سانچے میں ڈھلے، انہیں اپنی حدود و قیود کا پتا چلا۔ اب یہ محدود ہو گئے ہیں۔ میرے جذبات بہت ہی نرم نازک ہیں لیکن ان کی حد ہے، ادب کی حد۔ اسی حد کے پابند ہو کر ان میں توازن پیدا ہو گیا ہے اور دراصل ان کی نزاکت اور بڑھ گئی ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ:

خموش اے دل! بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

شاعرہ کہتی ہے کہ ہم بھی محبت کے جذبات سے لبریز ہیں۔ ہمارے جذبات گُلوں کی خوبصورتی و رعنائی اور چنبیلی کی خوشبو کی مانند پذیرائی کے خواص رکھتے ہیں۔ جوشِ محبت، سوزِ دروں اگر آشکار ہو جائے تو زمانے بھر میں پذیرائی حاصل کرے لیکن ہمیں پتا ہے کہ ہر کام کے آداب کیا ہیں۔ انسان جس سے محبت کرتا ہے اس کی رسوائی نہیں چاہتا۔ اس کو سرِ محفل ہدفِ تنقید بنانے کا موقع نہیں دیتا۔ اسی لیے ہم نے اپنے جذبات کو حدِ ادب سے باہر نہیں نکلنے دیا بلکہ انہیں شائستگی اور آداب کے دائرے میں رکھا ہے۔

دیکھنا بھی تو انہیں دور سے دیکھا کرنا

شیوہ عشق نہیں حسن کو رُسوا کرنا

شعر 4

تھے کتنے ستارے کہ سرِ شام ہی ڈوبے

ہنگامِ سحر کتنے ہی خورشید ڈھلے ہیں

مفہوم:

ستاروں جیسے بہت سے لوگ آغازِ زندگی میں ہی فوت ہو گئے، بہت سے سورج جیسے لوگ دمِ صبح ہی عدم کو چلے گئے۔

تشریح:

ادا جعفری معروف غزل گو شاعرہ ہیں۔ وہ جدید لہجے میں غمِ جاناں اور غمِ دوراں کو منظوم کرتی ہیں۔

زیرِ تشریح شعر میں وہ کہتی ہیں کہ آسمان کے دامن میں بے شمار ستارے ایسے ہوتے ہیں جنہیں چمکنا نصیب نہیں ہوتا اور وہ شام ہوتے ہی ڈوب جاتے ہیں اور اسی طرح کئی سورج صبح ہوتے ہی ڈھل جاتے ہیں۔ یہ دنیا فانی اور موت برحق ہے۔ موت نہایت ظالم اور بے رحم ہے۔ وقت کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ کتنے ستارے ایسے ہیں جنہوں نے اپنی پوری آب و تاب سے چمکنا تھا۔ اس دنیا کی خوبصورتی سے لطف اٹھانا تھا۔ مگر وہ محروم رہ گئے موت کسی کی پرواہ نہیں کرتی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ

ترجمہ: "ہر ذی نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے"۔

اسی طرح سورج جس نے تمام دنیا کو منوّر کرنا تھا صبح کے وقت ہی ڈھل گیا۔

زندگی کا بھروسا ہی کیا اک چھلکتا ہوا جام ہے

زندگی! زندگی! زندگی! موت کا دوسرا نام ہے

اس شعر کا لُبِّ لباب یہ ہے کہ وقت نے کسی کا ساتھ نہیں دیا۔ بہت سے ایسے بچے جنہوں نے دنیا کی خوبصورتی اور رونق سے لطف اٹھانا تھا کم عمری میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور بہت سے جوان جنہوں نے ملک کی بھاگ دوڑ سنبھالنی تھی انہیں بھی موت نے مہلت نہ دی۔

حیات عجب مرحلہ بے ثبات ہے

ہر اک ذی روح کو آخر ممات ہے

شاعرہ کہہ رہی ہے کہ ایسے کتنے ہی ستارے تھے جو اپنی روشنی پھیلانے سے قبل ہی ڈوب گئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تاریکی بڑھ گئی اور اس گہری تاریکی سے سحر کے وقت کتنے سورج اپنی پوری آب و تاب سے طلوع ہوئے۔ قاعدہ ہے کہ رات جتنی زیادہ گہری اور تاریک ہو گی، سورج کی روشنی اس قدر چمکدار اور تابناک ہو گی۔ لہذا وہ ستارے جو شام کے وقت ہی ڈوب گئے ان کے غروب ہونے سے کئی سورج نکلے اور ہر سو روشنی پھیل گئی۔

شعر 5

جو جھیل گئے ہنس کے کڑی دھوپ کے تیور

تاروں کی خنک چھاؤں میں وہ لوگ جلے ہیں

مفہوم:

جنہوں نے کڑا وقت ہنس کر جھیل لیا تھا اور اسے اچھے وقت میں بدل دیا تھا۔ جب اچھا وقت آیا تو ان کی قسمت میں جلنا کڑھنا لکھا تھا۔

تشریح:

ادا جعفری معروف غزل گو شاعرہ ہیں۔ وہ جدید لہجے میں غمِ جاناں اور غمِ دوراں کو منظوم کرتی ہیں۔ زیرِ تشریح شعر میں وہ کہتی ہیں کہ انسانی فطرت ہے کہ وہ غیروں کے ظلم و ستم کو تو برداشت کر لیتا ہے لیکن اپنوں کی بے رُخی اسے مار دیتی ہے۔

اس شعر میں انسانی فطرت کی عکاسی کی گئی ہے کہ غیروں کا ظلم و ستم انسان ہنس کر برداشت کر لیتا ہے لیکن اپنوں کی تھوڑی سی بے مروتی بھی اس کی جان لے لیتی ہے۔ یوں انسان کڑی دھوپ میں تو سفر کر سکتا ہے مگر ٹھنڈی چھاؤں میں سفر کرنا اس کی برداشت سے باہر ہے۔ اسی طرح غیروں کے تیر اور تلوار بھی اتنا زخمی نہیں کر سکتے جو اپنوں کی زبان کر سکتی ہے۔

دنیا ہزار ظلم کرے اس کا غم نہیں

مارا جو تو نے پھول وہ پتھر سے کم نہیں

ادا جعفری محبوب کی بے مروتی اور بے وفائی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ اہلِ وفا نے آزمائش کے ہر کڑے وقت میں وفا کی، ساتھ نبھایا اور مشکلات سے نکلنے میں پورا ساتھ دیا۔ مگر جب محبوب کو کامیابی و آسودگی نصیب ہوئی تو اُس نے سب احسانات کو بھلا دیا۔ اُسے وفائیں یاد نہ رہیں۔ وہ نئے دور کا راہرو ہو گیا اور اُسے نئے دور کی ہوا لگ گئی۔ چنانچہ وہ اہلِ وفا جو ساتھ نبھانے میں ثابت قدم رہے اُن کی قسمت میں جلنا اور کُڑھنا رہ گیا۔ انہوں نے کڑی دھوپ کے تیور تو محبوب کی خاطر ہنس کر برداشت کیے تھے لیکن اب اس وفا کا صلہ رونے کے سوا کچھ نہیں۔

شاعرہ کہہ رہی ہے کہ وہ دلیر اور بہادر حوصلہ مند لوگ جنہوں نے زمانے کی تیز دھوپ کا مقابلہ بڑے حوصلے، عزم و استقلال سے کیا ٹھنڈی چھاؤں میں انہیں جلنے اور سُلگنے کا احساس ہوتا ہے۔

شعر 6

اک شمع بجھائی تو کئی اور جلالیں
ہم گردش دوراں سے بڑی چال چلے ہیں

مفہوم:

اگر زمانہ ایک شمع بجھائے گا تو کئی اور جلالیں گے۔ زمانہ بڑا چال باز ہے لیکن ہم اس سے زیادہ باہمت اور چالاک ہیں۔

تشریح:

ادا جعفری معروف غزل گو شاعرہ ہیں۔ وہ جدید لمحے میں غمِ جاناں اور غمِ دوراں کو منظوم کرتی ہیں۔ زیر تشریح شعر میں وہ کہتی ہیں کہ زمانے نے تو بہت کوشش کی کہ وہ ہمیں اندھیرے میں رکھے مگر ہم نے بھی چال چلی کہ اس نے ایک شمع چھین لی تو ہم نے دوسری جلالی۔

شاعروں کی نظر میں آسمان اور زمانے کی گردش ان کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ زمانہ ظالم اور مکار ہے وہ ہمارے حوصلے پست کرنا چاہتا ہے۔ گردش دوراں ہمیں شکست دینا چاہتی ہے مگر ہم بھی بڑے چالاک ہیں ہم زمانے کی ہر چال کو سمجھتے ہیں۔ زمانے نے اگر ہماری امید کی ایک شمع بجھائی تو ہم نے امید کی نئی شمع سینے میں روشن کی۔ زمانے میں ہمارا ایک راستہ بند کیا تو ہم نے دوسرا راستہ تلاش کر لیا۔ زمانہ ہمیں پریشانیوں اور مصائب میں مبتلا کرنا چاہتا ہے لیکن ہم ہمت ہارنے والے نہیں۔ ہم خوشی کی ہلکی سی رمق پا کر ہر غم بھول جاتے ہیں اور پھر سے نئے غم سہنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ غم سہنے میں بھی قدرت نے ایک مزہ رکھا ہے۔

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پُر خار دیکھ کر

زندگی میں دوست بھی ہوتے ہیں اور دشمن بھی۔ کامیابی اور ترقی کی طرف بڑھتے دیکھ کر دشمن تو جلتے ہی ہیں، اپنے بھی جلتے ہیں۔ محبت ہو یا کوئی اور منزل، حاسد کامیابی ہضم نہیں کر پاتے۔ چنانچہ طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں۔ شاعرہ کہتی ہے کہ حاسدین لاکھ برا چاہیں ہم ان کے روکنے سے رکنے والے نہیں وہ اگر ایک راہ مسدود کریں گے ہم اور راستے تلاش کر لیں گے اور منزل تک پہنچ کر دم لیں گے۔ پانی کی گزرگاہ تنگ کی جائے تو اس میں طغیانی آتی ہے۔ زمانہ رکاوٹیں کھڑی کر کے ہماری جدوجہد کو مہمیز کرتا ہے۔ وہ عیار ہے تو ہم اس سے زیادہ عیار ہیں۔ وہ ایک طرف سے رکاوٹ ڈالے گا ہم کسی اور طرف سے مقصود حاصل کر لیں گے۔ وہ ایک راہ کی شمع بجھا کر راستہ تاریک کرے گا ہم اور راہوں پر شمعیں جلا کر سفر جاری رکھیں گے۔ حوصلوں اور جذبوں کو سازشوں سے شکست نہیں دی جا سکتی۔ اے گردشِ دوراں! ہم ناقابلِ شکست ہیں!!

"ایک آدمی تباہ تو ہو سکتا ہے
لیکن اسے شکست نہیں دی جا سکتی" (ہیمنگوئے)

پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے
رکتی ہے میری طبع تو ہوتی ہے رواں اور (غالبؔ)

23 ۔ سر میں سودا بھی نہیں، دل میں تمنا بھی نہیں

فراقؔ گورکھپوری

شعر 1

سر میں سودا بھی نہیں، دل میں تمنا بھی نہیں
لیکن اس ترکِ محبت کا بھروسا بھی نہیں

مفہوم:

سر میں عشق کا زور نہیں دل میں خواہش نہیں لیکن معلوم نہیں ہم کب تک اس ترکِ محبت پر قائم رہیں گے۔

تشریح:

فراقؔ گورکھپوری مشہور غزل گو شاعر تھے۔ غمِ دوراں، غمِ جاناں اور آفاقی موضوعات پر مبنی ان کے اشعار زندگی کی الجھنوں کے ترجمان بھی ہیں اور معاملات محبت کے عکاس بھی۔

زیرِ تشریح شعر میں فراقؔ دلی الجھن کو اجاگر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ذہن میں عشق کا خبط اور محبت کی دھن کی لگن نہیں ہے اور دل میں پیار کی امنگ اور محبوب کی محبت کی خواہش موجود نہیں ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم تارکِ محبت ہو کر اس پر قائم بھی رہیں گے۔ دل کبھی ترک محبت کے بہانے مانگتا ہے اور پھر یہی دل کسی اور وقت پر ترک محبت کے ارادے کو ترک کر دیتا ہے اور جھٹلائے ہوئے سے ملنے کے بہانے مانگتا ہے۔ دل کا موسم پل بھر میں کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ جس کے بغیر جی نہ سکتا ہو اس کے بارے میں ہی نیتِ شوق بھر جاتی ہے۔ پھر کبھی اتنی گھٹن بڑھ جاتی ہے کہ دل تعلق دوبارہ استوار کرنا چاہتا ہے۔ شاعر فراقؔ اسی کیفیت سے دوچار ہیں کہ محبوب کی بے اعتنائی اور بے رخی نے دل کو بیزار کر دیا۔ رسوائی اور بے چینی کے سوا کچھ نہ ملا۔ ہزاروں تمنائیں اپنی موت آپ مر گئیں اور ہزاروں خواب ریزہ ریزہ ہو گئے لیکن محبوب کے من میں ہم محبت کی جوت نہ جگا سکے۔

تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے
ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا (مومنؔ)

شاعر کہتا ہے کہ ہم ناکام و نامراد ٹھہرے، اپنی بد قسمتی پر آبدیدہ رہے اور بالآخر طے کر لیا کہ اب اس سے محبت نہیں کرنی۔ اب شاعر دل کی نازک کیفیت کو بیان کر رہا ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اپنے اس قول پر قائم بھی رہیں۔ ہماری کیفیت یوں بھی ہو سکتی ہے۔

اے دوست ہم نے ترکِ محبت کے باوجود
محسوس کی ہے تیری ضرورت کبھی کبھی (ناصرؔ کاظمی)

الطاف حسین حالیؔ نے اسی مفہوم کو اپنے خاص اسلوب میں کچھ یوں بیان کیا ہے۔

ہوتی نہیں قبول دعا ترکِ عشق کی
دل چاہتا نہ ہو تو زباں میں اثر کہاں (حالیؔ)

شعر2

اک مدت سے تیری یاد بھی آئی نہ ہمیں
اور ہم بھول گئے ہوں تجھے، ایسا بھی نہیں

مفہوم:

ایک مدت سے تیری یاد نہیں آئی لیکن ایسا نہیں کہ ہم نے تجھے بھلا دیا ہے۔

تشریح:

فراق گورکھپوری مشہور غزل گو شاعر تھے۔ غمِ دوراں، غمِ جاناں اور آفاقی موضوعات پر مبنی ان کے اشعار زندگی کی الجھنوں کے ترجمان بھی ہیں اور معاملات محبت کے عکاس بھی۔

زیر تشریح شعر میں فراق نکتہ آفرینی سے اپنی دلی کیفیت عیاں کر رہے ہیں کہ امنگوں کا مرکز و محور محبوب جب دل میں بس جائے تو اس گھر کا ایسا مکیں بن جاتا ہے کہ یہاں سے جاتا نہیں۔ اگر بالفرض چلا جائے تو ہر کونے سے اس کی خوشبو اس کی یاد دلاتی ہے۔ فراق کہتے ہیں کہ اک عرصہ ہو گیا ہم نے تمہیں یاد نہیں کیا۔ جب کوئی محبت کی قدر نہ کرے تو اسے بھول جانا اچھا ہوتا ہے۔ ہم نے بھلانے کی کوشش کی اور تمہاری یاد اور خیال کی پناہ نہیں لی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم محبوب کو بھول گئے ہوں۔ محبوب کی یاد کا سہارا تو نہیں لیا لیکن محبوب کا نقش ضرور دل میں موجود رہا۔ یوں اسے یاد تو نہیں کرتے لیکن ہم اسے بھولے نہیں۔

نہیں آتی تو یاد اُن کی مہینوں تک نہیں آتی
مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

محبوب کی یاد سکون اور گل فشانی کا سبب ہے۔ خیال یار کی تو چادر اوڑھ کر لوگ کڑی دھوپ کا سفر کاٹتے ہیں۔ یہ تو ویرانوں میں بہار کی مانند ہے۔

لیکن اگر شاعر اسے یاد نہیں کرتا تو اس کا باعث وہ تلخ حالات ہیں جو محبوب کے پیدا کردہ ہیں، وہ محبت کا قدر دان نہیں اور بے رخی و بے اعتنائی برتتا ہے۔ چنانچہ شاعر نے اسی لیے اس کی یادوں سے کبھی دل کو بے چین کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ لیکن یہ دل خانہ خراب چیز ہی ایسی ہے جسے اپنے اندر جگہ دے اسے بھولتا نہیں۔ اسی لیے شاعر کہتے ہیں کہ محبوب کے رویے کے سبب ہم اسے یاد نہیں کرتے لیکن اسے بھول گئے اور اس کی یاد نہ آتی ہو، کوئی کسک اس نے نہ پیدا کی ہو ایسی بھی بات نہیں۔ اسے یاد تو نہیں کیا لیکن وہ کمبخت بھولتا نہیں۔

باغوں میں پڑے جھولے
تم ہمیں بھول گئے، ہم تم کو نہیں بھولے

شعر کے حقیقی معنوں میں فراق نے کہا کہ ہم اپنے معبود کو بھولے نہیں۔ یہ روزمرہ کی مصروفیات ہیں اور انسانی لغزشیں ہیں جو ہم معبود کی طرف رجوع نہ کر سکے۔ اس کی عبادت و ریاضت میں مصروف نہ ہو سکے اور اسے یاد نہ کر سکے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم معبود کو بھول گئے ہوں اور اس پر اعتقاد کمزور پڑ گیا ہو اس کو نظر انداز کیا ہو۔ اس طوفانی دور میں گردش زمانہ کے سبب ہم دنیوی زندگی کے معاملات میں کھو ضرور گئے تھے لیکن خدا اب بھی ہمیں یاد ہے۔

گو حکم تیرے لاکھوں یاں ٹالتے رہے ہیں

لیکن ٹلا نہ ہر گز دل سے خیال تیرا

شعر 3

یوں تو ہنگامے اٹھاتے نہیں دیوانہ عشق
مگر اے دوست، کچھ ایسوں کا ٹھکانا بھی نہیں

مفہوم:

یوں تو اہلِ عشق حدِ ادب میں رہتے ہیں اور ہنگامہ برپا نہیں کرتے لیکن جب ان کی راہ بند کی جائے تو کچھ بھی کر سکتے ہیں۔

تشریح:

فراقؔ گورکھپوری مشہور غزل گو شاعر تھے۔ غمِ دوراں، غمِ جاناں اور آفاقی موضوعات پر مبنی ان کے اشعار زندگی کی الجھنوں کے ترجمان بھی ہیں اور معاملات محبت کے عکاس بھی۔

زیرِ تشریح شعر میں فراقؔ اہل عشق کی حالتِ جنوں کی نفسیات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عشق کے دیوانے ہنگامے برپا نہیں کرتے۔ جن کے دلوں میں سچا پیار موجود ہو وہ نہ تو رسوائی اور بدنامی کا باعث بنتے ہیں اور نہ ہی حدود و قیود کو توڑتے ہیں لیکن میرے دوستو ایسے لوگوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ ان کی آشفتہ سری نہ جانے کیا کچھ کر کے رکھ دے۔ انہیں قید کریں یا پہرے بٹھائیں ان کے دل کا ہنگامہ اور ذہن کی طوفانی کیفیت کبھی درست نہیں ہوتی۔

زنداں میں بھی شورش نہ گئی اپنے جنوں کی
اب سنگ مداوا ہے اس آشفتہ سری کا (میرؔ)

عشق بے انتہا لگن کا نام ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ دنیا میں سارے کارنامے ہی عشق کے مرہونِ منت ہیں۔ عشق کبھی آگ میں ابراہیم کی مانند بے خطر کود پڑتا ہے تو کبھی کوہکنی پر اتر آتا ہے۔ اہل عشق ہنگامہ پرور نہیں ہوتے۔ لیکن حالات انہیں اس رخ پہ لے آتے ہیں کہ وہ کوئی انوکھا قدم اٹھائیں یا کچھ منفرد کام کر جائیں جس سے معاشرے کے جامد پانی میں ہلچل پیدا ہو جائے۔ تلخیٔ حالات اور ظلمِ محبوب عشق کے دیوانوں کا شب و روز کا چین چھین لیتا ہے اور وہ دن رات آہ و فغاں کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

شامِ الم ڈھلی اور چلی درد کی ہوا
رات کا پچھلا پہر ہے اور ہم ہیں دوستو (منیرؔ نیازی)

انسانی رویے خارجی حالات سے پیدا کردہ داخلی کیفیات سے عبارت ہوتے ہیں۔ ہر چند کہ اہلِ عشق صابر و شاکر ہوتے ہیں۔ وہ غمِ عشق اور غمِ زمانہ کو برداشت کرتے ہوئے غم کے سہنے میں بھی کیف محسوس کرتے ہیں۔ لیکن جب حالات برداشت سے باہر ہو جائیں، طوفان پیدا ہو جائیں جس سے دلِ عاشقاں میں تلاطم پیدا ہو جائے تو پھر یہ اہلِ عشق کچھ انوکھا کر سکتے ہیں۔

شعر 4

آج غفلت بھی ہے ان آنکھوں میں پہلے سے سوا
آج ہی خاطرِ بیمار شکیبا بھی نہیں

مفہوم:

آج ان کی آنکھوں میں پہلے سے زیادہ بے اعتنائی ہے۔ افسوس آج ہی اسے میرے صبر و قرار کا باعث نہیں بننا تھا۔

تشریح:

فراق گورکھپوری مشہور غزل گو شاعر تھے۔ غمِ دوراں، غمِ جاناں اور آفاقی موضوعات پر مبنی ان کے اشعار زندگی کی الجھنوں کے ترجمان بھی ہیں اور معاملات محبت کے عکاس بھی۔

زیر تشریح شعر میں فراق کہتے ہیں کہ آج میرے محبوب کی آنکھوں میں غفلت، لاپرواہی اور بے رخی پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ یوں تو میرے محبوب نے کبھی توجہ بھری نظر سے میری طرف نہیں دیکھا۔ اس کے دل میں میرے لئے کوئی پیار کی لہر پیدا نہیں ہو سکی۔ وہ پہلے بھی بے رخی سے ہی پیش آتا تھا لیکن آج اس نے کمال کر دیا ہے، حد کر دی ہے۔ غفلت اور بے رخی اوجِ ثریا پر ہے۔ دوسری طرف میرا دل بھی آج زیادہ مضطرب ہے۔ پہلے یہ محبوب کے ناروا سلوک کو برداشت کر لیتا تھا آج اسے صبر نہیں آ رہا۔ پہلے رو دو کے چپ ہو جاتا تھا۔ اچھے وقت کی امید میں صابر ہو جاتا تھا۔ دل یہ یقین رکھتا تھا کہ ایسی کوئی رات نہیں جس کی سحر نہ ہو اور پتھر پر بھی اگر پانی کے قطرے لگاتار پڑتے رہیں تو اس میں چھید کر دیتے ہیں۔ محبوب چاہے بلا کا غافل ہو کسی دن اس کے من میں میرا پیار ضرور کروٹ لے گا۔ لیکن آج ایک طرف تو دل پہلے ہی بے چین و بے قرار تھا دوسری طرف محبوب کا رویہ بھی زیادہ ہی غیر مناسب ہو گیا ہے اسی لیے اس بیمار اور پریشان دل کو قرار نہیں آ رہا۔

شعر 5

رنگ وہ فصلِ خزاں میں ہے کہ جس سے بڑھ کر
شانِ رنگینیِ حسنِ چمن آرا بھی نہیں

مفہوم:

پت جھڑ کے موسم میں وہ رنگ و آہنگ ہے کہ موسم بہار کے گل و گلزار میں یہ شان پیدا نہیں ہو سکتی۔

تشریح:

فراق گورکھپوری مشہور غزل گو شاعر تھے۔ غمِ دوراں، غمِ جاناں اور آفاقی موضوعات پر مبنی ان کے اشعار زندگی کی الجھنوں کے ترجمان بھی ہیں اور معاملات محبت کے عکاس بھی۔

زیرِ تشریح شعر میں فراق گورکھپوری تمثیلی انداز میں اپنی پر درد زندگی پر قانع ہو کر کہتے ہیں کہ پت جھڑ کا موسم رنگ و بو اور ہریالی کا خاتم ہے۔ بہار کی رنگینیوں کے لیے موت ہے۔ لیکن فراق کہتے ہیں کہ موسم خزاں کے مظاہر میں وہ حسن اور سکون ہے جو رنگ و بو سے پُر نور چمنستان کی خوبصورتی میں بھی نہیں۔ جب حالات سنورنے اور دل کا باغ کھلنے کی آس ختم ہو جائے تو خوابِ بہار سے دل کو فریب نہیں دینا چاہیے کہ حقیقت پر ستی کے خلاف ہے۔ اس طرح جب خوابوں سے نکل کر حقیقت پر نظر پڑتی ہے تو تکلیف سے دل و دماغ میں سوگ کا سماں ہوتا ہے۔ اس لیے تلخیٔ

حالات اور مشکل زندگی کی حقیقت کو قبول کر لینا چاہیے۔ اس خرابے میں مطمئن ہو کر جو کیف ملتا ہے وہ خیالوں کی رنگین زندگی میں نہیں ملتا۔ بقول ساحرؔ

ہم کو ان سستی خوشیوں کا لوبھ نہ دو
ہم نے سوچ سمجھ کر غم اپنایا ہے (ساحرؔ لدھیانوی)

بہار آتی ہے تو رنگ و بو کا قافلہ اتر پڑتا ہے اور دل کے جذبات اس رومان انگیز موسم میں دو آتشہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب محبوب کی غفلت اور بے رخی اور غم زمانہ سے واسطہ پڑتا ہے تو یہی جذبات رقت انگیزی میں بدل جاتے ہیں۔ یوں بہار کا موسم جو رومان انگیزی کا باعث بنا تھا اب الم انگیز ہو جاتا ہے بلکہ جب جب بہار کا موسم آتا ہے زخم پھر سے ہرے ہو جاتے ہیں۔

مجھے شادابیٔ صحن چمن سے خوف آتا ہے
یہی وہ انداز تھے جن سے لٹی تھی زندگی میری

فراقؔ کہتے ہیں کہ اس لیے بہتر ہے انسان موسم خزاں اور اپنی درد بھری اجڑی زندگی پر قناعت کر لے۔ ناکامیوں اور دکھوں کا کرب پھر بے چین نہیں کرے گا۔

تیسرے زاویے سے دیکھا جائے تو اداس لوگوں کو شام کا وقت، غروبِ آفتاب کا منظر، پت جھڑ کا موسم، پیلے پتے، ٹنڈ منڈ شاخیں، ویران راستے، تاریک راہیں، کمرے کی تنہائی، پُر درد شاعری اور کھنڈرات اور بے آباد پہاڑی علاقے بہت پسند آتے ہیں۔ فراقؔ بھی غم عشق اور غم زمانہ کے ستائے ہوئے ہیں انہیں بھی اسی لیے پت جھڑ کے موسم کے مظاہر فصل بہار کی رنگینی سے زیادہ بھلے لگ رہے ہیں کہ وہ در حقیقت اندر سے اداس ہیں۔

چوتھا زاویہ یہ ہے کہ حق پرست لوگوں کو راہ راست میں مصائب کے پہاڑوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ لیکن اگر عزم راسخ ہو تو وہ گھبراتے نہیں۔ بلکہ اپنے تلخ حالات کو زندگی کا حصہ سمجھتے ہیں اور مشکلات سے لڑتے رہتے ہیں۔ اپنے غموں سے سمجھوتہ کر لیتے ہیں۔ فراقؔ نے بھی یہی کیا کہ دکھ اور غم کی حقیقت بھری زندگی کو قبول کر لیا ہے۔

شعر 6

بات یہ ہے کہ سکونِ دل وحشی کا مقام
کنجِ زنداں بھی نہیں وسعت صحرا بھی نہیں

مفہوم:

بے چین دل کا مقام نہ گوشہ تنہائی میں ہے اور نہ ہی وسعت صحرا میں ہے۔

تشریح:

فراقؔ گورکھپوری مشہور غزل گو شاعر تھے۔ غمِ دوراں، غمِ جاناں اور آفاقی موضوعات پر مبنی ان کے اشعار زندگی کی الجھنوں کے ترجمان بھی ہیں اور معاملات محبت کے عکاس بھی۔

زیرِ تشریح شعر میں فراقؔ دل کی بے چینی کو کسی طور قرار نہ آنے کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بے چین دل کو سکون پذیر کرنے کے لئے عشّاق کو مقید کر دیا جاتا ہے تو کبھی یہی عشاق صحراؤں کی خاک چھانتے ہیں اور قرار تلاش کرتے نظر آتے ہیں۔ لیکن در اصل بات یہ ہے کہ بے قرار دل کی وحشت کو نہ تو قید خانے کی تنہائی، پابندی اور سختی سکون پذیر کر سکتی ہے اور نہ ریگستانوں کی تنہائی اور ویرانی اس وحشت کو ختم کر سکتی ہے۔ حقیقت یہ

ہے کہ اندر کا موسم شدید خراب ہو تو دل میں وحشت و مجنونیت جنم لیتی ہے اور اسے قرار اس کی وجوہات ختم کرنے سے ہی آسکتا ہے۔ اگر غم عشق ہو تو محبوب کا قرب، وصل اور اگر غم زمانہ ہو تو مسائل کا حل ہی تسکین دے سکتا ہے اور وحشت کو قرار میں بدل سکتا ہے۔

زنداں میں بھی شورش نہ گئی اپنے جنوں کی

شعر میں حقیقی مفہوم پیش کیا گیا ہے کہ سکون و قرار کی تلاش تو ہر شخص کو ہے لیکن اسے غیر موزوں جگہوں پر تلاش کیا جاتا ہے۔ دنیا کی کوئی شے دائمی سکون سے بہرہ ور نہیں کر سکتی۔ اپنے معبود کا قرب، اس سے محبت، اسی کی خوشنودی کا حصول اور عبادت سے ہی حقیقی سکون حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہ حقیقی سکون نہ تو رہبانیت میں ہے کہ فقرِ خانقاہی اختیار کیا جائے اور نہ ہی جنگلوں، ریگزاروں کی تنہائی میں عبادت کرنے سے ملتا ہے۔ صرف ایک ہی طریقے سے ابدی سکون ممکن ہے کہ اصلی روح کے مطابق معبود کی تابع فرمانی کی جائے جس سے موجودہ زندگی بن سکے اور آنے والی زندگی سنور سکے۔ مذہبی پیشواؤں کی تعلیمات کا خلاصہ یہی ہے۔

شعر 7

ہم اسے منھ سے برا تو نہیں کہتے کہ فراقؔ
دوست تیرا ہے، مگر آدمی اچھا بھی نہیں

مفہوم:

فراقؔ! ہم اسے منہ سے برا نہیں کہتے کہ وہ تیرا دوست ہے لیکن وہ آدمی اچھا نہیں۔

تشریح:

فراقؔ گورکھپوری مشہور غزل گو شاعر تھے۔ غمِ دوراں، غمِ جاناں اور آفاقی موضوعات پر مبنی ان کے اشعار زندگی کی الجھنوں کے ترجمان بھی ہیں اور معاملات محبت کے عکاس بھی۔

ہم فراقؔ کو دل سے اچھا نہیں سمجھتے لیکن اسے منہ سے برا نہیں کہہ سکتے کیوں کہ اے محبوب وہ تیرا دوست ہے اور تجھ سے وابستہ ہر چیز تحسین آمیز ہے۔ فراقؔ نے اس شعر میں محبوب کی قدر و قیمت اور اہمیت کو اجاگر کیا ہے کہ وہ عام اشیاء جو محبوب سے متعلقہ ہوں خاص ہو جاتی ہیں۔ پری وش سے محبت کر کے گمنام فرد مشہور عاشق زار بن جاتا ہے۔ جب محبت خالص ہو تو محبوب اور اُس سے وابستہ فرد و اشیا محترم ہو جاتی ہیں۔ ان کے نقائص محسوس نہیں ہوتے۔ شاعر فراقؔ یہی نکتہ بیان کر رہے ہیں کہ فراقؔ بندہ بشر ہے، خطا کا پُتلا، عاشق زار ہے اور خامیوں کا منبع ہے لیکن ہم اسے منہ سے برا نہیں کہہ سکتے کیونکہ تمہارا دوست ہے تمہارا چاہنے والا ہے اور تم اس کی پہچان ہو۔

اس شعر میں حقیقی مفہوم بھی پیش کیا گیا ہے کہ فراقؔ بندہ ہو کر بندگی سے غافل ہے اس لیے اچھا بندہ نہیں۔ لیکن ہم اسے منہ سے برا نہیں کہتے کیونکہ آخر وہ اے معبود تیرا بندہ ہے تیرا چاہنے والا ہے۔ تجھ سے دوستی کے سبب ہماری زبانیں بند ہیں کہ جب تجھ سے نسبت ہے تو ہمیں کچھ کہنے کا حق نہیں۔ اس لیے ہم اسے منہ سے برا نہیں کہتے۔

24 ۔ یہ فخر تو حاصل ہے، بُرے ہیں کہ بھلے ہیں

ادا جعفری

شعر 1

یہ فخر تو حاصل ہے، بُرے ہیں کہ بھلے ہیں
دو چار قدم ہم بھی، تیرے ساتھ چلے ہیں

مفہوم:

ہم بُرے ہیں یا بھلے۔ ہمیں یہ فخر حاصل ہے کہ کچھ عرصہ محبوب کی رفاقت نصیب رہی۔

تشریح:

ادا جعفری معروف غزل گو شاعرہ ہیں۔ وہ جدید لہجے میں غمِ جاناں اور غمِ دوراں کو منظوم کرتی ہیں۔ شاعرہ کو اپنے محبوب کے ساتھ چند قدم چلنے پر فخر ہے۔

اُردو شاعری کی ایک عجیب سی روایت ہے جس میں محبوب کو انتہائی اونچا مقام حاصل ہے۔ یہ ایسی ہستی ہے جو خود کو ہر عیب سے بری قرار دیتی ہے۔ لیکن اس کے مقابلے پر اس کے چاہنے والوں کا نہ کوئی مقام ہے، نہ شناخت ہے، نہ کوئی عزت و آبرو ہے۔ شاعرہ نے محبوب کے مقابلے پر خود کو بہت ہی کم تر حیثیت میں پیش کیا ہے۔ اور اُس کی تمام تر کوتاہیوں کو اپنی ذات سے وابستہ کر کے اُسے ہر قسم کی خطا اور جرم سے مبرّا قرار دے دیا ہے اگر محبوب بے وفائی کرے تو روا، ظلم کرے تو جائز، بے اعتنائی برتے تو درست بس کبھی کبھار چاہنے والوں کی طرف نظرِ کرم کرے تو، تو یہ اُن کے لیے بہت بڑا اعزاز، انعام اور عزت افزائی ہے۔

شاعرہ کو اپنی کم مائیگی اور اپنے محبوب کے بلند مقام کا احساس ہے۔ وہ کھلے لفظوں میں تسلیم کرتی ہے کہ اس زمانے میں اس کی اہمیت نہیں ہے، چاہے اسے کوئی جانتا ہے یا نہیں اسے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ اسے صرف فخر اس بات پر ہے کہ اس نے محبوب کے ساتھ چند گھڑیاں گزاری ہیں۔ اس کی ساری زندگی کا حاصل اور قیمتی سرمایہ وہی لمحات ہیں جو اس نے محبوب کے ساتھ گزارے ہیں۔

حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ کسی نے مٹی سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ تجھ سے خوشبو آ رہی ہے؟ وہ بولی میں ناچیز مٹی ہوں، لیکن کچھ عرصہ مجھے پھول سے ہم نشینی یعنی محبت کا موقع ملا۔ اس محبت کا رنگ چڑھ گیا ہے ورنہ میں تو مٹی ہوں۔

شاعرہ کہتی ہے کہ اگرچہ میری ذات پہ نکتہ چینی کی گئی ہے، مجھے بہت بُرا بھلا کہا گیا کہ میں اس کے معیار کی نہیں ہوں۔ میرا سماجی مقام اس کا سا نہیں۔ میرا طبعی مزاج اس سے مطابقت نہیں رکھتا۔ میں جاذبیت کے خواص نہیں رکھتی وغیرہ۔ ان باتوں سے قطع نظر کہ میں کیا ہوں۔ بری ہوں یا بھلی ہوں۔ مجھے تو اس بات پہ فخر ہے کہ مجھے اس کا ساتھ نصیب رہا۔ محبت ہے ہی لاحاصل۔ لوگ تو محبوب کی نظرِ کرم کو ترستے ہیں۔ محبت حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ محبوب ان سے ہم کلام نہیں ہوتا۔ میں تو خوش نصیب ہوں جسے محبوب کا ساتھ کچھ مدّت حاصل رہا ہے۔ یہ عرصہ میرا سرمایہ حیات ہے۔ وہ ہمیشہ نہ سہی کچھ عرصہ تو میرے ساتھ رہا ہے۔ بقول شاعر

ہماری تو ایک زندگی تھی تمہارے نام کر دی

تمہاری یہ ضد ہے کہ تمہارے معیار کا کوئی نہیں

شعر 2

جلنا تو چراغوں کا مقدر ہے ازل سے
یہ دل کے کنول ہیں کہ بجھے ہیں نہ جلے ہیں

مفہوم:

چراغوں کے مقدر میں تو ازل سے جلنا لکھا ہے لیکن میرے دل کے کنول نہ بجھتے ہیں نہ جلتے ہیں۔

تشریح:

ادا جعفری معروف غزل گو شاعرہ ہیں۔ وہ جدید لہجے میں غمِ جاناں اور غمِ دوراں کو منظوم کرتی ہیں۔
زیرِ تشریح شعر میں وہ کہتی ہیں کہ روزِ اول سے چراغوں کے مقدر میں جلنا لکھ دیا گیا ہے مگر دل کے کنول نہ جلتے ہیں اور نہ بجھتے ہیں۔
جلنا تو چراغوں کا مقدر ہے، اس سے دو مفہوم ملتے ہیں ایک یہ کہ میرے دل کو کسی پل چین اور سکون نہیں ملتا۔ دوسرا میرا دل نہ تو آرزوؤں سے بیگانہ ہو کر بجھتا ہے یعنی بے جان ہوتا ہے اور نہ ہی آرزوؤں کے مکمل ہونے کی وجہ سے جل کر راکھ ہوتا ہے یعنی ہر وقت سلگتا رہتا ہے یعنی خواہشات پوری بھی نہیں ہوتیں اور ختم بھی نہیں ہوتیں۔

رہنے دو کہ اب تم بھی مجھے پڑھ نہ سکو گے
برسات میں کاغذ کی طرح بھیگ گیا ہوں

اس شعر کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ دل ایک چراغ کی مانند ہے اور روزِ اوّل سے اس کی تخلیق کا مقصد صرف یہ تھا کہ اس چراغ میں عشقِ حقیقی کا شعلہ جلتا رہے لیکن میرے دل کا چراغ نہ جلتا ہے نہ بجھتا ہے یعنی عشقِ حقیقی کا شعلہ غمِ روزگار کی وجہ سے نہ روشن ہوتا ہے اور نہ فطری رغبت اسے بجھنے دیتی ہے۔
بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ان دونوں صورتوں میں سے کسی بھی صورتِ حال سے دوچار نہیں ہوتے۔ ایسی ہی صورت میں اس شعر کے مطابق ہماری شاعرہ بھی نظر آ رہی ہے۔ اُس کے خیال میں چراغوں کی قسمت میں تو ابتداء ہی سے جلنا لکھا ہے اور وہ جلتے ہیں خواہ کسی بے بس کی شمع مزار بن کر جلیں یا کسی رئیس کے گھر میں خوبصورت فانوسوں کی شکل میں نور افشانی کریں دل کے چراغ تو اس قسم کی کسی صورتِ حال سے عہدہ برآ نہیں ہوتے، ان پر جلنے بجھنے کی منزل نہیں آ سکی۔

شعر 3

نازک تھے کہیں رنگِ گل و بوئے سمن سے
جذبات کہ آداب کے سانچے میں ڈھلے ہیں

مفہوم:

میرے جذبات پھولوں سے زیادہ نازک و حسین ہیں لیکن یہ حدِ ادب کے سانچے میں ڈھلے ہیں۔

تشریح:

ادا جعفری معروف غزل گو شاعرہ ہیں۔ وہ جدید لہجے میں غمِ جاناں اور غمِ دوراں کو منظوم کرتی ہیں۔

زیرِ تشریح شعر میں ادا جعفری عشق میں ادب و احترام کو روحِ جذبات قرار دیتے ہوئے کہتی ہیں کہ میرے جذبات میں پھولوں کی خوشبو، خوبصورتی اور نزاکت تھی۔ جیسے گلاب کے سُرخ پھول، خوش رنگ اور نازک محسوس ہوتے ہیں اور چنبیلی کی خوشبو بھینی بھینی اور معطر کر دینے والی ہوتی ہے اسی طرح میرے جذبات بھی نزاکت اور رعنائی رکھتے تھے۔ لیکن جب سے یہ آداب کے سانچے میں ڈھلے، انہیں اپنی حدود و قیود کا پتا چلا۔ اب یہ محدود ہو گئے ہیں۔ میرے جذبات بہت ہی نرم نازک ہیں لیکن ان کی حد ہے، ادب کی حد۔ اسی حد کے پابند ہو کر ان میں توازن پیدا ہو گیا ہے اور دراصل ان کی نزاکت اور بڑھ گئی ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ:

خموش اے دل! بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

شاعرہ کہتی ہے کہ ہم بھی محبت کے جذبات سے لبریز ہیں۔ ہمارے جذبات گُلوں کی خوبصورتی و رعنائی اور چنبیلی کی خوشبو کی مانند پذیرائی کے خواص رکھتے ہیں۔ جوشِ محبت، سوزِ دروں اگر آشکار ہو جائے تو زمانے بھر میں پذیرائی حاصل کرے لیکن ہمیں پتا ہے کہ ہر کام کے آداب کیا ہیں۔ انسان جس سے محبت کرتا ہے اس کی رسوائی نہیں چاہتا۔ اس کو سرِ محفل ہدفِ تنقید بنانے کا موقع نہیں دیتا۔ اسی لیے ہم نے اپنے جذبات کو حدِ ادب سے باہر نہیں نکلنے دیا بلکہ انہیں شائستگی اور آداب کے دائرے میں رکھا ہے۔

دیکھنا بھی تو انہیں دور سے دیکھا کرنا

شیوہ عشق نہیں حسن کو رُسوا کرنا

شعر 4

تھے کتنے ستارے کہ سرِ شام ہی ڈوبے

ہنگامِ سحر کتنے ہی خورشید ڈھلے ہیں

مفہوم:

ستاروں جیسے بہت سے لوگ آغازِ زندگی میں ہی فوت ہو گئے، بہت سے سورج جیسے لوگ دمِ صبح ہی عدم کو چلے گئے۔

تشریح:

ادا جعفری معروف غزل گو شاعرہ ہیں۔ وہ جدید لہجے میں غمِ جاناں اور غمِ دوراں کو منظوم کرتی ہیں۔

زیرِ تشریح شعر میں وہ کہتی ہیں کہ آسمان کے دامن میں بے شمار ستارے ایسے ہوتے ہیں جنہیں چمکنا نصیب نہیں ہوتا اور وہ شام ہوتے ہی ڈوب جاتے ہیں اور اسی طرح کئی سورج صبح ہوتے ہی ڈھل جاتے ہیں۔ یہ دنیا فانی اور موت برحق ہے۔ موت نہایت ظالم اور بے رحم ہے۔ وقت کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ کتنے ستارے ایسے ہیں جنہوں نے اپنی پوری آب و تاب سے چمکنا تھا۔ اس دنیا کی خوبصورتی سے لطف اٹھانا تھا۔ مگر وہ محروم رہ گئے موت کسی کی پرواہ نہیں کرتی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ

ترجمہ: "ہر ذی نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے"۔

اسی طرح سورج جس نے تمام دنیا کو منوّر کرنا تھا صبح کے وقت ہی ڈھل گیا۔

زندگی کا بھروسا ہی کیا اک چھلکتا ہوا جام ہے

زندگی! زندگی! زندگی! موت کا دوسرا نام ہے

اس شعر کا لُبِّ لباب یہ ہے کہ وقت نے کسی کا ساتھ نہیں دیا۔ بہت سے ایسے بچے جنہوں نے دنیا کی خوبصورتی اور رونق سے لطف اٹھانا تھا کم عمری میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور بہت سے جوان جنہوں نے ملک کی بھاگ دوڑ سنبھالنی تھی انہیں بھی موت نے مہلت نہ دی۔

حیات عجب مرحلہ بے ثبات ہے

ہر اک ذی روح کو آخر ممات ہے

شاعرہ کہہ رہی ہے کہ ایسے کتنے ہی ستارے تھے جو اپنی روشنی پھیلانے سے قبل ہی ڈوب گئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تاریکی بڑھ گئی اور اس گہری تاریکی سے سحر کے وقت کتنے سورج اپنی پوری آب و تاب سے طلوع ہوئے۔ قاعدہ ہے کہ رات جتنی زیادہ گہری اور تاریک ہو گی، سورج کی روشنی اس قدر چمکدار اور تابناک ہو گی۔ لہذا وہ ستارے جو شام کے وقت ہی ڈوب گئے ان کے غروب ہونے سے کئی سورج نکلے اور ہر سو روشنی پھیل گئی۔

شعر 5

جو جھیل گئے ہنس کے کڑی دھوپ کے تیور

تاروں کی خنک چھاؤں میں وہ لوگ جلے ہیں

مفہوم:

جنہوں نے کڑا وقت ہنس کر جھیل لیا تھا اور اسے اچھے وقت میں بدل دیا تھا۔ جب اچھا وقت آیا تو ان کی قسمت میں جلنا کڑھنا لکھا تھا۔

تشریح:

ادا جعفری معروف غزل گو شاعرہ ہیں۔ وہ جدید لہجے میں غمِ جاناں اور غمِ دوراں کو منظوم کرتی ہیں۔ زیرِ تشریح شعر میں وہ کہتی ہیں کہ انسانی فطرت ہے کہ وہ غیروں کے ظلم و ستم کو تو برداشت کر لیتا ہے لیکن اپنوں کی بے رُخی اسے مار دیتی ہے۔

اس شعر میں انسانی فطرت کی عکاسی کی گئی ہے کہ غیروں کا ظلم و ستم انسان ہنس کر برداشت کر لیتا ہے لیکن اپنوں کی تھوڑی سی بے مروتی بھی اس کی جان لے لیتی ہے۔ یوں انسان کڑی دھوپ میں تو سفر کر سکتا ہے مگر ٹھنڈی چھاؤں میں سفر کرنا اس کی برداشت سے باہر ہے۔ اسی طرح غیروں کے تیر اور تلوار بھی اتنا زخمی نہیں کر سکتے جو اپنوں کی زبان کر سکتی ہے۔

دنیا ہزار ظلم کرے اس کا غم نہیں

مارا جو تو نے پھول وہ پتھر سے کم نہیں

ادا جعفری محبوب کی بے مروتی اور بے وفائی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ اہلِ وفا نے آزمائش کے ہر کڑے وقت میں وفا کی، ساتھ نبھایا اور مشکلات سے نکلنے میں پورا ساتھ دیا۔ مگر جب محبوب کو کامیابی و آسودگی نصیب ہوئی تو اُس نے سب احسانات کو بھلا دیا۔ اُسے وفائیں یاد نہ رہیں۔ وہ نئے دور کا راہرو ہو گیا اور اُسے نئے دور کی ہوا لگ گئی۔ چنانچہ وہ اہلِ وفا جو ساتھ نبھانے میں ثابت قدم رہے اُن کی قسمت میں جلنا اور کُڑھنا رہ گیا۔ انہوں نے کڑی دھوپ کے تیور تو محبوب کی خاطر ہنس کر برداشت کیے تھے لیکن اب اس وفا کا صلہ رونے کے سوا کچھ نہیں۔

شاعرہ کہہ رہی ہے کہ وہ دلیر اور بہادر حوصلہ مند لوگ جنہوں نے زمانے کی تیز دھوپ کا مقابلہ بڑے حوصلے، عزم و استقلال سے کیا ٹھنڈی چھاؤں میں انہیں جلنے اور سُلگنے کا احساس ہوتا ہے۔

شعر 6

اک شمع بجھائی تو کئی اور جلالیں
ہم گردش دوراں سے بڑی چال چلے ہیں

مفہوم:

اگر زمانہ ایک شمع بجھائے گا تو کئی اور جلالیں گے۔ زمانہ بڑا چال باز ہے لیکن ہم اس سے زیادہ باہمت اور چالاک ہیں۔

تشریح:

ادا جعفری معروف غزل گو شاعرہ ہیں۔ وہ جدید لمحے میں غمِ جاناں اور غمِ دوراں کو منظوم کرتی ہیں۔ زیر تشریح شعر میں وہ کہتی ہیں کہ زمانے نے تو بہت کوشش کی کہ وہ ہمیں اندھیرے میں رکھے مگر ہم نے بھی چال چلی کہ اس نے ایک شمع چھین لی تو ہم نے دوسری جلالی۔

شاعروں کی نظر میں آسمان اور زمانے کی گردش ان کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ زمانہ ظالم اور مکار ہے وہ ہمارے حوصلے پست کرنا چاہتا ہے۔ گردش دوراں ہمیں شکست دینا چاہتی ہے مگر ہم بھی بڑے چالاک ہیں ہم زمانے کی ہر چال کو سمجھتے ہیں۔ زمانے نے اگر ہماری امید کی ایک شمع بجھائی تو ہم نے امید کی نئی شمع سینے میں روشن کی۔ زمانے میں ہمارا ایک راستہ بند کیا تو ہم نے دوسرا راستہ تلاش کر لیا۔ زمانہ ہمیں پریشانیوں اور مصائب میں مبتلا کرنا چاہتا ہے لیکن ہم ہمت ہارنے والے نہیں۔ ہم خوشی کی ہلکی سی رمق پا کر ہر غم بھول جاتے ہیں اور پھر سے نئے غم سہنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ غم سہنے میں بھی قدرت نے ایک مزہ رکھا ہے۔

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پُر خار دیکھ کر

زندگی میں دوست بھی ہوتے ہیں اور دشمن بھی۔ کامیابی اور ترقی کی طرف بڑھتے دیکھ کر دشمن تو جلتے ہی ہیں، اپنے بھی جلتے ہیں۔ محبت ہو یا کوئی اور منزل، حاسد کامیابی ہضم نہیں کر پاتے۔ چنانچہ طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں۔ شاعرہ کہتی ہے کہ حاسدین لاکھ برا چاہیں ہم ان کے روکنے سے رکنے والے نہیں وہ اگر ایک راہ مسدود کریں گے ہم اور راستے تلاش کر لیں گے اور منزل تک پہنچ کر دم لیں گے۔ پانی کی گزرگاہ تنگ کی جائے تو اس میں طغیانی آتی ہے۔ زمانہ رکاوٹیں کھڑی کر کے ہماری جدوجہد کو مہمیز کرتا ہے۔ وہ عیار ہے تو ہم اس سے زیادہ عیار ہیں۔ وہ ایک طرف سے رکاوٹ ڈالے گا ہم کسی اور طرف سے مقصود حاصل کر لیں گے۔ وہ ایک راہ کی شمع بجھا کر راستہ تاریک کرے گا ہم اور راہوں پر شمعیں جلا کر سفر جاری رکھیں گے۔ حوصلوں اور جذبوں کو سازشوں سے شکست نہیں دی جا سکتی۔ اے گردشِ دوراں! ہم ناقابلِ شکست ہیں!!

"ایک آدمی تباہ تو ہو سکتا ہے
لیکن اسے شکست نہیں دی جا سکتی" (ہیمنگوئے)

پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے
رکتی ہے میری طبع تو ہوتی ہے رواں اور (غالبؔ)